



ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

**DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY**

JAMIA MILLIA ISLAMIA  
JAMIA NAGAR

**NEW DELHI**

Please examine the book before taking  
it out. You will be responsible for  
damages to the book discovered while  
returning it.

*Rare* DUE DATE

Cl. No. 297.2  
168 C 81

Acc. No. 78493

168 C 81

Late Fine Ordinary books 25 p. per day, Text Book  
Re. 1 per day, Over night book Re. 1 per day.



# غلطنامہ عثمانی اسلامیہ

## ویباچہ

صفحہ	مط	غلط	صحیح
۱	۱۱	یورپ کے مصنفون نے	یورپ کے مصنفون سے
۲	۱	اونپر لوگون کا عمل	ہین اونپر لوگون کا عمل
۲۰	۲	ہندو ہمایہ میں	ہندو ہمایہ میں
۴	۹۷۸	قرآن کی حقیقت	قرآن کی حقیقت
۷	۶	تفسیرین	مفسرین
۱۰	۶	علم رکھتا	علم سکھایا
۱۷	۱	اصلاح سے	اصلاح کے
۱۷	فاشیہ بی سطر	اصطلاحات	اصلاحات
۲۱	۲۰	قول و فعل کو ایسا یاد	قول و فعل کو یاد
۲۷	۷	عقیدہ پر کرتے	عقیدہ پر عمل کرتے
۲۸	۵	ترکی اصلاح	ترکی کی اصلاح
-	۱۴	شیعون میں جسے فارسی میں	شیعون میں جسے فارسی میں
-	۱۶	استجاد زیادہ	الستجاد زیادہ
۳۰	۷	دینداروں کو	دینداروں کا
۳۱	۱۸	لیکن اس سبب سے	لیکن یہ اس سبب سے



صفحہ	سطر	فلاط	صحیح
۳۲	۱۷	جس سلک کو	جس سلک کو
۳۸	۱	اونہین میرے	اون میں بہتیرے
۴۰	۱۱	گذر گئے ہیں کہ اب تک	گذر گئے ہیں اب تک
۴۴	۱۵	حکم کریں	حکم کر
۴۵	۱۴	دھیبہ	دھیہ
۴۷	۱۶	دھیہ	دھیہ
۴۸	۱۳	ابو ابن کعب	ابی ابن کعب
۴۹	۱۴	ابو ابن کعب	ابی ابن کعب
۵۱	۱۵	وہی متلو	وہی متلو
۶۰	۴	یہ کہ ہیں	یہ کہ ہیں
۶۱	۹	خالص	خالص
۶۳	۶	فقرے	فقرہ اور
۶۶	۱۵	لیکن احکام باقی	لیکن الفاظ باقی
۶۹	۱۶	اسلام کی تفسیر	اسلام کی الفت
۸۵	۱۲	تیرا نور اور میری روح	میرا نور اور میری روح
۸۸	۳	دسورہ منزل	(سورہ منزل
۸۹	۵	دائرے	دائرے
۹۰	۱۹	سب بہرے	سب بُرے
۹۱	۱۷	اونکے کامل	اونکو کامل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۵	۱۴	پابندی ہی ایک	پابندی سے ایک
"	۱۵	اس بات کے	اس باب کے
۹۶	۱۹	پہونچتا	پہونچنا
۹۷	۲۰	خزانہ کو پایا	خزانہ کو پانا
۹۸	۱۸	الحجاج	صلوات
۱۰۰	۹	موجودہ سے	موجود سے
۱۰۱	۱۴	راہ پر چلنے والے	راہ پر چلنے والا
۱۰۵	۸	تعلیمات	تعلیم
۱۰۸	۱۳	ایوان	الوان
۱۱۰	۹	القاء	اتقاء
۱۱۲	۶	سجد کے ایک فرقہ	سجد کے ایک قریہ
۱۲۲	۵	ذات یا تشخیص	ذات یا تشخص
۱۲۳	۱۲	اون اون	اون
۱۲۴	۱۶	جیسے	جسے
۱۲۹	۱۸	اور اور	اور
۱۳۱	۵	ایک نبی	ایک شخص
"	۷	ترجمہ یہی	ترجمہ بھی
۱۳۷	۶	ابن خلیفان	ابن خلکان
۱۳۸	۷	وقت مدعی کی	وقت مدعا کی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴۰	۶	درست تھا نہیں ہوتا	درست تھا کا فر نہیں ہوتا
"	۶	ابن خلیفان	ابن خلکان
۱۴۱	۴	شتر استاتی	شہر استانی
۱۴۲	۷	علی الجبائی نے	علی الجبائی اپنے
۱۴۵	۵	ہوتا تو میرا	تھا تو میرا
"	۱۰	یہ واقعات	یہ واقعہ
۱۵۱	۱۷	مجموع	مجمیون
۱۶۱	۵	کرتے ہیں	کرتی ہے
"	۸	چن تو	چن لو
۱۶۲	۷	قصر	قصہ
۱۶۳	۷	نشو	نشور
۱۶۴	۲	کے مردے	کے بعد مردے
۱۶۵	۱۶	ایک بات	ایک باب
"	حاشیہ کی سطر ۲ سے		موسوسہ
۱۶۶	۵	۱۰۴ میں	۱۰۴ میں
۱۶۷	حاشیہ کی سطر ۱۲	اس خیال سے کہ اونہیں کوئی نقص تھا	اس خیال سے کہ اونہیں کوئی نقص تھا
"	حاشیہ کی سطر ۱۲	فریق کا سردار	فریق کے سردار
"	حاشیہ کی سطر ۱۲	سخت ہے	سخت ہیں
۱۷۱	۳	آحزاب	احزاب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۱	۴	ادون بیٹوں کے	اونیکے بیٹوں کے
"	۸	یہی ہے	بھی ہے
"	۱۶	مختزلہ	مختزلہ
۱۷۳	۱۰	حالت ملکی	حالت ملکی
۱۷۴	۱۱	عاقل وخر	عادل وخر
۱۷۵	۳	بنی مسلمانوں	نبی کی نسبت مسلمانوں
"	"	انبیاء	کہ انبیاء
"	۶	کو	مختزلہ کو
"	۱۷۱۶	مردن کا نام لیکر چھاتی پیٹی	مردوں کا نام لیکر چھاتی پیٹی
"	حاشیہ کی سطر	احراض	اعتراض
۱۷۶	۳	قائم کروں کے	قائم اردن کے
"	۸	ہوگی ملر	ہو مگر
۱۷۷	۱۳	کا وعدہ ٹھیک ہے بیشک اللہ کا	کا وعدہ ٹھیک ہے اور اپنا
"	"	وعدہ ٹھیک ہے اور اپنا لٹاؤ بختوا	گناہ بختوا
"	۲۰	سفید مطالب	مغیہ مطلب
۱۷۸	۱۷	متنفس	شخص
"	"	اولو العزم میں	اولو العزم میں
۱۷۹	۱	فرق عادت	خرق عادت
"	۷	اولیں	ادریس

صفحہ	نسطر	غلط	صحیح
۱۷۹	۱۱	صہ	صدر
"	حاشیہ کی سطر	یہ بھی	یہی
"	حاشیہ کی سطر	بلوغت	بلوغت
۱۸۰	۱۲	انگشت سپاہ سے اشارہ کیا	انگشت سپاہ سے اشارہ کیا
"	۱۴	جماعت مسافران سے	مسافران کی جماعت سے
"	۲۰	سب کے	شب کے
۱۸۱	۵	کے معجزات	کو معجزات
۱۸۳	۱۵	زمر	زمر
۱۸۵	۱۸	تطہیر	تطہیر
۱۸۷	۱	پرہیز گے	پرہیز گے
"	۱۶	بہ دعویٰ	یہ دعویٰ
۱۸۸	۴	موازنین	موازنین
"	۵	باصحائف	مع صحائف
"	۲۰	پس	یس
۱۸۹	۹	مگر چند مدت	مگر مسلمان چند مدت
۱۹۰	۳	غرفۃ	عرفۃ
۱۹۱	۵	ایکین	لم یکین
"	۹	کیونکہ ذرہ بھر	کیونکہ جسے ذرہ بھر
"	۱۱	ابن سب	ابن سبب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۱	۱۴	اسی جنت سے	اسی جنت سے
"	۲۰	عیسیٰ	عسی
۱۹۲	۱	ایک	ریک
"	۱	مین اشارہ ہے	مین اشارہ ہے
۱۹۳	۱۲	آخرا ب	اخزاب
۱۹۴	۱	مذار ج	مدارج
"	۱۱	القطار	انقطار
"	۱۱		
"	۱۸	یعنی یہی رہینگے	رہینگے
۱۹۵	۱۲	اوسکا	اسکا
"		حاشیکہ سطر ماننی چاہئے	ماننی چاہئیں
۱۹۶	۱۰	اول سے	ازل سے
۱۹۷	۴	حسن کا	حسن کا
۱۹۹		حاشیکہ سطر ابن قہ	ابن قہ
۲۰۱	۸	سورہ دقفر	سورہ دقمر
"	۱۵	ارادہ وقوع	ارادہ کا وقوع
۲۰۲	۵	قد	قدر
۲۰۴	۵	لکنا چاہئے	لکنا چاہئے
۲۰۵	۷	معروف آزاد	معروف آزاد
"	۸	سبب سے افلاطون	سبب سے کہ افلاطون

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
"	۱۹	سے کہ عین یقین کے مرتبہ پر تھے	سے تھے
۲۰۶	۵	منجانب اللہ ہے انسان	منجانب اللہ ہے یا منجانب انسان
"	۱۳	ابن نمین اور اوسکا بیٹا اسحق بن نمین	بن خنین اور اوسکا
"	۱۵	بس العصم	یا بس العصم
۲۰۷	۱۵	ممد	عمد
۲۰۸	۹	زمانہ	زمانہ
"	۱۰	بڑا کہتے	بڑا کہتے
۲۰۹	۱۸	باہر	باہر
۲۱۰	۵	ابن بشیر	ابن رشید
"	۱۱	کہ یہ سچ ہے	کہ یہ سچ ہے
۲۱۱	۳	مشکوٰۃ	مشکوٰۃ
"	۱۲	باہر	باہر
"	۲۰	عالموں کی حجت	عالموں کی وساطت
۲۱۲	۵	کی کچھ وقعت	کے درمیان کچھ وقعت
۲۱۳	۱۵	ذوی القرنی	ذوی القرنی
"	۱۸	بنیوں کے طریق ہیں	بنیوں کے طریق پر ہے
۲۱۴	۴	سباحات	سباحات
۲۱۵	۱	جو ایک مسئلہ کہ جیسے	جو ایک مسئلہ ایسا ہے کہ جیسے
"	۱۶	فقہ	فقہ

صفحہ	سطر	غلاط	صحیح
۲۱۵	۱۳	وجہ کم	وجہ کم
۲۱۸	۷	ہاتھوں مونہہ	ہاتھوں اور منہ
۲۲۰	۱۱	تہی	ہین
۲۲۲	۷	شروع اور	شروع کرتا ہے اور
"	۱۷	الک	انک
۲۲۴	۴	طرف	صہف
۲۲۷	۳	ادسکلام	ادسکا کلام
۲۲۸	۴	پازغاز	پارغار
"	۹	اور اوسے	اور جو اوسے
۲۳۱	۱۱	ایام	ایام
۲۳۴	۵	شفقتہ	شفقتہ
۲۳۶	۴	کچی اور	کچی اینٹ اور
۲۴۲	۱۰	بات	باب
۲۴۷	۱۵	نقل	نقل
۲۴۷	۱۷	ہونے کے پھر	ہونے کے بعد پھر
۲۴۸	۱۲	مزدلفہ	مزدلفہ
"	۱۵	جمع کے اوقات	جمع اوقات
۲۵۰	۴	محدث	محدث
۲۵۲	"	گوشہ عربی یعنی رکن	گوشہ عربی یعنی رکن



صحیح

غلط

سطر

صفحہ

دشوار	شعور	۱۶	۲۵۵
سلام	اسلام	۱۳	۲۶۰
علموں وغیرہ پر	علموں پر اور تریاق وغیرہ پر	۱	۲۶۶
رسمیات اور ون کی نقل	رسمیات کی نقل	۲۰	۲۶۶
زیبائش کی	زیبائش	۷	۲۶۹
دروازے سے جسے	دروازے سے جسے	۷-۶	۲۷۴
پڑھنا x x کرنا	پڑھنے x - x کرنے	۷	۲۷۷
لوگوں کو	لوگوں پر	۱۰	"
اور ادا رانکے	اور اونکے	۴	۲۷۸
اوسکی جگہ رکھ دیا تھا	اوسکی جگہ دیا تھا	۱۰	"
خطر	خط	۱۵	۲۸۹
نیز یہ کہ ہنود	نیز کہ ہنوز	۲	۲۹۰

# فہرست مضامین

ریساجہ

## باب اول اصول اسلام

قرآن۔ وحی۔ قرآن کا معجزہ ہونا۔ ترتیب۔ عثمان کا قرآن کو جمع کرنا۔ سنت۔ وقت سنت  
کے۔ حدیث۔ بدعت۔ شیعوں کی حدیثیں۔ اجماع۔ اجتہاد۔ چار پڑے امام خلیفہ۔  
مانک۔ شافعی۔ حنبلی۔ قیاس جسے قدیم مجتہدان نے قائم کیا۔ اسلام کی سخت قیدیں  
نیمہ باب اول در باب اجتہاد۔

## دوسرا باب

### تفسیر و تشریح قرآن و احادیث

الہام۔ ہفت ذرات مفسر کا کام۔ قرآن کے الفاظ اور آیات اور الفاظ کا استعمال  
استخراج دلائل از قرآن۔ قرآن کی حصص نامح و منسوخ۔ حدیث  
جمع کرنا احادیث کا۔ اقسام احادیث۔

## تیسرا باب مسلمانوں کے فرقے

شیعہ۔ امامت۔ خارجی۔ نور محمدی۔ امامیہ۔ اسماعیلیہ۔ غیر مہدی۔ دائریہ۔ محمودیہ  
خلافت۔ صوفی۔ نظم فارسی۔ درویش۔ عمر پیام۔ وہابی۔ اوکا آغاز۔ ہندوستان

مین و ہامیون کا پھیلنا۔ اونکے مسائل۔ اونکا اثر۔  
ضمیمہ باب سوم در باب و ہامیان۔

## چوتھا باب

### عقائد اسلام

ایمان۔ خدا۔ صفات الہیہ۔ بحث صفات الہیہ پر متزلزل کی ابتدا۔ صفاتیہ میثابہی۔  
اسماء الہی۔ قرآن کا وجود ملائکہ۔ کراما الکاتبین۔ ماروت ماروت۔ منکر نکیر۔ جن  
صیافت۔ تیغ۔ تحریف۔ انبیاء۔ اونکی مراتب نبیون کا الہام نبی و رسول۔ عصمت  
انبیاء۔ انبیاء الواعزم۔ معجزات۔ معراج۔ قیامت۔ عدالت۔ صور۔ نزول کتب۔  
اعمال کی ترار و پل صراط۔ الاعراف۔ البرزخ۔ محمد کی شفاعت۔ بہشت۔ دوزخ  
قدر خیر و شر۔ جبریت۔ قدریت۔ اشعری۔ خود مختاری۔ الحاد۔  
ضمیمہ باب چہارم۔ فلسفہ اسلام۔

## پانچواں باب

### احکام اسلام

فرض۔ واجب۔ سنت۔ مستحب۔ مباح۔ حرام۔ تشدد۔ صلوٰۃ۔ وضو۔ غسل۔  
تیمم۔ نماز۔ فرض۔ سنت۔ و توفل۔ نماز کے اوقات۔ جمعہ کی نماز۔ خطبہ۔ سفر۔  
اور جنگ کی نماز۔ نماز رمضان۔ قحط و گھن کی نماز۔ نماز جنازہ۔ رسوم اور دعائیں۔  
روزے رکھنا۔ روزے کے ایام اور اوکی اصلیت۔ زکوٰۃ۔ نصاب۔ مقدار اور اس  
مال کی جو بطور خیرات دیا جائے۔ زکوٰۃ کے لینے والے۔ حج۔ احکام فرض و سنت

و داجب و مستحب متعلق حج۔ ایام حج۔ حاجیوں کا مکہ میں داخل ہونا۔ طواف۔  
 رسوم حج کے۔ خاتمہ حج کا۔ ہیئت جمعی اسلام کی۔  
 ضمیمہ باب پنجم۔ فتویٰ در باب نماز۔

## چھٹا باب

مسلمانوں کے تیوہار اور روزے

محرم۔ عاشورہ خانہ۔ مرثیہ و اقعہ خوان۔ علم۔ عاشورہ کے رسوم۔ علی حسین  
 حسین کی فاتحہ۔ آخری چار شنبہ۔ بارہ وفات۔ میلاد شریف۔ آثار شریف۔  
 شب برات۔ رمضان۔ عید الفطر۔ احکامات۔ صدقہ۔ عید الفطر کا خطبہ۔ بقرہ عیدین  
 عید الفصح۔ قربانی۔ مدار کا میلہ۔ سالار مسعود غازی کا میلہ۔ خواجہ خضر کا میلہ۔  
 پیر دستگیر صاحب۔ قادر ولی صاحب کا میلہ۔  
 اصطلاحات۔

## اصطلاحات

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۱۵۹	البیس	۲۳۸	ایام بیض
۲۴۱	انظار	۲۵۲	ایام تشریق
۲۴۸	احرام	۱۸۹	الاعراف
۲۰	اجماع	۱۹۰	البرزخ
۲۰	اجماع آنت	۸۷	المهدی
۳۶	اجتهاد	۲۶۹	آخری چهارشنبه
۳۸	اجتهاد فی المسائل	۱۹۹	امریکوتی
۳۵	اجتهاد فی المذهب	۱۷۰	انبیاء و اولاد
۳۸	اجتهاد فی الشریع	۲۷۱	آثار شریف
۴۴	المام	۹	اصحاب
۴۶	انقاء	۱۴۹	اسما حسنه
۴۴	المام اصول	۲۲۲	التحیات
۲۲	امام	۲۸۵	اولیاء
۲۲	امام ابوحنیفه	۶۱۰	آیت
۲۴	امام ابن مالک	۲۷۲	آیت الکرسی
۲۵	امام شافعی	۴۶	اصول
۲۶	امام حنبل	۱۰۵	آزاد
۸۶	امامت	۲۲۵	اذان

صفحة	مضمون	صفحة	مضمون
٩	تبع تابعين	٢٩٢	امام باطنه
٩	تابعين	١٣٠	ايمان بفضل
٢٩٣	تالوت	١٣٠	ايمان محمل
١٦٩	تحرير	٥٩	استدلال
٢٤٥	تكميل	٤٠	اشارت
٩٢	تقيه	١١٩	اشراك في العبادت
٢٣٩	تلبيه	٢٢١	اشراك في الادب
٢٣٤	تلقين	٤٣	اسناد
٢٢٢	تبج	٢١٩	اقامت
٢٢٢	تشهد	٤٠	اقتضار
٢٢١	تسميه	٤٩	اعتبار الاشال
٢٢١	تسبيح		ب
١٨٥	قطر الصالح	٢٤٠	باره وفات
١١٤	توحيد	١٤٩	بقاب توسين
١٣٨	توقيفي	٢٤٨	بقرعيد
٢١٤	تيمم	١٤	برعت
٢٩٣	تغزيه	٢٤	براق
	ج		ت
١٩٩	جبهه	٢٢١	تغزو

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
جنم	۱۹۴	حال	۱۰۲
جامع ترمذی	۷۹	حقیقت	۵۹
جبرۃ العقبہ	۲۵۳	گرام	۲۱۴
جنت	۱۹۴	خ	
جشن میلاد شریف	۲۷۱	خفی	۵۵
جن	۱۶۴	خابی	۸۴
جزو	۱۶۳	خاص	۵۴
ح		خوق عادت	۱۷۹
حدیث	۷۳	خلفاء راشدین	۲۳۱
حدیث حسن	۷۹	خطبہ	۲۷۶
حدیث معلق	۸۰	و	
حدیث مرسل	۸۰	دائری	۸۹
حدیث متواتر	۷۸	دلالت	۶۰
حدیث صحیح	۷۹	دلیل قطعی	۶۰
حدیث ضعیف	۷۹	دلیل ظنی	۶۰
حد	۲۱۳	در ویش	۱۰۴
حافظہ	۱۰	درگاہ	۲۸۵
حج	۲۴۷	دعا	۲۲۶
بحرالاسود	۲۵۰	ز	

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
٤٦	سنن ابوداؤد	٢٢٢	ذکوة
٤٦	سنن نسائی		
٤٤	سنن ماجه	٢٢٢	رکعت
١٣	سنت	٢٤٣	بضآن
٩٢	سوره	٢٥٢	ربی الجمار
	ش	١٤٢	رسول
١١٩	شفاعت باذن	٢٩٣	روضه
	شفاعت مجت	٢٤٣	روزه
١١٩	شفاعت وجاهت	٢٣٨	روزه نذر
١١٤	شکر	٢٣٨	روزه کفاره
١٢	شکر العادت	٤	روح الامین
١١٨	شکر العبادت	٩٥	رکوع
١١٨	شکر العلم	٢٥٣	روز ترویج
١١٨	شکر التقوى		ز
	ص	٢٨٥	زیارت
٢٢٤	صدقه		س
١٨٤	صالحات الاعمال	٢٥٢	سعی
٤٥	صحیح بخاری	١٠١	مالک
٤٦	صحیح مسلم	٩٣	سی پاره



صفحة	مضمون	صفحة	مضمون
٩٦	صوفي	٢١٥	صلوة
	ط	٢٢٣	صلوة العصر
٢٤٥	طمارت	٢٢٣	صلوة الفجر
٢٥٠	طواف	٢٢٣	صلوة العشاء
٢٥٢	طواف الوداع	٢٣١	صلوة الاستسقاء
	ط	٢٣٤	صلوة الاستخاره
		٢٣٢	صلوة الجنازة
٥٦	ظاهر	٢٢٢	صلوة الجمعة
	ع	٢٢٩	صلوة الخوف
		٢٣١	صلوة الخسوف
٢٥٥	عمره	٢٣١	صلوة الكسوف
٢٦٢	علم	٢٢٣	صلوة المغرب
٥٢	عام	٢٢٩	صلوة المسافر
٢٦٢	عاشوره	٢٣٤	صلوة التراويح
٢٦٢	عاشوره خانه	٥٦	صحيح
	غ	١٣٢	صفات سلبية
		١٣٢	صفات شبيهة
٨٩	غير مبدى	٤٥	صحاح سنة
٢١٤	غسل	١٨٧	صراط

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۱۵۲	کلام		ف
۶۱	کلمه	۱۰۳	فنا
۸۳	کرامیه	۱۳۵	فرغ
۱۲۶	کسب	۲۱۵	فرض
۱۹۳	کوشش	۲۳۳	فرض عین
۵۹	کنایه	۲۳۲	فرض کفایه
۱۶۰	کرام الکاتبین	۲۳۳	فطره
۹۹	کتمان گره	۲۰	فتواء
۱۶۴	گناه کیو		ق
۱۶۴	گناه صغیره	۲۴۱	قدم رسول
	ل	۱۹۴	قدیر
۲۲۹	لبیک	۲۴۱	قضاء
۲۳۵	لحم	۲۲۲	قیام
۲۴۲	لیله القدر	۳۰	قیاس
	م	۴۸	قراءت
۹۱	محمودیه	۴۹	قاری
۵۹	مجاز		ک
۱۰۵	مخدوب	۲۹۰	کعبه

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۳۸	مجموعه	۲۳۰	سوده
۵۷	محکم	۲۱۴	مکره
۱۱۴	مکر	۶۶	منسوخ
۹۲	مرشد	۹۱	مقام محمود
۱۳۶	مشاربه	۲۶۴	مشریه
۲۱۹	مصلی	۲۶۸	محراب
۱۴۷	مشابهی	۲۶۴	ممبر
۵	مصحف	۲۴۸	میقات
۲۶۲	محم	۱۸۷	میران
۵۷	مشکل	۱۶۰	مسقبات
۲۷۵	مستحب	۵۴	ماول
۲۷۴	متکف	۲۱۹	مژدن
۵۴	مشترک	۲۱۴	مبلج
۹۲	متعه	۶۰	مفر
۲۰	مقرله	۲۱۴	مفد
	ن	۷۵	محدث
۱۶۹	نبی	۱۴۸	مجسمی
۱۸۳	نفتخین صو	۱۷۰	معجزات
۲۴۱	نفی	۵۷	مجل

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۴۴	دخی	۱۱۳	تکلیف
۱۰۲	وجه	۴۴	نماز
۶۷	واجب	۵۶	نص
۵۷	واجب الیه	۵۵	ناخ
۴۴	واجب الیه	۴۴	نصاب
۴۱۵	وضوء	۲۲۰	نیت
۴۴	وتر	۶۵	نور مجری
	د		و
۱۲۰	پروت	۱۱۲	وہابی



# دیس باب

اس کتاب کے مضامین کی تھوڑی سی تفصیل آغاز کتاب میں ضروری عبارتی غرض کی تالیف سے محمد صاحب کی وقائع عمری یا جو مذہب انھوں نے نکالا اور کے پھیلنے کا ذکر میں ہے۔ انکس تان اور فرانس اور جرمنی کے لائق مصنف بہت کچھ اس بارہ میں لکھ چکے ہیں اس واسطے کوئی بات نئی اس مضمون پر نہیں بیٹھا سکتا تھا مذہب کے پھیلنے کا ذکر بھی طرح طرح سے لوگوں نے کیا ہے۔ ہاں البتہ محمد صاحب کی تعلیمات سے جو مذاہب بن گئے ہیں اور اسکا اثر لوگوں پر جو کچھ ہوا ہے اسکا جانتا میرے نزدیک اس زمانہ میں بہت ضرور ہے اس واسطے میں نے معتبر کتابوں سے اور نیز رسوم مروجہ سے یہ بتانا چاہا کہ دین اسلام دراصل کیا ہے اور اسکا اثر لوگوں اور قوموں پر کیسا ہے دوسرے جو کچھ اس وقت تک اسلام کی نسبت لکھا گیا ہے یا تو محض تعصب سے یا بطور اسے زنی کے لکھا گیا ہے۔ اسکا ٹھیک حال دریافت کرنے کے واسطے اس کے علوم سے واقف ہونا اور ان لوگوں میں رہنا ضرور ہے میں بلکہ دست جو کچھ تحقیق ہوا لکھا ہے اور جو کچھ یو رپ کے مصنفوں نے اخذ کیا ہے وہ صرف بطریق توضیح کے ہے۔ میں بہر جہت مسلمان مصنفوں سے لیا ہے بلکہ ایسے شاہدوں سے جو ہنوز زندہ ہیں میں نے تحقیق کر لیا ہے کہ جن مسائل و اصول کو میں مروجہ اسلام بتاتا ہوں۔ اہل اسلام

اور ہر لوگوں کا عمل ہے اور جیسا اوائل زمانوں میں اوسکا اثر تھا وہی اب بھی ہے پس اس طرح سے از اول تا آخر جو کچھ مجھے تحقیق ہوا ہے قلمبند کیا ہے اور جہاں تک ممکن ہوا گذشتہ کو حال سے ثابت کیا۔

مسلمانوں کی کتابوں سے اور اذن رسوم سے جو بالفعل مروج ہیں جو کچھ تہذیب نے نکالا ہے وہی ہے جو مجھے حق اور صحیح معلوم ہوا ہے۔ پھر بھی خوشی اس موقع پر یہ بیان کرتا ہوں کہ میں بہتر سے مسلمانوں کو اُن کے مذہب سے بھی بڑھ کر پایا اور ایسے لوگوں کو دیکھا جن سے دوستی کر کے دل خوش ہوتا ہے اور بہتری خوبیاں انہیں ایسی پاتا ہوں جنکے سبب سے انکی تعظیم کرتا ہوں اور دوست جانتا ہوں میں اس مذہب کی نسبت رائے زنی کرتا ہوں یہ نہیں ہے کہ اس مذہب کے کسی آدمی کی نسبت لکھتا ہوں ہندوستان میں بہتر روشنفکر مسلمان ہیں جو ہندوستانی جماعت کی زینت اور ملک کے کارآمد ملازم اور ایسے لوگ ہیں جنکی سرگرمی جماعت کی اصلاح میں قابل تعریف ہے یہاں تک تو البتہ انکی عزت کی بات ہے۔ لیکن ایسے لوگ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں بلکہ وہ دیندار مسلمانوں میں بھی نہیں شمار کئے جاتے۔ زمین یقین کرتا ہوں کہ اس طرح کے لوگ اور مسلمان ملک کے عالم فاضلون میں ہوں۔ دہریت کی موج جو یورپ میں پہونچی ہے اوسنے ان ملکوں کو بھی خالی نہیں چھوڑا ہے۔ ہندو مسلمان سب پر اوسکا اثر پہونچا ہے خدا آدمی جو آزادانہ کلام سے اپنی رائیں اگرنیرون کے سامنے ظاہر کیا کرتے ہیں اونسے ہندو یا مسلمان کے مذہب پر قیاس کرنا دھقیقت و حوکہ میں پڑنا ہے۔ ہندوستان میں پہونچا اسلام میں غیر لوگوں کی اور غیر مذہبوں کی باتیں بھی آگئی ہیں اگرچہ مذہب کے ایمان و دین میں کچھ تغیر نہیں ہو سکتا اور ایسا ہی ہے جیسا کہ جو تھے اور پانچپن باب میں بیان ہوا ہے مگر ہندوستان پہونچا اسلام کی اصلی تیزی کچھ کم ہو گئی ہے تو یہ بھی ہوا کہ بہتری بہت پرستی

کی رسوم بھی داخل ہو گئی ہیں جنکے خلاف دہابی دعویٰ کرتے ہیں۔ بہتیرے مسلمان تو  
 بُت پرستی میں ایسی ہی مبتلا ہیں جیسے انکے ہندو ہمسایہ میں پھر بھی بہتیرے ہندوستانی مسلمانوں  
 کی مروت اور آدیت اور خوش وضعی اور علمیت اپنے ملک کے ڈھنگ پر ایسی ہی جو جس سے  
 دیکھنے والے خوش ہوتے ہیں فقط

رائسٹ  
 ایڈورڈ سیل صاحب



# عقائد اسلامیہ

## باب اوّل

### اصول اسلام

اہل اسلام کا عقیدہ یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ جسکے معنی ہیں ”سوائے خدا کے کوئی دوسرا معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں“ بہت مختصر ہے۔ مگر اسی ایک کلمہ سے سیکڑوں باتیں نکلتی ہیں اور یہ کہنا کہ قرآن تمام احکام دینی و دنیوی کا مجموعہ ہے اور کہ قرآن میں اسلام کی کل باتیں موجود ہیں یعنی قرآن نہ صرف احکام دین کی کتاب ہے بلکہ مسلمان جو کچھ کرتے ہیں اسی کے موافق کرتے ہیں اور محمد صاحب کے مذہب کی کل باتیں اس میں نہیں ہیں یا یہ کہ اسلام کی پوری بشارت قرآن میں ہے۔ نہ صرف غلطی ہی بلکہ سب غلطیوں کا علاج اللہ کے مجرور قرآن پر تمام مسلمانوں کا ایمان و عمل تو درکنار ہے ایسا ایک فرقہ بھی نہیں جس کا ایمان و عمل صرف قرآن پر ہو۔ ہاں یہ سچ ہے کہ مسلمانوں میں ایسا کوئی فرقہ نہیں جسے قرآن کی حقیقت پر بحث یا اسکی صحت پر کچھ شبہ ہو۔ جو کچھ احکام اور عین ہیں وہ سب پر فوقیت رکھتے ہیں بلکہ تفاسیر قرآن جو علم فقہ اور الہیات کا ماضی ہیں اکثر احادیث پر مبنی ہیں۔ سننی مسلمانوں میں ایمان کے اصول چار ہیں: قرآن اور سنت اور اجماع اور قیاس۔ اور سب

سے مسلمانوں کے سب فرقے سنیوں سے اس باب میں متفق نہیں ہیں۔ ایک اور بڑی بات نکلتی ہے یعنی خرقہ اسلامی میں اتفاق کی احتیاج ہے۔

۱۔ قرآن۔ اجماع دوحی و انعام کی پوری بحث ہوگی اور قرآن کی تفسیر و تشریح کے قواعد دوسرے باب میں لکھے جاویں گے۔ بالفعل اس قدر بیان کرنا کافی ہے کہ ہر فرقہ کے مسلمان اس کتاب کی نہایت تعظیم کرتے ہیں۔ پڑھنے کے بعد کسی اونچی جگہ پر طاق یا تختہ بوسکتے ہیں اور کوئی بغیر وضو کیے نہ اسے پڑھ سکتا ہے نہ ہاتھ لگا سکتا ہے (الایسہ لا المظہرون سورہ ۵۶ و ۵۷) اور جب تک کوئی اشد ضرورت نہ ہو ترجمہ نہیں کرتے اور ترجمہ کے ساتھ عربی متن ضرور چھپتا ہے یعنی ترجمہ ہمیشہ حامل المتن ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ رمضان کے مبارک مہینے کو خدا نے یہ شرف دیا کہ تمام الہامی کتابیں جو نبی آدم کی واسطے آئیں۔ اسی مبارک مہینے میں نازل ہوئیں۔ مثلاً پہلی رمضان کو صحیفہ ابراہیم اور چھٹی کو موسیٰ کی کتابیں اور تیسریوں کو انجیل اور ستائیسویں کو قرآن نازل ہوا کہتے ہیں کہ اس رات یعنی شب قدر کو قرآن سب سے نیچے کے ساتویں آسمان پر اتر چکا تھا اور وہاں سے جیسا موقع ہوتا تھا تھوڑا تھوڑا محمد صاحب پاس آتا تھا (۲) ”بہ تحقیق ہم نے یہ (قرآن) امارا شبِ قدیم“ (سورہ الانزلنا ۹۹ و ۱۰۰) رات کو مبارک رات اور میرا مینوان سے بہتر رات کہتے ہیں اس رات فرشتے اپنے رب

(۲) محمد صاحب نے یہ خوب حکمت کی کہ سارا قرآن ایک دفعہ دنیا پر زمین آتا نیچے کے آسمان پر رہنے دیا کیونکہ اگر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں شتم کر کیا جاتا تو بے شمار اعتراض جنکا دفعہ اگر غیر ممکن نہ ہوتا تو دشوار تو برصہ غایت ہوتا لیکن اس بہانہ سے کہ تھوڑا تھوڑا اترتا ہے اور چلنے میں مناسب سمجھا کہ لوگوں کی فہم و فہم کے واسطے جزاً جزاً نازل کرے۔ انھوں نے کل پچھتر گیارہ سو سے ملحقہ کی راہ نکال لی اور یہ سمجھا کہ جو نکل پیش آدگی اس طریق سے سہل چھوٹ جاوے گا۔

کے حکم سے اترتے ہیں۔ اس رات چین و آرام اور کبرئین صبح کے نکلنے تک رہتی ہیں۔  
 اس رات دو مرتبہ غار حرا میں ایک آواز آئی اور دو مرتبہ اگرچہ ایسا معام ہوا کہ کسی نے کسی کے  
 دہایا ہے اور بڑا بھاری بوجھ رکھ دیا ہے۔ یعنی اس بوجھ سے کلنا چاہا۔ تیسری مرتبہ یہ  
 باتیں سنیں۔ پڑھ اپنے رب کے نام سے جسے بنایا۔ بنایا آدمی کو لوہو کی ٹھکی سے اس سورہ  
 (قادر ۹۶ و ۲۱) جب وہ آواز یہ لگا موقوف ہو گئی کہ آدمی کیسی بے حقیقت چیز سے بنا ہے  
 اور خداے کریم نے آدمی کو اپنے علم و عرفان سے یہ شرف دیا اور قلم سے آدمی کو وہ باتیں  
 سکھائیں جو نہ جانتا تھا تو محمد صاحب کو ہوش ہوا اور دیکھا کہ میرے دل پر ایک کتاب لکھی ہے  
 یہ حال دیکھا اول بہت گھبرائے حدیث میں آیا ہے کہ نور ربی بی کے پاس گئے اور کہا  
 کہ اے خدیجہ مجھے کیا ہوا ہے۔ محمد صاحب پر غشی کی حالت طاری تھی اور بی بی اونک  
 پاس نہ تھی تھی جب ہوش ہوا تو کہا اے خدیجہ میں نہیں جانتا کہ آیا میں کاہن یعنی جادوگر  
 ہو گیا ہوں یا غبوط الحواس ہوں۔ خدیجہ نے جواب دیا کہ اے ابوالقاسم خدا میرا مددگار ہے  
 وہ بالیقین تیرے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہونے دے گا کیونکہ تو سچ بولتا ہے بدی کے  
 عوض بدی نہیں کرتا ہے۔ تو خدا پر ایمان رکھتا ہے تیرا چال چلن درست ہے تو اپنے  
 رشتہ داروں اور دوستوں پر مہربان ہے تو بازاروں پر بکتا نہیں پھرتا تجھے کیا ہوا ہے۔  
 کیا تو نے کوئی خفناک چیز دیکھی ہے۔ محمد صاحب نے جواب دیا کہ البتہ اور جو کچھ دیکھا تھا سب  
 کیا۔ اس پر خدیجہ بولی کہ او عزیز خاوند خوش ہو جسکے ہاتھوں میں خدیجہ کی جان ہے وہی سزا  
 شاہد ہے کہ تو اس امت کا نبی ہوگا۔ (عمانویل دیکھ) دوسری یعنی ۴۴ سورہ مکہ میں نازل  
 ہوئی تھی اسکے بعد کچھ عرصہ تک کوئی صورت نہیں اتری۔ اور اسی عرصہ میں نبی نے یہودیوں  
 اور عیسائیوں کی کتب سے کچھ وقفیت ہم پہنچائی۔ مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ پیامد  
 سلام کے لانے والے جبریل تھے مگر اسکا ذکر صرف ایک جگہ قرآن میں آیا ہے بتاؤ جبریل کا

کون دشمن ہے وہ خدا کے حکم سے تجھ پر وحی لاتا ہے۔ سورہ ۹۱ و ۳) حجت مدینہ سے  
برسوں کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی تھی بعض اور آیت جو قرآن کے الہامی ہونے پر دلالت  
کرتی ہیں یہ ہیں۔ اور یہ قرآن ہے اور اراجہان کے صاحب کالے اڑا ہے اور کافر مشقت  
(روح الامین) سورہ شعراء ۲۶ و ۱۹۲-۱۹۳) یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے اور کھلوا سخت  
قوتوں والے نے (سورہ نجم ۵۳ و ۵۴) ان پچھلے قرون سے صاف نہیں معلوم ہوتا کہ جبریل علی  
وحی لاتے تھے اور اگرچہ سب انہیں مانتے لیکن اکثرین کا عقیدہ یہی ہے۔ اور اکثر تفسیرین  
کتے ہیں کہ القاب روح الامین اور شدید القدیمی سوائے جبریل کے کسی پر نہیں دلالت  
کرتے لفظ علم کھایا سورہ نجم آیت ۵ اور سورہ قیامہ ۵، آیت ۱۸ کی یہ عبارت کہ ”یوحی ہم  
پڑھنے لگیں تو ساتھ ساتھ تو اس کے پڑھنے کے“ دونوں اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن ہی  
متلو تھا متحد صاحب کو اوہیں کچھ دخل نہ تھا بخبر اسکے کہ اور دو کو پڑھ کر سنا دیتے تھے محمدی  
ابن خلدون اس باب میں یوں لکھتا ہے کہ کتب الہیہ میں ایک قرآن ہے ایسا ہی کہ ابوسکا  
ایک ایک لفظ اور فقرہ اور آیت نبی کو فرشتہ کی معرفت پہنچتی ہے۔ توحیت و زاوہ و بھیل  
اور اوصحائف اس طرح نہیں پہنچتے ہیں۔ نبیوں پر صرف مطالب کا القاء ہوتا تھا  
اور وہ انہیں اپنے محاورات میں قلمبند کر لیتے تھے۔ ابن خلدون کی کتاب جلد اول ص  
۱۹۵) اس سے تمام مسلمانوں کا عقیدہ اس بارہ میں معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی  
ظاہر ہے کہ اسلام ہمنزلہ ایک کل کے ہے کہ بغیر متحرک کے متحرک نہیں۔ پس یہ قرآن جو  
اس طرح نازل ہوا ہے اب اسے اسلام کا قائم معجزہ جانتے ہیں۔ اور الہامی کتابوں کے  
صرف مطالب الہام سے معلوم ہو جاتے تھے لیکن قرآن اون سب سے برتر ہے کیونکہ  
وہ تو لفظ بلفظ نبی کو سنایا گیا تھا مثلاً سورہ قیامہ ۵، ۱۶ و ۱۹ میں لکھا ہے کہ بخلا تو  
اوسکے پڑھنے پر اپنی زبان کہ شتاب اوسکے یکم لے۔

وہ تو ہمارا ذمہ ہے اور سکو میٹ رکھنا اور پڑھنا۔

پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو ساتھ رہے تو اس کے پڑھنے کے

پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اور سکو کھول بتانا۔

پس مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن باعتبار عبارت اور معانی اور ترتیب الفاظ اور اخبار اور احکام کی فصاحت کا معجزہ ہے۔ اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر ذی اختیار اور اولوالعزم نبی کے عہد میں جس قسم کی باتوں کا چرچا اور عام رواج ہوتا تھا اسی قسم کے معجزے دکھائے جاتے تھے مثلاً موسیٰ کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا تو خدا نے ایسا کیا کہ فرعون کے دربار کے سب جادو گراؤ کے سامنے عاجز ہو گئے۔ عیسیٰ کے زمانہ میں طب کا بڑا رواج تھا علاج معالجہ میں لوگ ابھی دستگاہ رکھتے تھے پھر بھی کوئی طبیب حضرت عیسیٰ کی برابری نہیں کر سکا کیونکہ اس نے نہ صرف بیماروں کو صحت بخشی بلکہ مردوں کو بھی زندہ کیا۔ محمد صاحب کے عہد میں شعر و سخن کی بڑی گرم بازاری تھی۔ اہل عرب نظم میں عجب دستگاہ رکھتے تھے۔ محمد الامیری کہتے ہیں کہ حکمت و دانائی نے تین جگہ گھر کیا ہے فرنگیوں کے دماغ میں اور چینیوں کے ہاتھوں میں اور عرب کی زبان میں۔ عرب فصاحت میں بے نظیر اور خیالات کی ترتیب و اظہار میں لاثانی تھے۔ چنانچہ اسی فن خاص میں قرآن کی فوقیت کا دعویٰ ہے۔ محدثوں کے نزدیک فصاحت قرآنی یقینی شہادت اس امر کی ہے کہ قرآن معجزہ ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ اویسیوں کی تصدیق رسالت کے واسطے کافی تھا کے ساتھ معجز بھی ہوا کرتے تھے۔ اسی اعتبار سے قرآن وحی اور معجزہ دونوں ہے۔ محمد صاحب نے خود کہا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ لوگوں کے قائل کرنے کو صریح نشانیاں ہوتی تھیں لیکن جو کچھ نشانی مجھے ملی ہے وہ قرآن ہے۔ اس سبب سے مجھے یقین ہے کہ حشر کے روز میرے پیرو اور نبیوں سے زیادہ ہونگے۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ اس سے

نبی کا مطلب یہ تھا کہ قرآن جو کہ وحی بھی ہے ایک ایسا عجیب معجزہ ہے کہ بت سے لوگ کا قائل ہونگے (ابن خلدون کی کتاب جلد اول ص ۱۹۴) پس مسلمان یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہے اور اوسکے نزدیک قرآن اگلی کتابوں سے بدرجہ اولیٰ ہے۔ کہتے ہیں کہ محمد صاحب نے اپنے زمانہ کے نامی شاعر لبید کو قرآن مزوجہ کی دوسری سورۃ کی چند آیتیں سن کر پیڑ سے اتر کر قائل کر لیا تھا۔ بیشک یہ عبارت قرآن کی نہایت عمدہ ہے لیکن اس قسم کا بیان اور دو کیسا ہی عمدہ ہو عرب جیسے قوم کی سرگرمی اور ایمان اور امید کے بڑھانے اور قائم رکھنے کو کافی نہیں۔ محمد صاحب سے پہلے بھی شاعر و نثر نویس اور فضاوت اور فضاوت و غلبت اور عداوت اور انتقام کے بیان میں اور مردوں کے احوال و زبانیہ آمان صبح کے ابرت روتا ہے اور زندگی کی بے ثباتی پر جو کہ گریبان کی لہروں کی مانند آتی ہے اور چلی جاتی ہے یا کہ روایات کے خمیوں کی طرح کہ یکجا نہیں رہتے یا جیسے پھول کہ کبھی کھلتا ہے اور کبھی مرجھا جاتا ہے نظم کہتے تھے اور جو وطن دشمن کے اشعار کہتے تھے جو ہر داتیر کے مانند دشمن کے جگہ گیارہ جاتے تھے لیکن محمد صاحب نے ان مضامین پر کچھ نہیں کہا۔ نہ فرامیر سے شوق۔ نہ دنیا کے عیش و عشرت سے کچھ کام۔ نہ تلواریں اور ٹ سے مطلب۔ نہ بغض و انتقام سے غرض نہ باپ دادا کے جاو و ختم سے کچھ سروکار تھا اور انکی غرض دعوت اسلام تھی، جس قدر ہستی سے یہ کام ہوا ہے اور اس میں ملائکہ عرب کا نصیح گو کیا ہی اپنے فن میں کامل ہوتا کبھی نہیں کر سکتا۔ اور جس استقلال و یقین سے اوس نبی نے اپنی رسالت کو شہرت دی ہے اور جس جوش و خروش اور خوش بیانی سے ایمان کی دین اور بسجھون نے تمام جہان کے مسلمانوں کو اسلام پر گرویدہ کر دیا ہے۔ اور اوسکے دل پر قرآن کی تعلیمات کو نقش و لکھنؤ پر منقش کر دیا ہے۔ قرآن کی عبارت کو ایسا متبرکہ کہ جانتے ہیں کہ سو اہل کتاب نبی کے ۱۵ اصحاب نبی سے دو لوگ مراد ہیں جو نبی کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ اصحاب کے شاگرد و مکتوباء امین اور امین کے شاگرد و مکتوباء امین (بیرودن کے پیرو) کہتے ہیں ۱۲

اور کوئی اوسکے سمجھنے اور تفسیر کرنے کے لائق نہیں سمجھا جاتا یہی سبب ہے کہ اوسوقت سے  
 جنگ دیندار عالم قرآن اور احادیث کو اور قدیم فسر و دن کی تفسیرین اور شرحین جو اوپر پہنچی  
 ہیں انکو بزرگان یاد کرتے ہیں نکتہ چینی کے معمولی قاعدہ دن سے کوئی بھی وحی والہام کی  
 تحقیق و آرائش نہیں کرتا ہے اگر متصل ہے یا سلسلہ روایات کا کسی شرح کے باب میں  
 درست ہے تو پھر اوس شرح کے قبول کرنے میں کیسکو کلام نہیں ہوتا۔ اس بات پر ایمان لانا  
 فرض ہے کہ تمام جہان میں کوئی کتاب قرآن کے ہلکے عبارت اور معانی میں نہیں ہو سکتی ہے  
 اوس میں احکام بہت اور دلائل کم ہیں۔ اوسکے احکام پر ہر وقت اور ہر حال میں زہر دل  
 جان سے صل کرنا فرض ہے بلکہ حرف بحرف ماننا لازم ہے جب کسی کا عقیدہ اس کتاب کی نسبت  
 یہ ہو کہ ازل سے ہے تو پھر اوسے ماننے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ قرآن کے مختلف اجزاء کو جو  
 محمد مصاحب نے ۲۳ برس کے عہد رسالت میں پڑھ کر سنائے تھے انکے بعض پروردگار یا تو قلب بند کیا  
 تھا یا بزرگان یاد کر لیا تھا اور چونکہ نماز کی ہر حرکت میں کچھ نہ کچھ آیتیں ضرور پڑھنے پڑتی ہیں اویسے  
 پڑھنے کو بڑے ثواب کا کام جانتے ہیں اس سبب سے ہر سلطان جتنا اس سے ہو سکتا تھا حفظ  
 کر لیتا تھا اور جو کوئی اچھا حافظ ہوتا تھا اوسکی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اکثر مال غنیمت سے اوس  
 حصہ دیا جاتا تھا مثلاً جنگ قادسیہ میں سلسلہ ہجری جو کچھ مال غنیمت ہاتھ لگا اویسے معمولی حصہ  
 میں تقسیم کرنے کے بعد کچھ بچا تھا وہ اونیسین بانٹ دیا بھین قرآن خوب یاد تھا (امیر کی  
 جلد اول صفحہ ۵) چونکہ عرب کی طبیعت میں شعر و سخن کے یاد رکھنا شوق تھا اس سبب سے انھیں  
 حفظ کرنا چند دن دشوار نہ گذرا۔ جب نبی نے انتقال کیا تو وحی آنا موقوف ہوا اور کل قرآن  
 کی کوئی درست نقل و مسوقت موجود نہ تھی جس سے معلوم ہوتا کہ فلاں احکام زیادہ لحاظ کے  
 قابل ہیں۔ اور فلاں احکام کم لحاظ کے قابل ہیں۔ اور یہ کسی بات سے ثابت نہیں ہوتا کہ  
 نبی نے کسی حصہ کی کوئی خاص اہمیت دی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ترتیب بھی جیسے وقت جمع کرنے

قرآن کے اوّلیٰ سورتیں ترتیب دی جاتیں۔ کیونکہ قرآن جیسا کہ اب موجود ہے تاریخی یا عبادتی سورتوں سے بالکل متحرک ہے بنی کی وفات سے ایک برس تک چھوٹا تھا مہینہ بہ مہینہ لکھا گیا لیکن بعد کو مہین کی لافانی میں جب بہت سے قاری اور حافظہ دار لکھنے لگے تو عمر کو بہت اندیشہ ہوا اور خلیفہ ابو بکر سے کہا کہ معرکہ کاے جنگ میں کشت و خون کی پھر گرم بازاری ہوگی اور قاری و حافظہ دار سے جاوے گا تو بڑا نقصان ہوگا اس واسطے میری صلاح یہ ہے کہ اب بہت جلد قرآن جمع کر لیا جائے تاکہ لوگوں میں ابوبکر نے یہ بات منظور کر کے زید سے جو بنی کے کاتب تھے کہا کہ ابوعبافہ نے کوئی تھوڑا غلطی کا الزام نہیں لگا سکتا تو بنی انس کی وحی لکھا کرتا تھا اسلئے اب بھوکہ کے قرآن کو جمع کر زید سے بڑے اصابت اسکا اہتمام اپنے مندر لیا اور کھجور کے پتوں اور پتھر کی تختیوں اور حافظوں کے سینوں کے قرآن کو جمع کرنا شروع کیا چند عرصہ میں کل قرآن اس ترتیب پر جمع ہو گیا جیسے کہ بالفعل موجود محمد صاحب کی وفات سے کوئی ۲۳ برس کے بعد یہ نسخہ ترتیب ہوا اور سب نے اسے معتبر گردانا لیکن اختلاف قرات کے سبب سے یا اس سبب سے کہ زید کی پہلی ترتیب مختلف جگہوں پر تھی بقول مروجہ میں اختلاف قرات و عبارت پیدا ہو گیا۔ مومن اس سے بہت غمزدہ ہوئے اور خلیفہ عثمان نے جابا کہ ایسے خطر کا انسداد کر لینا چاہیے اور انھوں نے زید سے حارث کو باعزت تین سردار قریش کے کل کتاب کی نظر ثانی پر مامور کیا۔ اور بڑی احتیاط سے کل کتاب کی نظر ثانی کر کے مکہ کی قرات پر جو تمام عرب میں نہایت خالص تصور کی جاتی تھی اس سے ترتیب دیا۔ پھر ایرانی نقلین خلیفہ کے حکم سے جلادی گئیں۔ اور ترمیم شدہ نسخہ سے کہ وہی قمبر نقل قرار دی گئی تھی اور بڑی نقلین طیار کر لی گئیں۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ اصول اسلام سے ہے کہ قرآن نقصان و غلطی سے بالکل بچتا ہے اس سبب سے نئے ترمیم شدہ نسخے کی ضرورت کا اور جن اسباب سے کہ یہ ضرورت لاحق ہوئی تھی اسکا سمجھنا سہل نہ تھا مگر ایک حدیث سے جو سینہ بسینہ پھرتی ہے سات مختلف قرات میں قرآن کا پڑھنا جائز ہے اس سبب سے سب وقتیں بہت سہل دفع



ہو گئیں اور جس صورت میں کہ قرآن اب موجود ہے اسے ایسا سمجھنا چاہئے کہ وہی نسخہ ہے  
 ابوبکر نے جمع کر لیا تھا اور پھر بعد کو اوسین اصلاح و صحت ہوئی تھی اور ہر مکتوبین کر لینا چاہئے کہ قرآن  
 مرتب میں وہی باتیں ہیں جو محمد صاحب نے فرمائی تھیں اس سبب سے اسلام کی اصل بنیاد  
 اسی پر ہو گئی ہے۔ اگلے مسلمان عام بول چال میں جب اپنے نبی کا ذکر کرتے تو یہ کہتے تھے  
 کہ آپ کے اوصاف قرآن میں ہیں۔ جب لوگ اپنے پیارے نبی کے حالات زندگی کی تفصیل  
 جانتی چاہتے اور آپ کی ایک بیوہ بی بی عائشہ سے آپ کی نسبت سوال کرتے تو وہ بھی  
 جواب دیا کرتی تھیں تیرے پاس قرآن موجود ہے کیا تو عرب نہیں اور عربی زبان نہیں پڑھتا  
 ہے جو مجھے پوچھتا ہے کیونکہ محمد صاحب کے اوصاف قرآن سے جُدا نہ تھے۔ ہا یہ امر  
 کہ آیا محمد صاحب قرآن کو ترتیب موجود پر مرتب کرتے ایک ایسا امر ہے کہ اوپر اسے لکھانی  
 غیر ممکن ہے بعض احادیث سے ایسا پایا جاتا ہے کہ آپ کو اس کی تعمیل میں شک تھا چنانچہ  
 پر سیا نیول صاحب کا بیان اس باب میں یہ ہے کہ جب محمد صاحب نے جانا کہ میرا وقت ختم  
 آپہنچا تو فرمایا کہ سیاہی اور قلم لاؤ میں تمہارے لئے ایک کتاب لکھا چاہتا ہوں جو تمہیں غلطی سے  
 ہمیشہ محفوظ رکھے لیکن موت نے اتنی نعمت نہ دی کہ لکھ سکتے یا لکھوا سکتے۔ اس سبب سے  
 یہ کہا کہ قرآن شکارا ہمیشہ ہادی رہے جو کچھ اس کے احکام ہیں ان پر عمل کرو اور نوابی سے محترز ہو  
 میں ایسا سمجھتا ہوں کہ اس حدیث کے پہلے حصہ کی صحت بہت مشکوک ہے البتہ پچھلا حصہ  
 ایسا ہے کہ جو کچھ نبی موصوف کو اپنی تعلیم کی نسبت دعویٰ تھا اس سے بالکل موافق ہے۔  
 غرض کہ اس کتاب کے احکام جیسا کہ محمد صاحب نے چاہا تھا تمام دنیا کے مسلمانوں کے  
 واسطے ایک قیما و تمام دینداروں کے حق میں خیالوں کی آزادی کی بڑی روک و تمام معاملات  
 منی و اخلاقی و دینی کی تجدید و ایجاد کے واسطے بڑی فراحت ہو گئی۔ اس امر کے متعلق بہت  
 سی اویاتیں ہیں جنکی تفصیل دوسرے باب میں اچھی طرح ہو سکے گی۔ حاصل اس تقریر کا

یہ ہے کہ اسلام کی اول اصل قرآن ہے اور یہ سمجھنا کہ فقط قرآن ہی اسلام کی اصل ہے یہی غلطی ہے کہ دین اسلام کے بارہ میں اسی میں لوگ زیادہ دعوہ کہہاتے ہیں شیعہ نیز یہ عقول جو کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آیات ذیل علی کی شان میں ہمارے دعویٰ کے مؤید نظم عثمانی سے کمال ڈالی ہیں۔ "ایمان والودونون نور من (محمد و علی) پر ایمان ملا و علی پر ہر کار و ن کی جماعت سے ہے۔ ہم اسے اس کا حق انصاف کے دن دیں گے اور جو اسے فریب دینا چاہتے ہیں انھیں چھوڑ نہیں دیں گے۔ ہم نے اسے سارے گھرانے پر شرف دیا ہے۔ وہ اور اس کے گھرانے کے لوگ بڑے صابر ہیں اور کا دشمن (یعنی معاویہ) گنگا۔ ون کا سردار ہے۔

ہم نے تجھے راستبازوں کی ایک نسل بنا دی ہے ایسے راستباز (دوازہ امام) جو ہمارے احکام سے مخالفت نہیں کریں گے۔ میری رحمت اور سلامتی ان پر جو زندہ ہیں امام مہدی (اب بھی زندہ تھے ہیں) اور جو مردہ۔

۲۔ سنت۔ اسلام کی دوسری اصل حدیث ہے حدیث کی جمع احادیث ہے احکام کو جو قرآن میں آئے ہیں فرض و واجب کہتے ہیں اور جو حکم نبی نے دیا ہو یا جو نفس انھوں نے کیا ہو اسے سنت۔ سنت کے لغوی معنی طریق کے ہیں لیکن اصطلاح شرعی میں سنت کا اطلاق دین کے ان کا عنوان پر کیا جاتا ہے جو محمد صاحب کے افعال و اقوال کے مطابق ہوں۔ سنت تین طرح کی ہے۔ ایک فعلی دوسری قولی تیسری تقریری۔ جو کام محمد صاحب نے خود کئے ہیں انھیں سنت فعلی کہتے ہیں اور جو آپ تو نہیں کئے ہوں مگر اور نکلوا و نکل کر نیکاً حکم دیا ہو انھیں سنت قولی کہتے ہیں اور جو کام آپ کے سامنے ہوئے آپ انھیں منع نہیں کیا انھیں سنت تقریری کہتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کچھ نبی نے کیا اور کہا ہے وہ سب خدا کی ہدایت سے تھا۔ اور ان کی سب باتوں اور کاموں پر ایمان لانا اور عمل کرنا سنت۔ ہے۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ خداے قدیر نے اپنے بندوں کو اور

وناہی یا قرآن کے ذریعہ سے یا اپنے نبی کی زبان سے بتائے ہیں (رسالہ برکیوی) الہیات  
 کے نہایت متنازع عالم امام غزالی لکھتے ہیں کہ ”مجتہد توحید کی شہادت سے ایمان خدا کی مہر  
 کے موافق کامل نہیں ہوتا۔ یعنی صرف لا الہ الا الہ کہیں اور رسالت کی شہادت کا جو کلمہ ہے  
 اس سے جوڑ دین یعنی محمد الرسول اللہ نہ کہیں تو ایمان کامل نہیں ہوتا۔“ اور یہی پر ایمان لانے  
 کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ انھوں نے دنیا و دین کی نسبت خبر دی ہے اس سب کو ماننا ضرور  
 ہے کیونکہ وہی مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ ایمان مقبول نہیں جیتا کہ اوں سب غیب کی  
 باتوں پر جنکی نسبت نبی نے خبر دی ہے کہ بعد موت کے واقع ہونگی۔ ایمان نہ لاوے گا لوگ اکثر  
 کہا کرتے ہیں کہ وہابی حدیث کو نہیں مانتے ہیں۔ لفظ حدیث کے معمولی معنی کے اعتبار سے  
 شاید نہ مانتے ہوں لیکن مسلمانوں کی اصطلاح شرعی میں لفظ حدیث (جس کا ترجمہ ہم انگریزوں  
 تربیث کرتے ہیں) کے مخصوص معنی ہیں۔ صرف نبی کے اقوال کو حدیث کہتے ہیں اور جن لوگوں  
 وحی الامام نہیں ہوتا تھا انکی باتوں کو حدیث نہیں کہتے ہیں وہابی اوں حدیثوں کو نہیں مانتے ہیں  
 جو صحابہ کے زمانہ کے بعد اور لوگوں سے پہنچی ہیں۔ اور جن احادیث میں نبی کے اقوال ہیں ان کو  
 سب مسلمان فرقوں کی طرح یہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ خدا کی باتیں ہیں جو الامام سے آدمیوں کو  
 پہنچی ہیں وہابیوں کی نسبت یہ کہنا کہ حدیثوں کو نہیں مانتے ہیں ایسا عجیبے کوئی کہے کہ سرد  
 عیسائی چارون انجیلوں سے انکار کرتے ہیں۔ وہابیوں کے بڑے مولوی جنکا کچھ احوال آگے  
 آدیا تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں کہ بہترین طریقوں کا یہ ہے کہ اللہ و رسول کے کلام کو اصل  
 گردانا اور اسی پر عمل کرنا اور اپنی عقل کو دخل نہ دینا۔ دیندار مسلمان انجیلوں کو حدیث  
 کے برابر گنتا ہے کیونکہ وہ یہ جانتا ہے کہ انجیلین یسوع کے کاموں اور باتوں کا نوشتہ  
 ہے جو اسکے صحابہ یعنی ثلث گردن سے ہم تک پہنچا ہے۔ اور صریح اور بھیسوں کی کتابیں  
 ہیں کہ انھیں انھوں نے اپنے طور و محاورہ پر خدا کی باتوں کو لکھا انہی نام کی کتاب کر لی ہے

کسی طرح ہمارے نبی کو بہت سی باتیں خدا سے پہنچی ہیں جو مجموعہ احادیث میں پائی جاتی  
 ہیں (ابن خلدون کی کتاب جلد اول صفحہ ۱۹۵) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت کو پڑ  
 و سچ کی کتب مقدسہ کی برابر اور قرآن کو اون سب سے بڑھ کر تصور کرنا چاہیے۔ مسلمانان  
 میں ایسا کوئی فرقہ نہیں جسکا ایمان صرف قرآن ہو البتہ شیعہ سنت کے منکر ہیں لیکن انکے  
 پاس بھی عین بدل حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ خواہ اسلام کو دین کے اعتبار سے یا دنیا  
 کے اعتبار سے دیکھو اس باب میں کہ سنت کس قسم کا الہام ہے اور اوتے کس قدر قہر  
 جانا چاہئے البتہ بڑی بحث ہے۔ محمد صاحب نے کہا کہ میری اُمت میں ۳۴ فرقے ہونگے  
 جن میں صرف ایک بہشت کے لائق ہوگا اس پر صحابہ نے پوچھا کہ وہ کونسا ایک فرقہ ہے جو  
 بہشتی ہوگا۔ نبی نے جواب دیا کہ وہ جو میری اور میرے اصحاب کے طریق پر قائم رہے۔ اس  
 حدیث سے یقیناً اہل سنت والجماعت کی طرف اشارہ ہے درستی کی کتاب مکمل الایمان  
 صفحہ ۱۶) دین کے کاموں میں سنت نبوی کی اطاعت مقدم سمجھتے ہیں مثلاً قرآن کی چوتھی  
 سورۃ نساہ ۸۰ میں آیا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو فرمانبرداری کرو اللہ کی اور کھانا  
 رسول کا اور رہنے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا اگر اس واسطے کہ خدا کے حکم سے لوگوں کی فرمانبرداری کریں  
 بعدہ نساہ ۶۴) ان آیات سے اور اسی قسم کی اور آیات سے یہ نعوذ مکتبی ہے یعنی  
 یہ ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (خدا کی رحمت اور سلامتی اور نبر اور ان کی اولاد پر)  
 اکل ادا اور دنواہی کے بدلنے اور اقوال و افعال میں خطا سے مبتلا تھے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو  
 ان کی اطاعت خدا کی اطاعت کیونکر کہلاتی۔ دراج النبوة صفحہ ۳۸۵ مومنوں کو نصیحت ہے  
 کہ خدا کی اطاعت کریں یعنی اولی الامر کی شہادت دین اور نبی کی محبت کا اقرار کریں محبت  
 کی پہچان ہے اور محبت قرب الہی کا سبب ہے کہ میں کہ نبی نے خود فرمایا ہے کہ تم میری  
 اطاعت کرو تاکہ خدا تمہیں دوست رکھے اس قول سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ خدا کی محبت (الناس)

کے ساتھ انبی کی فرمانبرداری سے مشروط ہے، نبی پر اعتقاد رکھنا اور اس کی اطاعت  
 سچے ایمان کا ضروری جزو ہے اور جہین یہ دونوں صفتیں نہیں وہ حق سے دور ہے اس  
 اطاعت کی ضرورت بتانے کو کہتے ہیں کہ خدا نے محمد صاحب کو اپنے اور اپنے آدمیوں کے  
 درمیان الچی مقرر کیا بلکہ سنت نبوی کے بعد چاروں خلفاء ابوبکر و عمر و عثمان و علی جو آدمیوں کے  
 آدمی، حق میں ان کے سنت کی پیروی سب مومنوں کو لازم ہے۔ مسلمان کے نزدیک جو محمد  
 محمد صاحب نے کیا عین خدا کی مرضی کے مطابق تھا۔ تہذیب و اخلاق کے قواعد جب  
 نسے منسوب ہوتے ہیں تو ان کے معانی مختلف لئے جاتے ہیں۔ یہود کے گرد ہون کے  
 ساتھ اون کا غصہ اور سیرجی اور شہوت پرستی اور عورتوں سے عشرت اپنے ظلموں کو  
 خدا کی برابر بنانا غصہ اور کجاہ قول و فعل گناہ سے پاک تھا اور جب تک دنیا قائم ہے لوگوں کے  
 واسطے ہدایت ہے۔ محمد صاحب کی نسبت عذر کرنے والے کو یہ کہنا سہل ہے کہ  
 مذہب کے آسان کرنے کو یہ اسراط بعد کو جائز ہو گئی اول نہ تھی۔

حالانکہ یہ بات نہ تھی بلکہ یہ سب باتیں اس مذہب کے لازماًت سے ہیں۔ چنانچہ محمد صاحب  
 خود کہتے ہیں کہ جو کوئی میری سنت کو دوست نہیں رکھتا وہ میرا پیر و نہیں جسے میری  
 سنت کو زندہ (جاری) کیا او سننے مجھے زندہ کیا اور میرے ساتھ بہشت میں ہو گا جو میری  
 سنت کو مضبوط کرتا ہے وہ سوشیدون کا ثواب پاوگا۔ اور چونکہ محمد صاحب کے  
 قول و فعل ایسے اصول اسلام ہیں جن میں تغیر و تبدل کو مطلق و فعل نہیں تو اس سے سوئے  
 اسکے کہ مسلمان اس سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے اور باتیں بھی لازم آتی ہیں کیونکہ یہ ہمیشہ  
 یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام میں دین و ملک متحد ہیں الملک والدین تو امان و سلطنت اور مذہب  
 دونوں برابر ان توام ہیں (عرب کی مشورۃ شل ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے  
 کہ دین بغیر سلطنت کے قائم نہیں رہ سکتا۔ مسلمان کے نزدیک دین و حکومت

ایک چیز ہے۔ بعض ممبران سلطنت جو ترکی سے اصلاح سے متوقع ہوتے ہیں اور سلطنت عثمانیہ کی بحالی کی امید کرتے ہیں انھیں یہ بات یاد نہیں رہی کوئی قانون خواہ تعلق ملک کے ہو یا جماعت یا تہذیب یا مینارمی کے ہو۔ قرآن ہی کی طرح سنت کے خلاف بھی نہیں ہو سکتا اس زمانہ میں ایک مصنف جو اسلام سے خوب واقف نہ لکھتا ہے کہ اسلام نیکو باعث خیر ہو تو یہ اشد ضرور ہے کہ مذہب کو نظم اخلاق سے جدا رکھیں۔ آئین یہ طرحی شکل ہے کہ مذہب کو رسوم اخلاقی سے از روے قرآن ایسا علاف ہے اور دونوں ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ غیر دونوں کی بربادی کے ایک کا دوسرے سے جدا دیکھنا دشوار ہے۔ صاحب دہلوی کہتے ہیں: میں اسے غیہ ممکن جانتا ہوں اور اس صورت میں اور بھی امید نہیں رہی جب یہ یاد آتا ہے کہ اکام قرآن کی طرح سنت بھی واجب التعمیل ہے اور قبول کرنا اسی ہے کیونکہ ابن خلدون صاف لکھتا ہے کہ شریعت کی باتیں قرآن و سنت سے ملتی ہیں اور سلانوں کی باتوں کا اصول نص قرآن اور تعلیمات احادیث ہیں۔ (۱)

محمد صاحب کوئی بات (بدعت) کا بڑا ڈر رہتا تھا اصطلاح شرعی میں دین میں نئی بات نکالنے کو بدعت کہتے ہیں اور اسی کی نسبت کہا گیا ہے کہ بدل ڈالنے والی سنت کی ہے یا یوں سمجھا جاوے کہ اگر آدنی نئی باتیں ڈھونڈھیں اور تازہ خیالات پکاویں اور جماعت کی

(۱) جون ۱۸۴۸ء میں سلطان محمد نے ایک کتبہ منہن عدم مداخلت مد معاملات سلطنت عثمانیہ جاری کیا تھا۔ اور ان معاملات سے مراد وہ احکام تھے جو کماخذ شریعت پاک کے اصول ہیں اور وہ انتظامات تھے جو اصول دین سے وابستہ ہیں ان اصول کی قبیل بدستور جاری ہے کیونکہ وہ فتویٰ جو جامعہ علمائے چولائی علیہم السلام کو ان اصطلاحات کے جواب میں دیا تھا جو خیر الدین احمد نے چاہی تھیں اس میں غیر اصول شرعی کا ذکر موجود ہے ۱۲۔

حالت میں تغیر واقع ہونے سے جدید طریقے نکالنے کی ضرورت ہو اور نئے نئے قانون اس جماعت کے انتظام کیواسطے تکلیفیں اگر ظاہر ہوں گے یا نئی بات یعنی بدعت دین میں نکالنا چاہو تو اس سے دور رہنا چاہئے۔ شرع قرآن سے معلوم ہوتی ہے اور سنت نقص و عیب سے پاک ہے۔ جو بات قرآن و سنت سے جدا ہے بدعت ہے اور کُل بدعت گمراہی ہے۔ بعض بدعات جیسے صرف و نحو کا سیکھنا اور مدارس مقرر کرنا مسافر جانے وغیرہ بنوانا جائز ہیں اور بدعت اس سبب سے کہتے ہیں کہ نبی نے وقتوں میں اذکار و جہود نہ تھا لیکن یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذریعہ سنت کا تابع انہی کے حکم میں ہے کئی ایک کامنا گودہ کیسا ہی خفیف ہو انہی بات کرنے سے ہر جہاں ہر تہذیب اگرچہ وہ نئی بات بڑے فائدہ اور حاجت کی موجود نہ ہو روایات اس قسم کی میں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحاب نبی سنت کو کس قدر عزیز رکھتے تھے۔

خلیفہ عمر نے مکہ کے سنگ اسود کو دیکھ کر کہا۔ بخدا این جانا تا بمون کہ تو محض تجھ پر نہ نفع ہو چکا۔ سکتا ہے نہ نقصان اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ تجھے نبی نے بوسہ دیا ہے تو میں ہرگز ایسا نہ کرتا صرف اس سبب سے کہ نبی نے ایسا کیا ہے میں بھی ایسا کرتا۔ ابون عبد اللہ ابن عمر ایک دفعہ اونٹ پر سوار بار بار ایک جگہ کے گرد گھومتے تھے جب لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں اور کچھ نہیں جانتا سو اسے اس کے نبی کو ایسا کرتے دیکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ احمد ابن حنبل جو چار بڑے اماموں میں سے گذرے ہیں اور حنبلی فرقہ کے بانی میں اسی سبب سے امام مقرر ہوئے کہ سنت کے بڑے پابند تھے۔ ایک روز کسی مجلس میں بیٹھے تھے اور تمام حاضرین میں سے فقط وہی نبی کی کسی سنت فعلی کو عمل میں لائے۔ فوراً جبریل نے ان کو خبر دی کہ تمہارے اس کام کے سبب سے خدا نے تمہیں امام مقرر کیا۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کی افراط نبی کی تعظیم میں قریب بت پرستی کے پہنچ گئے۔

الحاصل یہ حقائق معلوم ہوتے ہیں کہ سب کاموں سے بہتر سنت کی پیروی ہے ایک  
 دیندار عالم بیان کرتا ہے کہ دین کی اصل تین چیزیں ہیں۔ اول خلاق و افعال میں نبی کی پیروی  
 دوسری اہل حال تیسرے تمام کاموں میں ایمان داری کو ہاتھ سے نہ دینا۔ سنت مسلمانوں کو  
 بخیر و عافیت سے معلوم ہوتی ہے اور جن لوگوں نے انہیں جمع کیا ہے انہیں کے نام سے  
 معروف ہیں۔ کل مجموعہ احادیث کو صحیح کہتے ہیں چھ صحیح کتابیں کہتے ہیں تیسری صدی  
 ہجری سے پہلے کوئی مجموعہ موجود نہ تھا اور اسی سبب سے آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ بھی ائمہ  
 سے محفوظ نہیں تھے۔ دین میں بھی احادیث کے اعتبار پر کسی طرح اتفاق رائے کا  
 بائینہ یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ صحیح حدیث واجب اتمیل ہے اور اس بات پر کہ جو کچھ ان  
 احادیث میں مندرج ہے وہ نبی کا کلام ہے جسے انہوں نے بزبان الہام فرمایا تھا اور  
 ذکر باب مابعد میں ہوگا لیکن وہ ذکر چندان کارآمد نہیں۔ احادیث کا مرتبہ جو کچھ ہو لیکن مسلمانوں  
 کے اعتقاد میں وہ سب الہامی ہیں اور نبی کا فضل و قول اونکے نزدیک ایسا قانون ہے  
 جسکی پیروی کو وہ ایسا ہی لازم جانتے ہیں جیسا کہ سچ کے نمونہ پر چلنے کو مسیحی شیعہ مسیحیوں کی  
 چھ صحیح کتابوں صحاح ستہ کو نہیں مانتے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہیں  
 حدیث سے انکار ہے۔ اونکے بیان بھی حدیثوں کی پانچ کتابیں ہیں۔ پہلی کتاب کو ابو جعفر محمد  
 نے ۲۹۰ ہجری میں اپنے صحیح بخاری سے جو سنوں کی نہایت معتبر کتاب ہے سو برس کے بعد

م امام جہل کا یہ حال تھا کہ تربوز نہیں کھاتے تھے حالانکہ یہ جانتے تھے کہ نبی نے تربوز کھایا ہے لیکن نہیں کھاتے  
 تھا کہ چھکھ سمیت کھایا ہے یا بغیر چھکھ کے کھایا ہے یا توڑ کر کھایا ہے یا دانتوں سے کاٹ کر یا چاقو سے تراش کر  
 ایک عورت نے امام سے پوچھا کہ رات کو راستہ چلنے میں چراغوں کی روشنی سے کتنا جائز ہے انہوں نے  
 منع کیا کہ نہ مکہ نبی نے اس کے جواز کا کچھ ذکر نہیں کیا ۱۲۔



جمع کیا تھا۔ غرضکہ مسلمانوں کے سب فرقے پہلے اور دوسرے اصل یا یعنی قرآن و حدیث کو خدا کی طرف سے جانتے اور مانتے ہیں۔ شیعوں کے مجموعہ احادیث کی جگہ شیعوں نے اور مقرر کر لیا ہے۔ پس بڑی بات جیسے قائم رہنا ضرور ہے یہ ہے کہ صرف قرآن کسی مسلمان کے واسطے کافی ہادی نہیں۔

۳۔ اجماع۔ ایمان کی تیسری اصل کو اجماع کہتے ہیں اجماع کے معنی جمع کرنے اور جلسہ کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کے معنی میں تفہق ہونا خاص عالموں کا کسی امر دین پر مسیحیوں میں اس کی بزرگوں کا اتفاق رائے کہتے ہیں لیکن عقلاً تا بعین اور تبع بعین صحابہ کے مجموعہ ارا کا نام اجماع ہے ابن خلدون کہتا ہے کہ شریعت کی بنا صحابہ کی اداوائے پیروہ کے عام اتفاق پر ہے یعنی جس بات کو تابعین اور تبع تابعین قبول کریں وہی داخل شریعت ہے۔ ابوبکر کا تقرر خلافت پر اجماع امت سے تھا یعنی تمام گروہ کی اتفاق رائے سے ہوا تھا نبی کے اصحاب کو خدا اور رسول کی باتوں سے خاص تقویت تھی۔ صرف یہی جانتے تھے کہ قرآن میں آیات مانع کو نہی ہیں اور سنو نہ کو نہی ہیں۔ ان باتوں کا اور بہتیرے اور معاملات کا علم ان سے پھر اس کے جانشینوں کو پہنچا یعنی تابعین سے تبع تابعین کو دین کا علم پہنچا بعض مسلمان مثلاً ولابی صرف اجماع صحابہ کو مانتے ہیں لیکن اور سب فرقے اس اجماع کو اول مرتبہ کا معتبر جانتے ہیں اور بعض مسلمان اجماع مجاہدین کے بھی قائل ہیں مجاہدین انھیں کہتے ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے اور عالموں میں بعض ایسے بھی ہیں جنکی رائے میں اجماع ہزارانہ میں جائز ہے لیکن ابھی تک ایسا عمل میں نہیں آیا کیونکہ اب کوئی مجتہد نہیں رہا۔ سب سے بڑا مرتبہ جیسے مسلمان عالم پہنچ سکتا ہے مجتہد کا ہے مجتہد جہاد کرنے والے کو کہتے ہیں اجتہاد کا مادہ وہی ہے جو جہاد کا ہے اسکی اصطلاحی معنی منطقیانہ اور عقلی نتائج ہیں اور تعریف لفظ مذکور کی یہ ہے کہ اصول فقہ کی تحقیق میں خاص درجہ کا

اختیار حاصل کرنا۔ اصلیت اجتہاد کی یہ تھی کہ محمد صاحب نے ایک شخص سے معاذ کو اس کام پر لیا  
 کیا تھا کہ میں جا کر کچھ نکلاؤ گا مال جمع ہوا ہو لے آؤں تاکہ محتاجوں کو تقسیم کیا جاوے اور مقرر کرتے  
 وقت کہا کہ اے معاذ تو کس قاعدہ پر عمل کرے گا۔ اس نے جواب دیا کہ قرآن کے حکم کے موافق پھر نبی  
 نے کہا کہ اگر اس قسم کی ہدایت تو قرآن میں نہ پاوے معاذ نے کہا تو پھر نبی کی سنت کے  
 موافق عمل کروں گا اور اگر سنت سے بھی معلوم نہ ہو تو میں اجتہاد کروں گا اور اسی پر کاربند ہوں گا۔  
 نبی نے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ سب تعریف خدا کو ہے جو اپنے نبی کے قاصد کو جسطرح چاہتا  
 ہے ہدایت کرتا ہے (ما راج النبوة ۱۰۹ صفحہ) جواز اجتہاد کی یہی دلیل ہے کیونکہ اس حدیث  
 سے اجتہاد کی اجازت پائی جاتی ہے جب نبی زندہ تھے تو لوگوں کو ان کے پاس جا کر مسئلہ کو  
 رفع کر سکتے تھے اور جب چاہتے ایسی ہدایت پاسکتے تھے کہ میں خطا و غلطی کا امکان تھا  
 خلیفوں کو جو نبی کے جانشین تھے محمد صاحب کی اون راہوں کے موافق جو انھیں معلوم  
 تمیز شرع پر کاربند ہونا پڑا۔ وہ ملکوں کے فتوحات میں مصروف تھے نہ انھوں نے  
 جدید آئین بنانے چاہے نہ اس شخص کے طریقوں سے جسکی وہ کمال تعظیم کرتے تھے  
 روگردانی کی۔ آغاز اسلام میں شرع کا علم محض حدیث سے تھا کسی مسئلہ کے کالے  
 میں نظر و فکر اور دلائل سے جو قیاس پر نبی ہوں کام نہیں لیتے تھے۔ (ابن خلدون کی کتاب  
 جلد ۲ ص ۷۹) مگر جب سلطنت نے ترقی پکڑ لی اور نئی نئی صورتیں پیدا ہوئیں اور وہ تہذیب  
 پیش آئیں جنکی نسبت محمد صاحب نے صاف ہدایت نہیں کی تھی تو اجتہاد کی ضرورت  
 ہوئی۔ عہد خلافت خلفاء راشدین یعنی ابوبکر و عمر عثمان و علی میں مومنون کا یہ دستور تھا کہ  
 جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو ان سے پوچھتے کہ کس طرح عمل کرنا چاہیے کیونکہ انکی ہر نبی  
 کی باتیں اور کام کوئی نہیں جانتا تھا۔ جب کبھی کسی مسئلہ میں پیچیدگی واقع ہوتی تو وہ نبی کے  
 کسی قول و فعل کو ایسا یاد کر کے ایسا تصفیہ کر سکتے تھے کہ وہ مسئلہ حل ہو جاتا اسطرح سے سب

مسلمانوں کی مرضی و ہدایت پر عمل کرنے کو راہ حق کی پیروی جانتے تھے لیکن چونکہ  
 خلیفہ حضرت علی کی وفات کے بعد خانہ جنگیوں اور فساد باجمعی سے دین میں رخنہ پڑ گیا۔  
 مینہ میں ہوا کہ لوگوں کو محمد صاحب کے حالات خوب معلوم تھے اور جس جگہ کے لوگ  
 متنازعہ سمجھکر طبری تعظیم و تکریم کرتے تھے ویندار آدمیوں نے قرآن اور سنت اور چاروں  
 خلیفوں کے اجتہاد کا لحاظ کرنا شروع کیا اور آدمیوں کو ہر ایات دین میں لوگ ہی اعتبار  
 جانتے اور ان کے فیصلوں کو رسوم پر نہ کہتے تھے۔ یہ سمجھنا کچھ دشوار نہیں کہ جس مذہب میں  
 کل معاملات و عبادات کا مدار نبوی باتیں اور جدید صوتیں پیش آویں اور ان کا انتظام سنت  
 و اجتہاد پر ٹھہرا تو اس مذہب میں نہ صرف جعلی حدیثیں بنانے کی رغبت پیدا ہوگی بلکہ چندی  
 مدت میں اس پر عمل کرنا دشوار ہو جائیگا اس واسطے نہایت ضروری ہوا کہ تمام حدیثوں کو جو  
 بے ترتیب تھیں اور ضابطہ و مجتہدین کے احکام کو ترتیب دیا جاوے چنانچہ یہی علم فقہ کی ابتدا  
 ہوئی جسے چار بڑے عالم اماموں نے نکالا۔ سوائے شیعوں کے اور سب مسلمان چار اماموں  
 میں کسی ایک کے پیروں پر موقوف تھے یہ چاروں امام یعنی ابوحنیفہ اور ابن مالک اور  
 شافعی اور ابن حنبل بہت بڑے مجتہد گذرے ہیں شیعوں کے اعتقاد میں ان کے بعد چھ کوئی  
 مجتہد نہیں ہوا۔ مثلاً فقہ کی ایک کتاب میں جو ہندوستان میں بہت مروج ہے لکھا  
 ہے کہ اجماع کے یہ معنی ہیں کہ چاروں اماموں کے سوائے اور کسی کی پیروی جائز نہیں اس  
 زمانہ میں نہ قاضی کوئی حکم نہ مفتی کوئی فتویٰ خلاف اسے چاروں اماموں کے دیسکتا ہے  
 کسی دوسرے کی پیروی جائز نہیں ہے پس جہاں تک کہ سنت کا تعلق ہے تغیر و ترقی  
 غیر ممکن ہے۔

امام ابوحنیفہ بصرہ میں مشہور عجمی کو پیدا ہوئے لیکن انھوں نے بہت زمانہ اپنی عمر کا  
 کوفہ میں بسر کیا۔ شخص اہل شرع کے اس گروہ کا بانی مہمانی اور علم تھا جو فقہاء عراق کے

نام سے مشہور تھے اکانہرب امام مالک سے بہت مختلف ہے امام مالک نے مدینہ میں  
 رکھ کر آپ کو خاص حدیث پر محدود رکھا لیکن ان کے اجتہاد کی بنا، خاص حدیث پر ہے۔ مدینہ والوں  
 نبی کے قول و فعل خوب یاد تھے بخلاف اسکے کوفہ جو ضیفہ کا تھ تھا محمد صاحب کی وفات  
 کے بعد آیا ہوا اس سبب سے وہاں کوئی ایسا نہ تھا جسے نبی کی باتیں یاد ہوتیں وہاں پر  
 اہل اسلام کو ہتیری اور قوموں سے تعلق ہوا اگر یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو خیر چھا ہوا اور اگر  
 ایسا نہ تھا تو بھی ان کی اور مومنوں کی شرع محمد صاحب کی تعلیم نبی قرآن کی ہتیری آیات اہل  
 کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اتاری منے اور پرتیست کتاب بیان کرنے والی ہر چیز  
 کی، (سورہ نمل ۶ آیت ۹۵) زمین کی منے اس کتاب میں کوئی چیز (سورہ النام آیت ۹)  
 ان نصوص سے ثبوت نکالتے ہیں کہ اہل شریعت پہلے سے قرآن میں رکھ دی تھی۔ اگر کوئی مسئلہ  
 ایسا ہو کہ وہ کسی آیت قرآنی سے صاف نہیں معلوم ہوتا ہو تو اس وقت عقل سے سوچا جاتا  
 تھا مثلاً سورہ بقرہ آیت ۲۹ میں آیا ہے کہ وہ ہے جسے پیدا کیا اٹھا رکھ واسطے جو کچھ زمین  
 کے سج ہے سارا "خفی مذہب والے اسکے یہ معنی لیتے ہیں کہ یہ خدا کی بخشش ہے جسے سب  
 حقوق ملکیت کو ساقط کر دیا ہے۔ تمہاری مسلمانوں سے خطا ہے اور زمین میں جیست پر  
 منقسم ہو سکتی ہے (۱) وہ زمین جس کا کبھی کوئی مالک نہ تھا (۲) وہ زمین جس کا کوئی مالک تو  
 تھا مگر اسے اس سے چھوڑ دیا ہے (۳) کافروں کی جان و مال۔ اخیر تقسیم سے وہی فقہ غلامی  
 اور غلامی اور کفار سے ہمیشہ جنگ کرنے کو جائز رکھتے ہیں اب اور حال ابو ضیفہ کا سنئے۔  
 ایسی حدیثیں بہت تھوڑی ہیں جنہیں خفی مذہب نے معتبر تسلیم کیا ہے اور اس مذہب کا یہ  
 معمولی ہے کہ وہ دلائل عقلی قرآن سے اخذ کیا گیا ہے اس سے انکار نہ میں ہو سکتا کہ یہ مذہب  
 بہت بیباکی سے دلائل عقلی کو کام میں لاتا ہے۔ لوگوں کی حاجتوں اور خواہشوں پر اور  
 فی الحقیقت ان سب باتوں پر جنہیں یورپ کے لوگ قانون بنانے کے اعلیٰ اصول

سمجھتے ہیں عراق کے فقیہ بیکار سمجھ کر مطلق الحائضین رکھتے ہیں۔ اس لئے نزدیک وضع کرنا  
قوانین کا کوئی ایسا علم نہیں ہے جو قرآن اور تجربوں پر موقوف بلکہ محض عقلی اور یقینی ہے  
(اسبرن کی کتاب در باب اسلام بعد خلفاء ص ۲۹)

آمام مالک (۱۷۳ ہجری) مدینہ میں پیدا ہوئے اور اونکا اجتہاد جیسا کہ ہونا چاہیے تھا  
اس سبب سے کہ اونھیں اس متبرک شہر سے تعلق تھا مدینہ کے دستورات کے موافق ہے  
اونھوں نے یہ کام کیا کہ جو حدیثیں مدینہ میں قرون تھیں اونھیں ترتیب دیکر اور جمع کر کے اونے  
اور نیز دستورات مدینہ سے شریعت کا ایسا علم نکالا جو معاملات دنیا میں کار آمد ہو۔ جو کتاب  
اونھوں نے تالیف کی تھی اس سے موطنی کہتے ہیں موطنی کے معنی میں غوب چھانی ہوئی راہ نشہ  
مفہمیں اس کے وہ شرعی اصول اور راین ہیں جو اصحاب نے بتائی تھیں۔ اس واسطے اونھوں  
جو کچھ بطریق اجتہاد بیان کیا ہے مآخذ اور سماعی ہے ابو جعفر محمد نے اونکے مرنے پر ایک  
مرثیہ کہا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ”اونکی روایات نہایت معتبر تھیں اونکی سنجیدگی اور  
مسانت موثر تھی جب وہ حدیثیں اور روایتیں بیان کرتے تو تمام سننے والے حیرت میں  
ڈوب جاتے (ابن خلقان کی کتاب اللغات فی احوال اسلاف جلد ۲ ص ۵۹۴) حدیثوں سے  
آپ بہت خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ بنی اللہ کی باتوں کی تعلیم سے میرا دل خوش ہوتا  
اور کوئی حدیث بغیر وضو کئے نہیں پڑھتا ہوں (ابن خلقان کی کتاب جلد ۲ ص ۵۹۶)  
جب موت قریب آئی تو بھی اونھیں یہ اندیشہ رہا کہ مبادا حکم شرع میں کوئی بات اپنی طرف  
سے کہ دی ہو جب اخیر مرض میں ایک دوست اونسے ملنے آگئے اور روتے دیکھ کر  
سبب پوچھا تو یہ جواب دیا کہ کیوں نہیں رونا چاہیے اور مجھ سے زیادہ اور کون ستم  
روئے گا ہے؟ بخدا میں چاہتا ہوں کہ شریعت کے جس مسئلہ پر کوئی حکم اپنی طرف  
سے دیا دیا اوپر کر رہا ہوں کہ چاہا کہ لکھائے جاوے (ابن خلقان کی کتاب جلد ۲ ص ۵۹۶)

امام شافعی قوم قریش سے ششم ہجری میں پیدا ہوئے تھے اوکی جوانی مکہ میں گذری لیکن آخر کو قاہرہ میں سکونت اختیار کی اور وہاں ہی سلسلہ ہجری میں وفات پائی ابن خلقان اوکی نسبت لکھتے ہیں کہ قرآن اور سنت اور اقوال اصحاب کا علم اونھیں اس قدر تھا کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امام ابن حنبل کہتے ہیں کہ کبھی ایک شب بھی ایسی نہیں گذری کہ امام شافعی کے واسطے میںے خدا سے رحمت و برکت نہ مانگی ہو ابو طہر کہتے ہیں جو کوئی کہ کہ میںے شافعی کے مثل و دوسرا بھی علم و فضل میں دیکھا تو وہ کاذب ہے۔ اونھوں نے دونوں اماموں کے اجتماعات کو بغور پڑھنے کے بعد جو کچھ بتہر جانا اوس سے اخذ کر کے اپنا اجتہاد علیحدہ قائم کیا۔ اونکا اجتہاد ابو حنیفہ کے طریق سے مخالف تھا۔ شافعی اتباع احادیث میں بیشتر ابن مالک کے موافق ہیں۔ حنفی کو در صورت عدم موجودگی کسی صاف اور صریح قول کے اگر قرآن کا ایک فقرہ یا فقط ایک حدیث بھی ایسی ملجاوے جس سے مسئلہ مطلوب کل اوکے تو وہ کافی سمجھتا ہے لیکن شافعی ایسی صورتوں میں اگرچہ اوسکے قیاس کا ماخذ حدیث ہی ہو جب تک متعدد حدیثیں اوس باب میں نہیں پاتا مطمئن نہیں ہوتا ہے۔

چاروں میں آخری امام حنبل تھے۔ یہ بغداد میں سلسلہ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ اس طریق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اونھوں نے پھر بالکل حدیث کی طرف رجوع کیا ہے (ص ۲۲) بعد خلافت خلیفہ مامون رشید بغداد میں رہتے تھے اس عہد میں معتزلیوں کی کثرت سے اور محاکم کی عیش و عشرت کے رواج سے دنیاداری معرض خطر میں تھی۔ فقہاء عدالت کے طرفدار مذہب کے خفی تھے۔ اونھوں نے آزاد خلیفہ کے خوش کرنے کو مامون کے اجتہادات کی خوب تحقیق کی اور عیوب نکالے اور ایسا معلوم ہوا کہ انسان کی تحقیق میں کی ضرورتوں کو ضعیف کر دیتی ہے۔ ابن حنبل نے اس وقت کا یہ جبر کیا کہ جس طریق پر اور امام حدیث و قرآن سے عقلی مطالب نکالتے تھے اوس سے احتراز کیا اونھوں

نے دیکھا کہ طریق مالکی جو رسوم مدینہ پر مبنی تھا اتنے وسیع اور ترقی پذیر سلطنت کے کل غرض کو کافی نہیں ہے اور ہمیں ضرورت کچھ اور بڑھانے کی ہے پس انھیں حدیث سے بہتر اور یقینی صورت کوئی نظر نہیں آئی۔ اور کچھ نہ تھا تو حدیثین المامی تو ضرور تعین پس یہ ایک ایسی محفوظ بنیاد تھی جس پر انھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرنا بہ نسبت اوس طریق کے جو ابو حنیفہ نے اختیار کیا تھا بہتر جانا۔

آن جنبل کا مذہب اب قریب معدوم کے ہے اس فرقہ کا کوئی مفتی کمین نہیں ہے اگرچہ اور تینوں کے مذاہب موجود ہیں۔ مگر انکے اجتہاد کا اکثر خصوصاً احادیث پر عمل کوئے میں آج تک باقی ہے۔ چاروں اماموں کے درمیان امتیاز اس طرح کیا جاتا ہے کہ ابو حنیفہ نے عقل و رائے سے کام لیا۔ مالک اور حنبل نے روایت اور سنت کو ترجیح دی۔ بعض احادیث کے اعتبار و غیر اعتبار میں انکے درمیان اختلاف ہے لیکن صحیح حدیث کے مستند ہونے میں کسی کو کلام نہیں مسائل و احکام شرعی میں اماموں کی رائیں ایمان کا تئیر کہنا ہیں۔ یہ گمان کیا جاتا ہے کہ جس طرح اگلے مسلمانوں کی سلطنت کی جدید ضرورتوں کے پیش نظر سے یہ مذاہب نکلے ایسی حال کی اخلاقی اور تمدنی ضرورتوں کے واقع ہونے سے نئے امام پیدا ہو جائیں جو از سر نو اجتہاد کریں لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے سنہوں کا عقیدہ یہ ہے کہ چاروں اماموں کے وقت سے آج تک کوئی مجتہد نہیں گذرا جو ادنیٰ مانند کچھ کر سکا ہو۔ اتفاق سے کوئی نئی صورت پیدا ہو تو جو شخص فیصلہ کرنے والا ہو اسے چاہئے کہ اپنا نام کے مذہب کے موافق تصفیہ کرے (۱) اس سے کسی قسم کا تئیر نہیں ہونے پاتا اور نئی بات خواہ اچھی ہو نکالنا سخت منع ہے تو اس سے دین اسلام صرف ایک حالت پر رہتا ہے کچھ ترقی نہیں ہونے پاتی کوئی قانون انہی طرف سے نہیں بنا سکتے کوئی بات چاروں اماموں کے اجتہاد کے خلاف نہیں کر سکتے۔ اس سبب سے مسلمانوں کے کسی ملک

مین اصلاح قانونی ممکن نہیں کوئی ایسا فرقہ نہیں کہ نئی تہذیب اور عمدہ اصول سکھیں۔  
 سلطان یا خلیفہ کی اطاعت لوگ بھی تک کر سکتے ہیں جب تک کہ وہ احکام شرع برقرار ہے۔  
 پس ہمارا سوال شرعی مسئلہ حکومت کی نسبت یہ نہیں ہے کہ آیا محمد صاحب نے قریش  
 یا خود فریب کھایا۔ آیا فی الحقیقت رسول تھے یا عیار تھے کیا قرآن فی الجملہ اچھا ہے یا بُرا اور جو غیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے سبب سے ہوا اس سے عرب بہتر ہو گیا یا بدتر بلکہ بحیث اس پر ہے کہ مذہب اور تمدن  
 کے اعتبار سے اسلام کا کیا اثر ہوا اور ہے اور اب اس کا عمل کس طرح پر ہوا کرتا ہے اور  
 سنی مسلمانوں کا کیا عقیدہ ہے اور کس طرح اس عقیدہ پر کرتے ہیں۔ خلاصہ اس عقیدہ  
 کا یہ ہے کہ جو طریق محمد صاحب نے اور ان کے اصحاب نے اور چاروں اماموں نے  
 بتایا ہے نہایت مکمل ہے نہ نئی بات کا لانا غلطی سے بدتر ہے یہ سراسر خطا اور گناہ ہے۔  
 سچے مسلمان کا بڑا فخر و شوکت یہی ہے کہ دین و دنیا دونوں کے واسطے یہ مذہب الیاسی مکمل ہے

۱۔ جنوبی ہندوستان کے مسلمان صرافوں نے اسلئے کہ دین کا خلاف نہ ہو عجب طریقہ جواز کا نکالا ہے روپیہ  
 سے روپیہ کا نفع جائز نہیں مثلاً فرض کر دو کوئی شخص ایک آن روپیہ کے نمودے چار روپیہ قرض لے اور ایک سونے  
 کے بعد ایک روپیہ اور ایک چوٹی خرخواہ کو ادا کرے تو جائز نہیں کیونکہ روپیہ سے روپیہ لینا حرام ہے لیکن اگر وہ  
 شخص چار روپیہ اور ایک چوٹی کے پیسے دیوے تو جائز ہے کیونکہ روپیہ سے مانا لینا گو مول سے کتنا زیادہ ہو  
 بنظر تجارت کے تصور کیا جا گیا اور جائز ہے۔ اسی طرح جائز اجیزوں کی تصویریں حرام ہیں جب مگر بڑی  
 روپیہ اول ہندوستان میں جاری ہوا تو دیندار مسلمانوں کو اس کے استعمال میں کام ہوا لیکن بڑی بحث  
 کے بعد مطلقوں نے یہ فتویٰ دیا کہ چونکہ اس روپیہ میں آنکھیں ایسی چھوٹی نی ہیں کہ اچھی طرح نہیں معلوم  
 ہوتی ہیں اس واسطے اس روپیہ کا استعمال جائز ہے۔ پس اس قسم کی تاویلین مسلمانوں میں اکثر ہوا کرتی  
 ہیں جسے دین پر بڑا اثر آگیا ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شریعت کس قدر سخت ہے ۱۲ -



کہ کچھ ترقی و تغیر کی گنجائش نہیں۔ - ادن قواعد میں جسے اسلام کا دنیوی نظم سے خدا کے  
 فریدہ عرفان یا عبقلی کے ازو یا و علم کا متوقع ہونا محمد صاحب کے کشف و الہام کو غیر مکمل جاسا  
 ہے سے کوئی مسلمان کبھی قبول نہیں کرے گا۔ نہایت خجلی سے یہ کہا جاتا ہے کہ ترکی کی  
 درستی کے واسطے جو کچھ چاہئے وہ یہ ہے کہ سلطان کے احکام بجائے شریعت کے قرار  
 دیئے جاویں۔ اگر ایسا ہو سکے تو درحقیقت ترکی اصلاح ہو جاوے لیکن پھر وہ مسلمانوں  
 کی عملداری نہیں کسائیگی۔ یہ بات کہ ابو حنیفہ کا طریق زمانہ حال کے مناسب نہیں ظن و  
 یقین کے مرتبہ سے زیادہ ہے لیکن خلیفہ اسلام کہ یہی دعویٰ سلطان کو بھی ہے اسی لئے  
 ہوتا ہے کہ ملت خفی کو قائم رکھے اور دین کی حفاظت کرے سلطان مجتہد نہیں ہے کیونکہ  
 سنیوں میں کہ ترک بھی اسی فرقہ میں ہیں اب ایسا کوئی نہیں ہے اب اگر کوئی صوت  
 ایسی واقع ہو کہ نیا قانون بنانے کی ضرورت پڑے تو پائے کہ اماموں کی رائے سے  
 فوری خلاف نہ ہو۔ شیعہ بمقابلہ سنیوں کے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مجتہد اب تک ہوتے ہیں  
 لیکن یہ رائے امامت کی عجیب مسئلہ کے سبب سے پیدا ہوئی ہے جسکی بحث آگے آگے کیلئے  
 نظر میں ایسا معلوم ہو گا کہ اگر ایسے مجتہد ہو سکتے ہیں جو اپنے اختیار سے احکام جاری کر سکتے  
 اور اپنی طرف سے زمانہ کی مناسب رائے دے سکتے ہیں تو شیعوں میں جسے فارسی میں  
 ترقی کی کچھ امید ہو سکتی ہے اس میں شک نہیں کہ ادن میں نہ ہی اضطراب اور وہم کی  
 باتیں اور آتش اور زیادہ ہے لیکن ترقی کی راہ میں کچھ اپنے ہمسایوں سے بہتر نہیں ہیں  
 اور مجتہد کے ہونے سے جو فتنہ بظاہر معلوم ہوتا تھا وہ اس سبب سے معدوم ہے کہ  
 یہ ضرور ہے کہ اسکے سب فیصلے قرآن و سنت کے یا جس چیز کو شیعہ بجائے سنت کے  
 قرار دیتے ہیں اسکے موافق ہوں۔ شیعہ اور سنی دونوں گذشتہ زمانہ کے مردہ طریق پر  
 تمام اہلین و قوا نہیں بناتے ہیں اور زمانہ حال کی ضرورتوں کا کچھ لحاظ نہیں کرتے۔ پرانا

عالموں اپنی حکومت سے دونوں پر حکمرانی کرتا ہے۔ وہ اپنی مطلق اجماع سے انکار کرتے ہیں لیکن اجماع اصحاب کے وہ بھی قائل ہیں جو جب کبھی انھیں اسلام کے پیروٹین یعنی حق الص سنت پر چلنے والے کہا جاوے تو یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ وہ بھی نہ صرف قرآن کو بلکہ سنت اور کچھ اجماع کو اس کا ان ایمان سمجھتے ہیں اجماع اور وقت واجب التعمیل ہوتا ہے کہ سب مجتہدین متفق ہوں یا بالعمیل ہوں۔ اجتہاد کے کل مضمون کو سلطنت اسلام کی اصطلاحات سے بہت بڑا تعلق ہے اس زمانہ کے ایک محمدی مصنف نے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسلام میں البتہ ترقی کی گنجائش ہے اور یہ کہ سخت و تنگ راہ ہونے سے اس قدر دور ہے کہ ترقی کی نئی صورتیں اور میں بخوبی داخل ہو سکتی ہیں کیونکہ نبی نے عملی اصول کے زمانہ میں پیشینگوئی کی تھی اور پھر ایک روایت جو اصلیت اجتہاد کے بیان میں قبل از بیان کرچکا ہوں (صفحہ ۱۷) اپنے قول کے اثبات صحت میں نقل کرتے ہیں۔

لکھتے ہیں کہ معاذ نے کہا کہ پہلے میں قرآن کو دیکھو گا اور پھر نبی کے اقوال کو اور جو ان دونوں میں نہیں پاؤں گا تو جو کچھ میری عقل میں آوے گا وہ کر دوں گا یہ سچ ہے کہ اجتہاد کے لفظی معنی کوشش تبلیغ کے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ اول درجہ کے صحابہ اور مجتہدین مثلاً کو صورتوں میں اپنی عقل کو کام میں لانے کی مجاز اور چیزوں کی حیثیت کے موافق ان صورتوں کے تصفیہ کے مختار تھے لیکن اسکے ساتھ یہ شرط ہمیشہ رہی کہ وہ تصفیہ قرآن یا سنت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو لیکن اس سے یہ سیطرہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام میں ترقی کی کچھ گنجائش ہے یا یہ کہ محمد صاحب نے عملی اصول کے زمانہ میں خبر دی تھی یا یہ کہ اولی باتیں سرگرمی اور جوش و لاتا ہیں کہ انسان کے دل مردہ میں جان تازہ ڈالتے ہیں کیونکہ اگرچہ ظاہر اجتہاد نسبت ان

آدمیوں کے جنکا ذکر کچا ہوں کس قدر وسعت سے ترجمہ کیا جاوے یعنی اس کے معنی عقل کے موافق کام کرنے کے لئے جاوین لیکن حقیقت اس زمانہ میں اس لفظ کے یہ معنی نہیں رہے ہیں۔ اب وہ لفظ محض اصطلاحی ہو گیا ہے اور فی زمانہ اسکا استعمال خالصتہً قرآن و سنت کے موافق اس معنی میں ہے کہ کسی پیچیدہ معاملہ میں اجتہاد کیا جاوے۔ لیکن بالفرض اس لفظ کے یہ محدود معنی نہ ہوتے اور اب بھی وہی معنی ہوتے جو اول کسی زمانہ میں لئے جاتے تھے تو بھی سید کا دعویٰ ثابت نہ ہوتا اور حالیکہ چارون اماموں کے عہد سے دینداروں کو یہ عقیدہ ہے کہ اول مرتبہ کا مجتہد اس وقت تک کوئی نہیں ہوا ہے اور پھر اس درجہ کے آدمیوں کے اور کسی کو یہ اختیار نہیں ملا ہے اور اگر فقط دلیل کے لئے فرض بھی کریں کہ سید صاحب کا ترجمہ از روئے صرف و نحو اور محاورہ کے درست ہے تو جو کچھ ترجمہ اس سے نکلیگا وہ یہ ہے کہ عملی اصول کا زمانہ فقط دو سو برس تک رہا۔ میں تسلیم کرتا کہ اسلام میں کبھی بھی ایسا زمانہ تھا اور بالیقین نہ مسلمانوں کی الیات نہ معاملات کی ترقی ہمارے مخالف و نحو کا انکار کر سکتی ہے یعنی یہ کہ محمد صاحب نے اصول نہیں بتائے بلکہ نصیحتیں کیں ترکہ بھی سنت نہاد اور مردہ دل آدمیوں میں شامل ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی زبان اعجاز اور عجیب باتوں سے کیا سرگرمی اور جوش انہیں ہوا یا کونسی جان تازہ اور نئی زندگی انہیں ڈالی۔ یا اعلیٰ اصول کے زمانہ نے کونسی پادار نیکی پیدا کی۔

۴۔ قیاس اسلام کی چوتھی اصل ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی سوچنے اور مبالغہ کے ہیں۔ ہندوستانی اور فارسی میں اسکا عام استعمال معنی جاننے اور خیال کرنے وغیرہ کے ہے۔ اصطلاحاً اسکے معنی یہ ہیں کہ علماء قرآن اور سنت اور اجل کی تعلیم سے سوچ سوچکر باتیں نکالیں۔ مثلاً قرآن میں آیا ہے کہ اپنی ماں باپ کی تعظیم کرو اور انکی نافرمانی کے موجب ست ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ والدین کی نافرمانی ممنوع ہے اور جو کوئی اس

حکم کو نہ مانے مستوجب سزا کا ہوگا۔ اسی طرح اگر اولاد آمدنی کے موافق اپنے باپ کے فرض کی ذمہ داری ہو تو اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جو کام والدین پر فرض ہیں اگر وہ کسی وجہ سے اوکلی تعمیل سے قاصر ہوں مثلاً حج وغیرہ نہ کر سکتے ہوں تو ان میثون پر جو عاقل اور بالغ ہیں اوکلی تکمیل واجب ہے۔ صحابہ سے یہ روایت ہے کہ ایک روز کوئی عورت نبی کے پاس آ کر کہنے لگی کہ میرا باپ بغیر حج کیے مر گیا ہے۔ نبی نے پوچھا کہ اگر تیرا باپ کچھ فرض چھوڑ مارتا تو کیا کرتی۔ اس نے کہا کہ میں اس فرض کو ادا کرتی۔ اچھا تو یہ بھی ادا کر۔ قرآن میں غمر یعنی مسکر کا استعمال منع ہے تو اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ شراب اور افیون بھی حرام ہے اگرچہ اس کا نام قرآن میں نہیں آیا ہے۔ وہابی اس ممانعت کو تا کو کے استعمال تک وسعت دیتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ مائوسکرات میں داخل ہے اس سبب سے حرام ہے۔ فقہاء سمجھتے ہیں کہ یہی قسم کی صورتوں سے اگلے مجتہدوں نے ایمان کی چوتھی اصل قرار دیا جس کا اعتبار الایمان بھی کہتے ہیں جبکہ معنی متابعت مثل کہ میں یہ خیال سورہ حشر ۵۹ آیت ۲ کی ارجحیت سے کہ عجزت بکرمی وائے انھوں والے پیدا ہوا ہے قیاس کے باب میں سخت قواعد وضع کیے گئے ہیں اور یہ اشد ضرور ہے کہ قیاس کسی صورت سے قرآن اور سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو۔ فی الحقیقت اس میں اسلام کا اصل خیال یہ کہ شریعت تکمل ہے کسی بات کی این کمی نہیں۔ اخلاقی اور ملکی کل معاملات کی تفصیل اس میں ہے۔ جو چھیدگی پیدا ہو اس کا ذمہ محمد صاحب کی تعلیمات میں موجود ہے جو قانون نبی نے صاف بتایا ہو وہ اجتہاد و قیاس سے ضرور نکلتا ہے اس سے سب باتیں ایک ڈھنگ پر رہتی ہیں اور اختلاف نہیں پڑنے پاتا لیکن اس سبب سے ہے کہ ذہن سے خدا کی باتوں میں کام لینا موقوف ہے اور تہذیب کی ترقی معدوم ہو گئی ہے۔ مثلاً جو کوئی اس طریق میں داخل ہوگا اوپر ملک و حکومت کی غلامی لازم ہوگی۔ جو کچھ علم و یقین سے بوسیدہ قوانین کی حدود سے سہاؤ رہے

وہ بالکل دور کر دیا ہے۔ مسلمان سلطنتوں کے زوال میں عجب مماثلت و قرابت ہے جو یہی عام سبب پر دلالت کرتی ہے یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی سبب سے مسلمانوں کے تمام ملکوں میں زوال آگیا ہے تمام اصولِ اقل سنت میں موجود ہیں اور جو کچھ اون سے موافق نہیں با ضرورتِ اور سنت ہے قرآن و سنت دونوں خطا و غلطی سے خالی ہیں پس قیاس بھی ایسی چیز نہیں جس سے ترقی کی کچھ امید ہو یا پرانی بیڑیاں اوس سے دور ہو سکیں کیونکہ یہ ضرور ہے کہ قیاس کو بھی جوئی الحقیقت موجودہ ضرورتوں کو غیر کفایتی اور فی نفسہ ایک حال پر ہے از روے اصول مطلق علیحدگی نہو۔ نہایت المراد میں لکھا ہے کہ ہم مقیم ہیں چاروں اماموں کی تقلید پر تفسیر احمدی میں ہم نے پڑھا ہے کہ چاروں اماموں کے سواے دوسرے کی تقلید حرام ہے شاید کوئی معترض کہے کہ یہ تعظیم ایسی ہے جیسی بت پرست اپنے مژدہ بزرگون کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسکا جواب دیا جاوے شرح وقایہ میں مصنف نے اس طرح دیا ہے کہ یہ اوس قسم کی تعظیم نہیں ہے۔ مجتہد شریعت کے احکام اپنے پاس سے نہیں دیتے تھے بلکہ وہ تو اوان احکام کے ہم تک پہنچانے میں بمنزلہ وسائل کے ہیں مثلاً امام ابو حنیفہ کا قول ہے اول قرآن سے او پھر احادیث سے اور پھر اصحاب کے احکام سے ہم اخذ کرتے ہیں جس پر اصحاب متفق تھے او سپر عمل کرتے ہیں اور جب میں انھیں شک تھا او میں ہلکے بھی شک ہے مفسر جلال الدین مہلی کہتے ہیں کہ عوام الناس او شیر اوان لوگوں کو جو مجتہد کے مرتبہ تک نہیں پہنچتے ہیں چاروں اماموں میں سے ایک کی تقلید ضرور ہے اور جب وہ ایک مذہب میں داخل ہو یعنی جس سلسلہ کو اختیار کرے پھر اوسے نہ چھوڑے۔ بیان پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ ان اماموں کی تقریری کی نسبت خدا نے کوئی حکم نہیں فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرمائی علیہ السلام نے کہ پیروی کرو اوس راہ کی جس پر بہت سی جماعت ہو اور

جو کوئی اوس سے تجاوز کر گیا جہنم میں داخل ہوگا اماموں کے تقلد بہت سے لوگ ہیں۔  
 علاوہ ہرین باتفاق اجماع امت یہ قرار پا چکا ہے کہ امام اوس مرتبہ کے لائق ہیں جو انھیں  
 دیا گیا ہے نفسی احمدی میں لکھا ہے کہ یہ بڑی برکت ہے اور خدا کا فضل ہے کہ ہم ان اماموں  
 کے مقلد ہیں خدا کو یہ تقلید پسند ہے اس میں ثبوت و استدلال کی کچھ ضرورت نہیں ہے  
 اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی کے عہد میں مجتہد نہیں تھا۔ ہر شخص اسی پر عمل کرتا تھا جو خود  
 نبی سے سنا تھا۔ کسی نے اپنے عقیدے یا طریق کو کسی مخصوص صحابہ کے راؤں پر محدود  
 نہیں رکھا تھا تو اس کا جواب اس طرح دیا جاوے کہ نبی کی وفات کے بعد مدت تک  
 اصحاب زندہ رہے اور اسی سبب سے جو احادیث اس وقت مروج تھیں معتبر سمجھی جاتی  
 تھیں لیکن اب یہ صورت نہیں ہے اس وجہ سے اماموں کی اور ان کی سالک کی ضرورت ہے۔  
 یہ چاروں اصول قرآن اور سنت اور اجماع اور قیاس دیندار مسلمانان کے علم و فہم  
 میں پختہ مذہب اور حکومت کی کامل بنیاد ہے۔ اور اس سے طریق اسلام قائم رہتا ہے  
 لیکن محلول ترقی کے مانع ہیں۔ ان سب باتوں کو جو کچھ حال کے معاملات حکومت سے تعلق  
 ہے وہ نجوبی ظاہر ہے۔ ترکی کے مقدمہ پر پھر رجوع کرنا ان کی حکومت کی دفع ذی نفی خدا کی ہدایت  
 کے بموجب ہے۔ آزادی کی کمی جیسی اوس ملک میں ہے ایسی یورپ کے کسی ملک  
 میں کبھی نہیں ہوئی۔ اوس حکومت کو اپنی حالت بدلنے کی کچھ خواہش نہیں۔ کسی خیال  
 کا پیداکرنا یا اپنی طبیعت سے کوئی محلول حکم دینا سخت ممنوع ہے ترکواؤں نے دنیا کے

سب گوتہ نے اٹلی کو براہ دیکھا لیکن جگہ کہ خود گوتہ نے جلائی تھی وہی آئینش اور ان کی صحت کرمیوالی  
 ہوئی۔ سیکشن نے برطانیہ کو تاخت و تاراج کیا لیکن کیلٹاک کے گیتوں نے میکشن کی خدہ طبیعت کو  
 ملائم کر دیا۔ وسیگا تھ اور فرنیٹ ہرنلی اور دمنل کی سیر حیدان اوسی تندیب کی روشنی نے معدوم

لئے کبھی کوئی بھلائی نہیں کی۔ کوئی قوم جسکے دین کے اصول یہ ہوں جو اس باب میں  
 مذکور ہیں کسی طرح ترقی نہیں کر سکتے۔ جب خارجی اور تجارتی معاملات کی طرف خیال کرو  
 تو یہ قائلہ اون ملکوں کے زمین بیہمت اور قوت ہے کہ قوم ہنگ آزدی سے رہ سکتے ہیں  
 مسلمانوں کی سلطنتیں مدت سے ناکام اور پس ماندہ ہیں کسی نے یہ خوب کہا ہے کہ صرف  
 اسپین البتہ ایسا ملک ہے جس میں رومی تہذیب جو سچی سلطنت سے بالکل جدا ہے ایک دفعہ  
 بالکل پھیل گئی تھی۔ لیکن یہ جدائی بھی اگرچہ مدت تک یہی ناپائیدار اور غیر مستقل تھی مگر  
 برس کی جدوجہد کے بعد اعلیٰ قسم کے اخلاقی انتظام نے ادنیٰ پر غلبہ پایا اور اسلام کی  
 غاصب حکومت کو کال باہر کر دیا ایسا ہی ہونا چاہئے تھا اور ایسا ہی ہو گیا کیونکہ  
 آزادی شخصی حکومت کو ضرور درکار دیگی۔ وہ سچی جو محکوم ہو کر رہتے ہیں زمین پوشیدہ جان  
 ایسی ہے جو ہلدی یا بیدردی حکومت کا جوا اوتار دیگی۔ اور وحشی قوم کو کیسی اچھی بوچھڑی  
 پوشیدہ اور ناقابل ترقی کے ہے۔ سچی جماعت کیسی ہی ذلیل حالت کو پہنچ جائے  
 مگر اوس میں ہمیشہ پھراؤ ٹھننے کا امکان ہے کیونکہ نہایت عمدہ نمونہ اس کے سامنے موجود ہے۔  
 اس کے دلی عقیدے آگے کی اور اوپر کی راہ بتاتے ہیں یعنی مسیحیان کا عقیدہ اسی قسم کا

روہن جسکے مٹانے پر وہ ہل معذرت تھی۔ بلکہ استہیا کے میدان کا وحشی بتاتا رہن بھی اس زمانہ میں  
 سختی اور وحشت سے دستکش ہوا جب اس نے یونیا کے میدان میں خیمے کاڑھے تھے۔ لیکن ترک ایسی  
 قوم ہے کہ جان کہیں اسکی تلوار پہنچی تباہی اور ویرانی دولت اور بدنامی ساتھ لگی۔ یونان اور روم  
 اور اٹلی کی تہذیب سب اوستے جیٹہ کے لئے ریٹ دی اور جب سب غو۔ یان معدوم ہو لیکن توحشت  
 سے سیر ہو کر وہ سو برس سے ایوسا نہ پیری میں مہطل بیٹھا ہے ۱۲ کرنیل ٹیا کی کتاب مطبوعہ  
 ستمبر ۱۸۸۷ء۔

ہے کہ اس سے خواہ مخواہ دین و دنیا کی ترقی ہوتی ہے۔ اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے بگڑی ہوئی سلطنت سنبھل سکے۔ اسلام کی مرضہ اعلیٰ کا زمانہ گزر گیا جب حکومت جاتی رہی اور جفاکشی اور بوشیاری اور کفایت شعاری سے بھر کر نا پڑا ہے تو سخت پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اس باب میں جو ختم پر ہے میں صیح اور قبحہ و مسائل سے یہ ثابت کر دکھاتا ہوں کہ اکیلا قرآن ہی مسلمانوں کا ہادی نہیں بلکہ ایک نادرست ماہرین کی ٹیڑھیان بہر شخص اور جماعت کی گردن میں پڑی ہیں۔ اسلام محض ہے شریعت میں نہ انسان کی روح کو کوئی نئی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی نہ حقیقت کی نئی صورتیں اس سے پیدا ہو سکتی ہیں اور اسی سبب سے اسلام حقیقی زندگی اور پائدار قدرت کسی قوم کو نہیں دے سکتا ہے۔

مسئلہ بعد مرضہ اعلیٰ کے اب ہر جگہ مسلمان معرض زوال میں ہیں کیونکہ ان کے مذہب اور عقیدہ میں ایسا کوئی وصف نہیں جو انہیں غلامی کی حالت سے آگے بڑھنے دے ایسی حالت انسان کو فوت بہت گھٹا کرتا ہے جس کے مرتبہ میں رکھتی ہے برخلاف اسکے عیسائی ہر جگہ بد انتظامی اور زوال کو قیام کرتا ہے جس میں پراوسکا سایہ پڑتا ہے ترقی کے آثار دن بدن بڑھتے ہیں کیونکہ ان کے مذہب میں ایسی مخفی تاثیر ہے جو ہمیشہ نامعلوم طریقوں سے ترقی کے میدان میں قدم مار لے اور اس قدرت اور حکومت سے متصف ہونے کی تحریک دی ہے جو انجیل نے مسیحوں کے واسطے بنظر انعام کے تجویز کی ہے کامل مسلمان وہ ہے جو خدا کا فرمانبردار غلام ہو لیکن یہی کمال یہ ہے کہ مسیح کی مانند فرزند خدا ہو (رٹش کو اٹری نیسبر ۱۳)



# ضمیمہ باب اول

## در بیان اجتہاد

اجتہاد کو اسلام سے ایسا لازمی تعلق ہے کہ جو کچھ باب اول میں اوسکی بحث گذری ہے اوس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ عرف شرعی کے موافق بطور ضمیمہ کے علمیہ بحث لکھنی سنا۔ جانتا ہوں جو بحث کہ میں یہاں نقل کرتا ہوں چونکہ وہ ایک فاضل مسلمان کی ہے اس لیے بڑے اعتبار کے لائق ہے مینے اسے ایک آرٹیکل سے جو مرزا کاظم بیگ پروفیسر دارالتعلیم سینٹ پیٹریس برگ (ہیت السلطنت روس) نے طبع کرایا تھا بطور خلاصہ کے نقل کیا ہے۔ جو کچھ محمدی شریعت کی نسبت اور جو مذاہب اوس شریعت سے وضع کیے گئے ہیں اونکے غیر متغیر ہونے کی نسبت مینے لکھا ہے وہ بخوبی مرزا کی بحث سے ثابت ہے دیندار مسلمان جن باتوں کو دین کے اصول سمجھتے ہیں وہ یہ ہیں۔

اول خدا تعالیٰ نے کہ وہی شارع حقیقی ہے اپنے مقبول لوگوں کو ایک آسان راہ بتائی ہے اور اسلئے کہ لوگ اوس راہ پر چل سکیں وہ احکام بخشے ہیں جو ابدی و انلی قرآن میں موجود ہیں اور جو احادیث نبوی میں پائے جاتے ہیں جو کچھ لوگوں کو اصحاب سے پہنچی اور مجموعہ سنت میں منضبط ہیں اوس راہ کو شریعت اور اوسکے قاعد و نکو احکام کہتے ہیں۔

دوم قرآن و سنت کہ احکام شرع کا اخذ ہیں اوشے دو علم رکھتے ہیں ایک کو علم ظہیر جس سے قرآن کے معانی و مطالب معلوم ہوتے ہیں دوسرے کو علم حدیث کہتے ہیں جس سے پیغمبر کی باتیں معلوم ہوتی ہیں سوم۔ شریعت کے کل احکام مکلفوں کے دین و ایمان سے متعلق ہیں۔

۱۔ مکلف اسے کہتے ہیں جو باندہ شرع ہو غیر مکلف وہ ہے جو باندہ نبو جیسے صنوبر میں اور وہ باندہ

چہارم۔ جب طرح قرآن و سنت اصل مآخذ ہیں جس سے شرع کے احکام نکلیے ہیں اسی طرح جو قاعدے شرع کے خاص اصول قرار دیئے گئے ہیں وہ علم فقہ (شریعت کے علم کا) موضوع ہیں یعنی علم فقہ میں اصول شرع کی بحث ہوتی ہے۔

فقہ کے لغوی معنی جاننے اور سمجھنے کے ہیں جب محمد صاحب نے ابن مسعود کے بیٹے دعا کی تھی تو اس لفظ کو انھیں معنوں میں استعمال کیا تھا خذہ او سے قرآن کی تفسیر سمجھاؤ۔ (فقہ) اور بتاؤ۔ محمد صاحب منصف اور حاکم ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے تمام معاملات طے کیا کرتے تھے جسکے خلاف مراءفہ نہیں ہوتا تھا ان کے اقوال اصحاب کے واسطے بمنزلہ ہدایت کے تھے۔

نبی کی وفات کے بعد خلیفہ اول نے احادیث کے احکام پر عمل کیا اسی شمار میں دین و شرع کے خاص اصول قرآن و سنت میں رفتہ رفتہ اختلاف پڑا تب لوگوں نے فقہ ہو کر قرآن و حدیث کا حفظ کرنا اختیار کیا اور تب ہی سے شرع ایک جدا علم ہو گیا۔ اس وقت تک کوئی علم بہ ترتیب نہیں سکھایا جاتا تھا اور ابتدا و زمانہ کے مسلمانوں کے پاس کتابیں نہیں تھیں جو اس مطلب کے مفید ہوتیں مگر بہت جلد تغیر واقع ہوا جس سن میں ملک شام کے بڑے عالم فقہ نے وفات پائی (۱۰۰ ہجری) اسی سن میں انعام بن ثابت جبکا لقب ابو حنیفہ تھا پیدا ہوئے۔ علم فقہ کے بانیوں میں یہ نہایت مشہور شخص گذرے ہیں۔

اس علم کی تعلیم مسلمانوں میں اول مرتبہ کی ہوتی ہے۔ اس زمانہ تک اوتیس برس بعد تک مفسر اور محدث اور فقہ سب اپنے علوم کو بزربانو یاد کیا کرتے تھے اور جب کو خوب

۴ اوائل ہاوی کے پس تکلف کا حفظ اس سلمان کے واسطے موضوع ہوا جو احکام دین میں تکلیف اٹھاتا  
۵ یعنی انھیں بجا لاتا ہے۔

یاد ہوتا تھا اونکی بڑی قد کی بانی تھی انہیں میرے سارا قرآن مع تفسیر دن کے جوہی سے اور اونکے  
 اہحاب سے معلوم ہوئی تھیں حفظ کر لیتے تھے اور احادیث مع شرحوں کے اور تمام احکام  
 قرآن اور سنت کو بھی جانتے تھے۔ ایسے شخص مجتہدین کا منصب رکھتے تھے۔ یہ لوگ  
 اپنے شاگردوں کو زبانی تعلیم دیتے تھے۔ دوسری صدی ہجری کے قریب وسط تک علوم  
 شرعی کی کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں اس کے بعد چھ مذاہب بن گئے۔ اول مذاہب کے  
 بانی جو اول درجہ کے امام کہلاتے تھے یہ ہیں اول ابو حنیفہ امام اعظم (نہایت بڑے امام  
 شافعی ہجری میں سفیان السوری سلاسلہ ہجری میں مالک سلاسلہ ہجری میں شافعی سلاسلہ  
 میں جہل سلاسلہ ہجری میں امام داؤد الظہری سلاسلہ ہجری میں۔ دو مذہب جنکی بنا سوری  
 اور ظہری نے ڈالی تھی سلاسلہ ہجری میں جاتے رہے باقی چارہ اب تک موجود ہیں یہ سب امام  
 ایک دوسرے کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ چھوٹے بڑے کا نہایت تعظیم سے نام لیتے تھے  
 مثلاً امام شافعی نے کہا ہے کہ دنیا میں ابو حنیفہ کی مانند کوئی فقہ سے واقف نہ تھا اور میں نے  
 اونکی یا اونکے شاگردوں کی کتابیں نہیں پڑھی ہیں وہ علم فقہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ امام جہل  
 بیارہ ہوئے تو اونھوں نے شافعی کا جامہ اسلئے پہنا کہ بیماری جاتی رہے لیکن باوجود ان سب  
 باتوں کے سب نے اپنے اپنے نام کے مذہب جاری کئے کیونکہ جو لوگ فی الحقیقت مجتہدین  
 اونھیں اجتہاد کا منصب حاصل ہے اجتہاد میں طرح کا پوتا ہے۔

اول اجتہاد فی الشریع یعنی احکام شرعی میں اختیار رکھنا۔

دوم اجتہاد فی المذہب اول درجہ کے مجتہدین کے علم فقہ میں اختیار حاصل ہونا۔

سوم اجتہاد فی المسائل جن مسائل کا تصفیہ چاروں اماموں نے نہیں کیا اونھیں اپنے

اختیار سے نکالنا۔ پہلا اجتہاد کا مل اور مطلق ہے دوسرا من وجہ کمال اور من وجہ غیر کمال۔  
 تیسرا مخصوص اجتہاد ہے۔

## اجتہاد کا پہلا مرتبہ

اعتقادِ مطلق احکامِ شرع میں جسے خدا توفیق دے اور سکھاتا ہے اور جسے یہ نصب ہو اور جسے خدا کی شریعت کے دریافتِ مطالب میں دوسرے کی تقلید ضرور نہیں ہے وہ اپنی عقل و رائے سے جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہ منصب اولیٰ صدی کے لوگوں کو تھا اور دوسری اور تیسری صدی کے بعض لوگوں کو بھی خدا نے یہ مرتبہ دیا تھا۔ لیکن اصحابِ جنوبی سے نہایت قربت رکھتے تھے جنہے ان کے عین بعد کے لوگوں کو شرع کے احکام پہونچے تھے دوسری اور تیسری صدی کے لوگوں سے اعتبار و اختیار بہت زیادہ کھتے تھے مثلاً ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ جو کچھ اصحاب سے بلکہ پہونچا ہے وہ ہمارے سر اور آنکھوں پر ہے اور جو کچھ تابعین سے ملا ہے اس میں جیسے وے آدمی ویسی ہم بھی ہیں تابعین کے زمانہ سے صرف چھ بڑے اماموں کو منصبِ اجتہاد حاصل تھا اگرچہ قیاساً ہر مسلمان یہ مرتبہ حاصل کر سکتا ہے لیکن یہ بھی اصولِ مذہب سے ہے کہ حصولِ اس منصب کا بہت سی شرائط پر موقوف ہے اس سبب سے کوئی یہ مرتبہ نہیں پاسکتا ہے اور وہ شرائط ایہ ہیں۔

۱۔ قرآن کا علم اور جو کچھ اس کے متعلق ہے اس کا علم ہونی عربی زبان سے بخوبی واقف ہو کر قرآن کے احکام اور اس کی جزئیات اور تعلقات باہمی کو اور احکامِ سنت سے جو تعلقات ہوں ان میں خوب جانتا ہو۔

ایسے شخص کو یہ بھی جانتا چاہئے کہ کس وقت میں اور کس واسطے قرآن کی ہر آیت لکھی گئی تھی اور الفاظِ قرآن کے لفظی معنوں سے بخوبی واقف ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ یہ فقرہ عام ہے یا خاص مانع ہے یا منسوخ آیاتِ متشابہات کے معنی صاف جانتا ہو یعنی وہ مجازی اور عام و خاص میں فرق کر سکتا ہو۔

اور قرآن اور کمال احادیث اور ان کے مطالب اور ضرور خط ہوں۔

۳۔ علم احادیث میں پختہ ہو اور اقل مرتبہ ۳ ہزار حدیثیں خوب جانتا ہو۔

۴۔ پرہیزگار اور نفس کش ہو۔

۵۔ علم شرع سے خوب واقف ہو۔ جو کوئی اس زمانہ میں ایسے مرتبہ کا خواستگار ہو اس کے واسطے ایک شرط یہ بھی ہے کہ۔

۶۔ چاروں مذاہب سے آگاہ ہو۔ یہ ایسی مشکلات ہیں جن پر غالب آنا نہایت دشوار ہے

دوسری جانب علماء کی سخت شرائط ایسی ہیں کہ ان کی تعمیل امکان سے باہر ہے۔

پھر ایک وقت یہ ہے کہ علماء اپنے اماموں کے اجتماع پر ایسے گردیدہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا

پیدا بھی ہوتا کوئی اس کی مستانہ بین۔ امام حنبل نے کہا کہ جہاں سے اور امامان نے علم

پایا ہے تم بھی وہاں سے حاصل کرو اور دوسروں کی تقلید پر بعرواست رکھو کیونکہ یہ یقین

ازہا پین ہے۔ پس ہزار برس گزر گئے ہیں کہ اب تک کسی نے ان کے منصب میں

داخل نہیں دیا ہے اور اسی سبب سے علماء یہ سمجھتے ہیں کہ اماموں کے وقت سے

اب تک کوئی اول مرتبہ کا مجتہد نہیں ہوا ابن حنبل آخری امام تھے جو شخص اس مرتبہ کو

حاصل کرتا اس کے اختیارات بہت ہوتے تھے اسے دوسرے کی نگرانی لازم نہیں

تھی وہ شریعت کے اور اپنے مقلدون کے درمیان واسطہ ہوتا تھا۔ کیونکہ

منصب نہیں ہوتا تھا کہ اس کے اجتماعات پر اعتراض کر سکے اسے اپنی سمجھ کے موافق

قرآن اور سنت اور اجماع کے سمجھانے کا اختیار ہوتا تھا وہ نبی کے احکام پر عمل کرتا تھا

اور اس کے مقلد فقط اسی کی باتوں پر عمل کرتے تھے۔ اگر کوئی اپنے امام کے حکم میں قرآن

و حدیث سے کچھ فرق پاوے تو بھی اسے چارنا چار اور سب عمل کرنا چاہئے۔ شرع سے

اپنی عقل و سمجھ کے موافق منہی نکالنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی شخص ایک امام کے مذہب

میں داخل ہو گیا ہو تو اسے چھوڑ کر دوسرے مذہب میں نہیں جاسکتا ہے اسے یہ منصب نہیں رہتا کہ احکام شرع میں اپنی عقل کو دخل دے سکے کیونکہ اماموں کے اجتہاد یا مین بنجراول مرتبہ کے مجتہد کے اور کوئی بحث نہیں کر سکتا ہے اگرچہ قیاساً ممکن ہے کہ اب بھی کوئی مجتہد پیدا ہو لیکن جیسا کہ میں قبل ازین بتا چکا ہوں ایسا اہلک و قوع میں نہیں آیا۔

### اجتہاد کا دوسرا مرتبہ

یہ مرتبہ بڑے اماموں کے عین شاگردوں کو جنھوں نے اپنے اماموں کے مذہب پر بڑی جانفشانی کی ہو حاصل ہے اور جنھیں اپنے بمعصہ علماء کا اور اپنے اماموں کا لحاظ رہتا تھا اور امام بعض صورتوں میں اپنی رائے کے موافق عمل کرنے کی اجازت دیتے تھے اس قسم کے آدمیوں میں نہایت مشہور و شخص ابو حنیفہ کے شاگرد ابو یوسف اور محمد ابن الحسن گذرے ہیں دوسرے درجہ کے اجتہاد میں انکی رائے نہایت مؤثر ہے اور بڑی وقعت نصبتی ہے یہ امر بطور قاعدہ کے قرار پا گیا ہے کہ جس مسئلہ پر یہ دونوں متفق ہوئے خواہ وہ ابو حنیفہ کے خلاف ہو غرضی اسی پر عمل کرے گا +

### اجتہاد کا تیسرا مرتبہ

یہ بھی ایک مرتبہ خاص اجتہاد کا ہے۔ اس قسم کے مجتہد کو لازم ہے کہ چاروں مذاہب سے بخوبی واقف ہو اور عربی زبان میں منتہی ہو جو مسائل پیش آویں اور انکو ایسے لوگ بتا سکتے ہیں اور جو مسائل اگلے مجتہدوں نے طے نہیں کئے ہوں اور انکا تصفیہ نہیں کر سکتے ہیں لیکن دونوں صورتوں میں اول و دوم مرتبہ کے مجتہدوں کی رائوں سے اور ان اصول سے جو انھوں نے بتائے ہیں موافقت ضرور ہے اس قسم کے بعض آدمیوں نے اپنی

حیات میں شہرت پائی لیکن اکثر دن نے مرنے کے بعد یہ مرتبہ پایا۔ امام قاضی خان کے بعد جنھوں نے لافشہ ہجری میں وفات پائی سنہ ۱۰۰۰ کے نزدیک تیسری مرتبہ کا مجتہد بھی کوئی نہیں ہوا تین اور اونٹنی درجے فقہوں کے ہیں جنھیں مقلدین یعنی مجتہدوں کے پیرو کہتے ہیں لیکن اس درجہ والوں میں سب سے بڑا عالم جو کچھ کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ قدیم فقہ کی تصانیف میں جو پیچیدہ باتیں ہیں اونکی شرح کر سکتا ہے اور مطالب بیان کر سکتا ہے۔ بعض علماء اس درجہ کے علماء کو بھی تیسرے درجہ کے مجتہدوں میں سمجھتے ہیں اگر کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہو تو اس درجہ کے لوگ جس رائے کو بہتر جانیں اسی پر عمل کر سکتے ہیں۔ مجرد قاضی کو یہ اختیار بھی نہیں ہے ایسی صورتوں میں اونھیں اون لوگوں کا یا اونکی تصانیف کا حوالہ دینا چاہئے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بغیر اختراع کسی نئی بات کے مسائل شرعی پر شرحیں لکھی ہیں۔ ہر ایہ کا مصلحت جو اخیر چھٹی صدی میں گذرا ہے مقلد تھا پس مرزا کاظم بیگ نے ایسی ہی بیان کیا ہے کل درس جس سے خاص باتیں منے اخذ کر لی ہیں قابل اسکے ہے کہ بغور پڑھا جاوے۔ اس سے ثابت ہے کہ اسلام فی الجملہ ایسا طریق ہے کہ تجربہ کو جو تیسرے دقائق اور معارف کی طرف ہدایت کرتا ہے اوس میں مطلق دخل نہیں بلکہ پرانی لکیر پڑتی جاتی ہے اختلاف آب و ہوا اور مزاج اور واقعات کا کچھ اس طریق میں لحاظ نہیں ہوتا بلکہ یہ طریق مجرد دقائق کا مجموعہ ہے جسکے ایک شوشے اور نکتہ کا انکار بھی بغیر اسکے نہیں ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ کے واسطے مورد عتاب آئی ہو۔

(آسبرن کی کتاب دوبارہ اسلام بعد خلفاء ص ۷۷)

# باب دوم

## تفسیر و شرح قرآن و احادیث

مسلمانوں کی الیات کی یہ شاخ جسے اعطلاحاً علم اصول کہتے ہیں مقتضی اسکی ہے کہ اوسکے ساتھ طریق اسلام کے موافق الہام کی حقیقت بیان کیا دے اگرچہ فی الحقیقت علم اصول سے اس بیان کو چندان تعلق نہیں ہے۔ الہام کے اظہار مراتب کے واسطے دو لفظ وحی اور الہام استعمال ہیں۔ قرآن کے الہام کو وحی کہتے ہیں اور اوسکے معنی میں کہ لفظ بلفظ خدا کا کلام ہے۔ وحی دو طرح کی ہے ایک کو وحی ظاہر اور دوسری کو وحی باطن کہتے ہیں۔ جبریل بتانے والے اور محمد صاحب محض ایک ذریعہ تھے جسے وحی ظاہر انسان کو پہنچتی تھی۔ وحی قرآن جسے اعلیٰ مرتبہ کا الہام سمجھنا چاہئے جبریل ہمیشہ محمد صاحب کو عطا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے عقیدہ میں جبریل اسی خاص کام پر مامور تھے۔ مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے کہ ۱۲ دفعہ آدم پاس اور ۴۴ مرتبہ جنوں اور ۵۰ مرتبہ نوح پاس اور ۴۲ مرتبہ ابراہیم پاس اور ۴۴ سو مرتبہ موسیٰ کے پاس اور دس دفعہ مسیح کے پاس اور ۴ ہزار دفعہ محمد صاحب پاس جبریل آئے۔ الہام اوس کشف کو کہتے ہیں جو ولی اور نبی کو ہوتا ہے اور وہ اُسکے نفس مطلب کو موافق ہدایت حق کے اپنے محاورہ و زبان میں ادا کرتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جبریل کے سننے کے محض ایک کل ہو۔ وحی ظاہر کی ایک ادنیٰ قسم بھی ہے جسے اشارة الملک کہتے ہیں (اوسکے لفظی معنی ہیں فرشتہ کا اشارہ) جب محمد صاحب یہ کہتے تھے کہ روح القدس میرے دل میں داخل ہوئی ہے تو اس سے جو کچھ اونا کا مطلب ہوتا تھا وہ اس سے ظاہر ہے اسکا مطلب



یہ ہے کہ کبھی حیرت کی وساطت سے محض امام ہوتا تھا وحی کی طرح لفظ بلفظ نازل نہیں ہوتا تھا اس قسم کا امام وایون کے امام سے برتر ہے اور ہمیشہ احادیث کے امام کی نسبت اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ بزبان امام فرماتے تھے نہ زبان وحی انھیں اس سے انکار ہے مگر عمل اسی عقیدہ پر ہے کہ احادیث بھی وحی ہیں اسی سبب سے قرآن کی مثل مقبرین۔ شہر آستانی نے نبی کی اون آیات کا ذکر کیا ہے جن پر علامات وحی کے ہیں (دوبستان ص ۲۲۲) بعض مسلمان عالم کہتے ہیں کہ تیرپن سورہ جسے نجم کہتے ہیں اس قیاس کی مؤید ہے والنہم اذا ہوئی۔ ماضل صاحبکم وناوہی وایطلق عن الہوی۔ ان ہوا وادی یوحی۔

بہرین محمد صاحب کا امام بیچون کے امام سے بالکل مختلف ہے اور مسلمان اس کو نہایت ناقص قسم کا امام جانتے ہیں۔ یہ بات کہ امام جسطرح مستلزم جانب الہی کو ہے ایسی جانب انسان کو بھی ہے (اس کا تعلق دونوں سے ہے) محمد تو یکونہ صرف غیر معلوم ہے بلکہ بالکل اون کے مخالف ہے۔ قرآن خاص احکام کی کتاب ہے یہ نہیں ہے کہ ہدایت کے عام اصول بغیر قید احکام کے بتائے گئے ہوں اور موسیٰ کو جو امام ہوا تھا اس کا ذکر قرآن میں تھا کہ مجھے لکھا ہے اس کو اس طرح تختوں کے ہر چیز سے نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل پس پلا اس کو قوت کے ساتھ اور اپنی قوم کو حکم کریں کہ اس کے بہتر کے ساتھ عمل کریں سورہ اعراف ۱۱۲)

یہ اسی قسم کا امام ہے جس کا دعویٰ قرآن کو اپنی نسبت ہے۔ محمد صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ تمام نبی آدم کے جتنے معاملات ہیں اون سب کے واسطے ہدایات کا مکمل و آخری مجموعہ ہونا چاہئے۔ قرآن خدا کے نبی کا کلام نہیں وہ عین خدا کا کلام ہے اور خدا ہی سے بھلا ہے اور ہر جگہ کے شروع میں لفظ قال یا قولہ قولے کا مقدر

ماتے ہیں۔ یہ مسلمان کے نزدیک اعلیٰ قسم الہام کی ہے اور فقط یہی کتاب کے الہامی ہونے کی بڑی پہچان ہے۔ مسلمان اسکو مانتے ہیں کہ انجیل عیسیٰ نے دی تھی لیکن چونکہ اونکے عقیدہ میں اسے بھی ماہ رمضان میں جبریل آسمان سے لائے تھے اسی سبب سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ گم ہو گئی ہے اور عہد جدید کی چاروں انجیلیں جو فی زمانہ مروج ہیں صرف روایات میں جنہیں ان مصنفوں نے جمع کیا ہے جنکے نام سے موسوم ہیں اسواسے وقعت میں احادیث کے برابر ہیں۔

دوسری بحث اس باب میں یہ ہے کہ جبریل کس طور سے محمد صاحب کے پیاس پام لاتے تھے الہیات کی کتاب درج النبوة میں اس امر کی کچھ تفصیل ہے (ص ۵۰-۵۱) اگرچہ کل قرآن معاً و افطاً خدا کا کلام ہے لیکن کل قرآن نبی کو ایک ہی طریق سے نہیں معلوم ہوا تھا۔ ان طریقوں میں سے چند کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ محمد صاحب کی بی بی عائشہ سے روایت ہے کہ نبی پر روشنی نور صبح کی مانند احاطہ کرتی تھی بعض مفسروں کے نزدیک یہ روشنی چھ ماہ تک رہی کسی پوشیدہ طور پر اسی روشنی یا نور سے جبریل نے آپ کو خدا کے ارادہ سے مطلع کیا۔

۲۔ محمد صاحب کے اصحاب میں سے ایک صحابی دہیبہ جو خواصورتی اور وجاہت میں مشہور تھے اونکی صورت پر جبریل ظاہر ہوتے تھے۔ اس باب میں عالمانہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ جب جبریل دہیبہ کی پیکر جسمانی اختیار کرنے تھے تو اونکی روح کہاں رہتی تھی بعض اوقات جبریل کی ملکی ذات محمد صاحب پر غلبہ کرتی تھی جو اسوقت ملائکہ کے جہان میں منتقل ہو جاتی تھی۔ یہ اسوقت واقع ہوتا تھا جب خبر ہوتی تھی۔ جیسے وعید یا عذاب کی پیش خبریاں اور جب کبھی جبریل خوشی کا پیغام لاتے تھے نبی کی انسانی ذات و شخصہ کی ذات ملکی پر غلبہ کرتی تھی اور وہ فرشتہ ایسے وقت میں انسان کی شکل میں ہو کر پیغام لاتا تھا

۳۔ کبھی نبی کو ایسی آواز آتی تھی جیسے گھنٹہ بجتا ہے اور اس آواز کا مطلب فقط آپ ہی کو معلوم ہوتا تھا اور جو بائین جبریل بتانی چاہتے تھے آپ اسے آواز سے پہچان لیتے تھے اسطوری وحی کا اثر اور طو کی وحی سے نہایت عجیب تھا۔ جو وقت آواز کان میں پڑتی تھی تو آپ کا سارا بدن کانپنے لگتا تھا اور نہایت سرسری کے دن بھی آپ کے چہرہ پر پسینہ کے قطرے موتی کے دانوں کی طرح نظر آتے تھے اور آپ کے نوزانی چہرہ کا رنگ متغیر ہو کر زرد پڑ جاتا تھا اور جب سر نیچے ڈال دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ پر سخت تکلیف ہے اگر اس وقت اونٹ پیو رہوتے تھے تو وہ بیٹھ جاتا تھا ایک روز نبی زبیر کی گود میں سر رکھے تھے کہ وہی آواز کان میں پڑی۔ زبیر نے بھی جانا کہ آپ پر کچھ حادثہ واقع ہوا ہے کیونکہ آپ کا سر اس قدر بھائی ہو گیا تھا کہ زبیر بمشکل اس بوجھ کے تحمل ہو سکتے تھے۔

۴۔ معراج کے وقت خدا نے نبی سے بغیر وساطت فرشتہ کے کلام کیا اور اس پر بحث ہے کہ آیا اپنے خدا کا چہرہ دیکھا یا نہیں۔

۵۔ کبھی خدا ایتھالے نبی کو وہ اب میں نظر آتا تھا اور انکے کاندھوں پر ہاتھ رکھکے اپنے ارادہ سے مطلع کرتا تھا۔

۶۔ دو مرتبہ فرشتے جبکہ چھ چھ سو بازو تھے ظاہر ہوئے اور خدا کی طرف سے پیام لائے۔

۷۔ جبریل بغیر انسانی صورت اختیار کرنے کے نبی کے دل پر ایسا اثر پہنچاتے تھے کہ جو کچھ وہ اس وقت کہتے تھے وہ خدا کا کلام ہوتا تھا۔ اسے اصطلاحاً القاء کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک احادیث اسی قسم کے الہام کے متعلق ہیں ان سب صورتوں میں خطا و غلطی سے محفوظ رہتے تھے اگر اتفاق سے کسی وحی کا مطلب نہیں سمجھتے تو دوسری اونکے سمجھانے کو نازل ہوتی تھی۔ یہ خیال اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تائید

کئی دفعہ محمد صاحب کو تبدیل احکام کی ضرورت معلوم ہوئی اس واسطے بعض آیات کو منسوخ  
 کرنا پڑا پس محمد صاحب کو طرح طرح پر الہام ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اول اس پر کچھ شبہ ہوا  
 صفحہ ۳۰۔ اس اندیشہ سے کہ مبادا آخر کو موجب تسخیر ہو۔ جب برہنہ گذر گئیں تو اپنی ذات پر  
 اور اپنی رسالت پر اعتماد ہو گیا۔ محمد صاحب کے کلام میں جہان کہ آسمان و زمین اور خدا و  
 انسان کی قسمیں میں خوشی کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن آپ کے اکثر رد یا خوفناک ڈرائیو  
 ہوتے تھے ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ اونٹ کی مانند آواز دیتے تھے اور بہت قریب  
 کے گھنٹوں کی سی آواز آپ کے جگر کے ٹکڑے کر دیتی تھی کوئی عجیب قوت اور اثر کرتی تھی  
 اور اس وقت کی وحشت اختیار سے باہر ہوتی تھی بیس برس یا کچھ زیادہ وحی و الہام  
 نازل ہوتا رہا جس سے دین و دنیا کی باتوں میں آپ کو خدا کی طرف سے ہدایت ہوتی تھی  
 دین کی باتوں میں اس سبب سے کہ تمام آدمیوں کے ہادی تھے اور دنیا کے معاملات میں  
 اس سبب سے کہ آپ بادشاہ اور خاص سپہ سالار اور تمام اقوام عرب میں ملکی اتفاق  
 کی بنیاد ڈالنے والی تحو محمدی طالب علم جب علم صرف و نحو و بیان اور منطق اور فقہ سے  
 فراغت پا چکے تو اسے اصول یعنی وہ علم جس سے قرآن و حدیث کے مطالب معلوم  
 ہوتے ہیں پڑھنے کی اجازت دیجاتی ہے اور اس سے فارغ ہو کر قرآن کی کوئی عمدہ تفسیر  
 پڑھتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ قدامد اسلام نے کیا کیا ہے۔ اس علم سے طالب علم کو تفسیر  
 کرنے کی لیاقت ہو جاتی ہے کیونکہ اس زمانہ کے دیندار مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ قرآن  
 سے نئی اور نپرائی باتیں نکالے بلکہ نپرائی باتیں جو اوپر سے چلی آتی ہیں وہی لوگوں کو پہنچا دے  
 جامع اسلام میں یہ بات نہیں کئی سنی زمانہ بزمانہ نکالتے جاوے۔ الہیات میں وہ  
 شخص بڑا کامل ہے جسے قرآن بزربان یاد ہوا اور جو کچھ قدیم مفسرون نے کہا ہے اسے  
 جانتا ہو۔ اور جب چاہے بیان کر سکے اور احادیث نبوی جو تابعین اور تبع تابعین

سے پہنچی ہیں خوب یاد ہوں یہاں تک کہ اولٹ کے بڑھتا چلا جاوے اگر کوئی ایسی حد بیان کرے کہ اسکی اسناد یعنی سلسلہ راویوں میں نقص و عیب ہو تو اسے فوق کتاب و اور جو حدیث آپ بیان کرتا ہو اسکی سند اسامہ راویوں کی طویل فہرست پڑھ کر ہو چاؤے مسلمانوں کی الیات میں نکتہ چینی کی تحقیق کوئی کمال نہیں بلکہ بڑا کمال اچھا حافظہ ہے۔ حافظ جسے سارا قرآن بر زبان یاد ہوا اسکا خاص وصف یہی ہے کہ ہر لفظ بصیغہ تام و مجرد پڑھ سکے۔ جلوگ عرب میں نہیں پیدا ہوئے ہیں اور جن میں یہ بات جب اکابرین سے برسوں محنت کرتے ہیں تو حاصل ہو جاتی ہے۔ سنی کہتے ہیں کہ کوئی شیعوں کبھی حافظ نہیں ہوتا اور اس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ شیعوں میں آغاز اسلام میں قرآن کی صحیح قرات کی طبری سند خلیفہ ابو بکر و عمر و عثمان اور علی تھے۔ اور دس اور اصحاب تھے۔ جنھوں نے اسکی قرات خاص نبی سے اسی طریق پر جو جبریل نے بتایا تھا سیکھی تھی۔ اہل اسلام کی غری بہشت کی زبان ہے مگر باوجود کوشش بلغہ کوفرات ایک حال پر نہیں رہی۔ اور ملکوں کے آدمی مکہ کا صحیح تلفظ حاصل نہیں کر سکے تا آنکہ سات قرآن مرقع ہو گئیں۔ اسوقت طبری شکل کشیں آئی تھی گزاسان ہو گئی۔ ابواہن کعب ایک صحابی ایسے مشہور قاری تھے کہ نبی نے خود کہا کہ قرآن کو ابواہن کعب کے موافق پڑھو۔ تو گو کہ ابواہن کعب کا یہ کہنا یاد تھا کہ الیٰک رسد میں اگر کوئی شخص قرآن کو مختلف طور سے پڑھنے لگا۔ جب وہ جالیا تو لوگوں نے اسکا چرچا کیا۔ کعب نے محمد صاحب سے اسکا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ اے ابواہن کعب مجھے خبر ہو چکی تھی کہ قرآن ایک ہی قرات میں پڑھا جاوے جب میں نے دوبارہ جناب باری میں عرض کی قرآن کا پڑھنا میری امت پر آسان کروئے تو یہ ولایت ہوئی اچھا قرآن تو ان میں پڑھو۔ پر میں نے جناب باری میں یہی عرض کی قرآن کی قرات میری امت پر آسان کرو۔ جو تیسری دفعہ حکم ہوا کہ سات قرات تو ان میں قرآن

پڑھو۔ اس سے سب مشکل آسان ہوگی اور ازراہ پیش منی جو اختلاف قرات پر خدا  
 کی جائز اسطرح حاصل کرنے سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ پر اس مفسد کی وحی الٰہی تھی  
 پس ہفت قرات مروجہ کی ہی ابتدا تھی خلیفہ عثمان کے حکم سے جو قرآن مرتب ہوا تھا  
 اوسین اعراب (زیر و بر پیش وغیرہ نہ تھے لیکن جب غیر ملکین کے لوگ اسلام لائے  
 تو اوصہبن عربی کی تحصیل بڑی دشوار ہوئی تب خالد بن احمد بڑے صوفی نے مختلف  
 اعراب اور علامات ممبرہ ایسا دیکھیں۔ سات مشہور قاری جن کے نام ساتون قرات مختلف  
 کے ساتھ آتے ہیں یہ ہیں۔ امام نفی مدنی۔ امام ابن قسیر مکی۔ امام ابو عمر بصری۔  
 امام حمزہ کوفی۔ امام ابن عامر شامی۔ امام عاصم کوفی۔ امام کسائی کوفی اضواء القرآن۔  
 ص ۱۱۱۔ ان عالمان نے اکثر مقامات قرآن میں مختلف اعراب لکھائے جس سے مومن  
 میں جزوی فوق پڑ گیا۔ ہندوستان میں شیعہ اور سنی دونوں امام عاصم کی قرات پر  
 پڑھتے ہیں۔ تین اور غیر معروف قراتیں ہیں کہ اکیلے میں ان کے موافق پڑھنا جائز ہے۔  
 لیکن جماعت میں درست نہیں۔ ماہ رمضان میں ہر شب کو مسجد وں میں قرآن شایع  
 ہے اور کل قرآن کے تیس پارہ کئے ہیں اگر ایک پارہ روزیہ تو کل قرآن ماہ رمضان میں  
 ختم ہو جاتا ہے۔ امام سجد یا قاری جس قرات پر شروع کرے اسی پر رمضان بھر پڑھے  
 چونکہ فیروز بھی بڑھنا پڑتا ہے اس واسطے بڑی یاد چاہئے۔ اچھا حافظ ساتون قراتیں جانتا  
 ہے۔ یہ مختلف قراتیں جو اسطرح پیدا ہوئی ہیں اگرچہ ضرور نہیں تھیں تاہم اعدا دین ہائے  
 ہیں چنانچہ چند لوگوں سے سند بخوبی ملتی ہیں۔ دوسری سورۃ یعنی بقرہ میں ابو عمر اسطرح  
 پڑھتے ہیں تم نہیں پوچھے جاؤ گے اوس کام کی بابت جو آدھون نے کیا ہے۔ عاصم  
 پڑھتے ہیں جو تم نے کیا ہے۔ یہ اختلاف اس سبب سے پیدا ہوا ہے کہ جو نقطہ نیچے تھے  
 وہ اوپر لگا دیئے ہیں یعنی ابو عمر ضمیر غائب کی اور عاصم مخاطب کی ضمیر پڑھتے ہیں پھر

سورۃ ۳۹-۴۰ میں عاصم کے نزدیک دوزخ کے دروازوں میں تم داخل ہو گے اور نفی کے نزدیک دوزخ میں تم داخل کئے جاؤ گے یعنی ایک معروف اور دوسرا مجہول پڑتا ہے تھوڑے سے فرق سے معروف مجہول ہو گیا ہے۔ باقی اور اختلافات کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے کسی مسئلہ پر جہاں تک کہ میں جانتا ہوں دست اندازی نہیں کی گئی ہے لیکن جب طور سے کہ حدیث میں نبی کی اس پیش بندی کا ذکر ہے وہ البتہ مسلمان طالب علم کو تعلیم دہ ہے۔ سات مشہور قاری جنک نام اور پندرہ چابولوں اور نئے مقلدون میں کبھی تحت جھگڑے ہوئے ہیں۔ ۲۳۵ ہجری میں ابن شبنہ و ساکن بغداد نے قرآن کی قراءتوں میں اختلاف ڈالنا چاہا۔ بغداد کے لوگ بہت غضبناک ہوئے اور خلیفہ نے مجبوری اور سے قید میں ڈال دیا جامعہ علماء فراہم ہوئے اور ابن شبنہ وادنیہ روبرو حاضر کیا گیا۔ کچھ عرصہ تک اپنی قراءت کی صحت پر اصرار کرتا رہا لیکن بعد کو جب سات مرتبہ چابک لگائے گئے تو اعتراف کیا کہ میں اپنے طور پر پڑھنا چھوڑ دوں گا اور آئندہ کو سبزاؤں میں طریق کے جو خلیفہ عثمان کی نقل سے اخذ کیا ہے اور جسے ب تسلیم کرتے ہیں اور کسی پیروی نہیں کروں گا (ابن خلیقان کی لغات الاحوال جلد ۲ ص ۱۷۱) اسی مضمون کے متعلق علم صرف و نحو کے مشروع ہونے کا بیان ہے صرف و نحو کا پڑھنا اور احادیث کا جمع کرنا و سقوط سے لازمی ہو گیا ہے۔ مومنوں کو شہادت تک جواز استعمال قواعد صرف و نحو میں نسبت قرآن مجید کے مشبہ رہا نہ قرآن میں کوئی حکم و سبکی نسبت تھا نہ نبی نے اس مقدمہ میں کچھ ہدایت کی تھی اس واسطے داخل نہ فرض تھا نہ سنت۔ مگر حدیثوں ہی سے یہ مشکل بھی حل ہو جاتی ہے۔ بغداد کے ممتاز خلیفہ المامون کے عہد میں ایک بڑا نحوی القراء نامی رہتا تھا خلیفہ مذکور اس کا سرپرست تھا۔ اس کے ایک شاگرد ابو عباس ثعلب نے مرتے وقت یہ کہا کہ

”مفسران اور محدثوں نے اور اور عالموں نے اپنی اپنی محنتوں کے ثمرے پائے۔  
 لیکن میں صرف بخوبی ہوں اور بخوبی جہت ایسا علم ہے کہ ہنوز قرآن کے ساتھ اس کے  
 جوازیں مشبہ ہے۔ جس دوست کے روبرو اس نے یہ باتیں کی تھیں وہ اپنے گھر  
 چلا گیا اسی رات عالم خواب میں یہ رویا دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسے  
 شخص ابوعباس ثعلب کو میرا سلام پہنچا اور کہہ کہ تو صاحب بہت بڑے علم کا  
 ہے جب سے نبی نے یہ فرمایا او وقت سے تحصیل صرف و نحو اسلام میں جائز  
 ہو گئی اور اب سلمان قرآن کا طرز عبارت نہایت کامل بتاتے ہیں اور یہ یاد رکھنا چاہیے  
 کہ قاعدے قرآن کے واسطے بنے تھے پھر اسکی عبارت حال کے صرف و نحو کے  
 بموجب کیونکہ کامل نہ ہوئی۔ قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کی بحث بلکہ علم اصول کی ضروری  
 شلخ ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ قرآن کو حیرت انگیز شہت سے جیسی حاجت ہوتی تھی پارہ  
 پارہ لاتے تھے نبی پر لوگ یہ اعتراض کرتے تھے کہ ایک ہی مرتبہ میں کل قرآن کیوں  
 نہیں آیا اس کے جواب میں یہ آیت اور ترمی اور کیا اون لوگوں نے جو کانٹے ہوئے کیا  
 نہ اوتا کر گیا قرآن اکٹھا اس کے اوپر ایک بار اسی طرح اوتا کر اپنے ناکہ ثابت کرین تیرے  
 دل کو اور تجھ پر تم کو طے بھاہنے اور سلو تم کو طے بھاہنا۔ سورہ فرقان ۲۵۔ آیت ۳۷ پس  
 جو وحی کہ اس طرح دیکھی تھی محض وہی سلو تھی جس طرح نبی کو اگر سنا جاتے تھے۔ ” پھر

سہ اگر ہم قرآن کو علم معانی کے قاعدوں سے جس طرح کہ مسلمانوں کے بیان تعلیم ہوتی ہے آزادین  
 تو ہلکے بھوری یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کامل ہے۔ یہ ایک لازمی نتیجہ اسکا ہے کہ  
 علم معانی کے اصول بھی مسلمانوں نے اسی قرآن سے نکالے ہیں (میرن ایم ڈی سلین کے دیباچہ  
 ابن خلدون کی اسماء الرجال پر)



نہی وہ بزرگ قرآن سے لوح محفوظ پر لکھا ہوا "سورہ بروج ۵ آیت ۲۲۔ بہر تقدیر ہم  
 او سکوتر تھیں ہیں بہار۔ بے پڑھے کی سپر ہی کر سہ رکھ قیا۔ ۵۵۔ آیت ۱۸ اظہار  
 جس طور سے قرآن اوترا تھا اوسکا ذکر آیت ۲۔ سورہ ۲۰ طہ میں ہے اِنے تبت و ما اولاد  
 قرآن عربی قرآن۔ ہے پارہ پیرہ اور ترنا اعترا اخر اور بشرط ان سے نالی نہ تھا بعض  
 آیات بعض کے مخاف تھیں بعض آیات کا مطلب نہیں آتا تھا۔ جس کی لو کا  
 مطلب معلوم تھا وہ اور انہوں نے اپنے اسی باب کو بتا دیا تھا جنکی طہ اس طرح اشارہ  
 ہے اور تیری طرف اوترا رہے نہ کر گوا کہ تو بیان کر۔ ے لوگوں کی واسطے وہ یہ ہوا ہی گئی

۱۱ بہت سی حدیثیں اس باب میں آئی ہیں عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ تین باتوں میں میری رو رو گئی  
 مجھے وفات کی ایک یہ کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر ہم تمام ابراہیم پر نماز پڑھتے تو ہتر ہوتا۔ اور سچا  
 نازل ہوئی کہ اچھا نماز دے واسطے تمام ابراہیم لو۔ دوسری بار عرض کی کہ یا رسول اللہ ایک بستر کے کنگ  
 آپ کے مکان میں آتے ہیں اور مجھے پسند نہیں اس واسطے اگر آپ اپنی عورت کو پرہیز کیا واسطے علم میں تو  
 بستر پر آنحضرت کی کل ازواج آپ کے شہدینے کے قصہ پر تفریق تھیں اور آپ نے عہد کیا تھا کہ بھری  
 نہ پیو گا سپرین نے نبی کی ازواج سے کہا کہ اگر آنحضرت تمہیں طلاق دیدیں تو خدا اور انہیں اسکا بستر  
 بدل دے گا۔ چنانچہ اس مضمون کی وحی نازل ہوئی۔

عالم فرماتی ہیں کہ میں اول عورتوں کی نسبت سوچ رہی تھی جو آپ کو نبی کے واسطے وقف کر چکی تھیں  
 اور کہہ رہی تھیں کہ عورت کیونکر آپ کو وقف کر سکتی ہے سپر وحی نازل ہوئی کہ جنکے پاس جانے کو تیرا  
 دل نہ چاہے اونکے پاس مت جا جسکے ساتھ تیرا دل چاہے ہم بستر مو اور جنکے پاس جانے میں تو غفلت  
 کی تھی اونہیں سے جس کیلئے ساتھ تیرا دل چاہے ہم بستر مو۔ اس سے کچھ تجھ پر مواخذہ نہیں۔ سورہ ۲۳۔ ۵۱  
 میں نے کہ کہیں ایسی کوئی بات نہیں دیکھا جس میں خدا آپ کو راضی نہ کرنا ہو جو آپ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے۔

سچہ او کی طرف سے (سورہ نحل ۱۶ و ۱۷) ابن خلدون کہتے ہیں کہ نبی نے مطالب کھول دیئے اور  
 میان فرق آیات ناسخ و منسوخ کا کیا۔ پھر یہ علم اونسے اصحاب کو پوچھا۔ پس نبی کی زبان سے  
 انھوں نے آیات سے معافی سمجھے اور حالات پر مطلع ہوئے جسے ہر قسم وحی کا فرق  
 معلوم ہو گیا (ابن خلدون کی کتاب جلد ۱ صفحہ ۴۵۹) پس اصحاب اس طرح تعلیم پا کر  
 علی طالب قرآن پر آمکا ہو گئے۔ انھوں نے یہ علم اپنی زبان سے تابعین کو پوچھا یا  
 اور پھر اوسے تابعین کو پوچھا اسکے بعد جب قرآن کا باب رہا تو مفسر اقول  
 اصحاب کو یہ بینہ بسینہ پوچھتے تھے جمع کر کے قلب بد کرتے گئے۔ وہ نہ قرآن کی آیات  
 پر نہ کتبہ چینی کر سکتے تھے نہ صحابہ کی تفسیر پر اعتراض کے مجاز تھے کیونکہ قرآن خدا کا  
 کلام تھا اور اولیٰ کیا مجال تھی کہ اعتراض کرتے اور صحابہ کی تفسیر کا قبول کرتے بھی  
 لازم تھا۔ اگر صرف سند متصل سے معلوم ہو جاوے۔ کہ انھوں نے یہ تفسیر نہیں کی بلکہ  
 تفسیر کے اسلام کے آغاز ہی سے چھین اور منقطع ہو چکے تھے۔ اب ہر لفظ اور ہر جملہ کی  
 حیثیت اور وقعت معین ہو گئی تھی۔ مفسر کا کام خدا ہی ہے کہ جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے  
 اوسیکو بیان کرے کوئی معنی (نبی طوف سے نہ لگا دے۔ اگر چہ اور معنی کی تائید میں  
 کوئی حدیث (جو لوگوں کی یاد سے جاتی رہی ہو) کیونکہ انہوں نے لکھی را لکھ یہ بہت مشکل کام  
 ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تفسیر میں اور ان جو بیوں سے عشاء میں جو  
 سیحی مفسرین کی کتابوں میں ہوتی ہیں یعنی عیسائیوں کی تفسیر میں کی نہیں باتیں اور  
 خیال ہوتے ہیں قرآن کی تفسیر کا کمال صرف یہی ہے کہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے وہی ہو  
 پڑانے خیالات میں فرق نہ پڑے ورنہ حالیکہ دنیا میں زمانہ زمانہ انقلاب ہو۔

اور خیالات کی حدود و وسعت پاویں۔

پر وہ نوشتہ ایسا بے حس و حرکت رہے۔

جیسے مردہ آدمی کا ہاتھ ہوتا ہے۔

جن الفاظ اصطلاح کا جاننا علم کو ضرور ہے اور جن تعریفات کا سمجھنا اس سے لازم ہے وہ وہی ہیں جسے حقیقت الفاظ اور جملوں کی اور استعمال الفاظ قرآنی کا اور طریقہ استخراج دلائل کا آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے۔

اول قرآن کے الفاظ چار قسموں پر منقسم ہیں

۱۔ خاص اور یہ بھی تین طرح پر ہے۔ اول وہ الفاظ جو دلالت کرتے ہیں کل جس پر جسے

انسان۔ دوسرے وہ الفاظ جو نوع پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے مرد کہ مقابلہ عورت کے ہے

تیسرے وہ الفاظ جو دلالت کرتے ہیں جُزئی حقیقی پر۔ جیسے زندہ کہ نام ہے خاص مرد کا

۲۔ عام وہ الفاظ ہیں جو دلالت کرتے ہیں بہت سے افراد پر۔ جیسے لوگ قوم۔ گروہ

۳۔ مشترک۔ وہ الفاظ ہیں جو متعدد معنی رکھتے ہوں۔ جیسے لفظ عین کہ بمعنی آنکھ اور

چشمہ اور سورج کے ہے۔ دوسرے لفظ صلوات کہ اگر خدا کی طرف ہو تو رحمت کے

معنی ہو۔ تیسرے جیسے صلوات اللہ کہ بمعنی خدا کی رحمت کے ہے۔ اگر انسان کی طرف سے ہو

تو بمعنی نماز (یعنی عبادت جو جماعت کے ساتھ ہوتی ہے) یا بمعنی دعا کے کہ یہ بھی ایک قسم

کی عبادت ہے مثلاً صلوات الاستغناء (خشک سالی کی نماز) دعا ہے نہ نماز۔

۴۔ ماقول۔ وہ الفاظ ہیں جو متعدد معنی رکھتے ہوں مگر وہ سب بمعنی ایک ہی موقع پر

درست ہو سکتے ہیں۔ اس سبب سے خاص شرح کی ضرورت ہے۔ مثلاً سورہ

کوثر ۱۰۸ آیت ۴ مہمیل صاحب کے ترجمہ قرآن میں ہے۔ پس نماز پڑھ واسطے پروردگار

اپنے کے اور قربانی کر عربی لفظ جسکے معنی متعدد ہیں یہاں پر اسکا ترجمہ قربانی کرنا کیا ہے۔

بڑے فقیہ ابوحنیفہ کے پیرو اسکے معنی قربانی کرنے کے لیتے ہیں۔ اور امام شافعی کے

مقلد کہتے ہیں کہ اس کے معنی نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کے ہیں۔ اس سے مشترک

اور تاویل کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ مشترک میں متعدد معنوں سے فقط وہی ایک معنی لے سکتے ہیں جو ادھجکے سپان ہوں۔ اور ما دل میں دونوں معنی لے سکتے ہیں اور وہ دونوں درست اور جائز ہوتے ہیں۔

جب طالب علم کو الفاظ کی تقسیم خوب معلوم ہو جاوے اور کوئی لفظ قرآن کا ہو اس کے پہچاننے کی دستاورد حاصل ہو جاوے تو تمہوں کے اقسام سیکھتا ہے اور عملی دوطرہ کے ہوتے ہیں۔ تجلی اور خفی۔ اس تقسیم کا اشارہ قرآن میں سورہ عمران آیت ۷۷ میں ہے۔ یہی ہے جسے اوتاری میرے ادب پر کتاب بعض اس کی آیتیں مگر میں نے یعنی ظاہر معنوں کے ہیں (وہ کتاب کی خبر یعنی مان میں) اور۔ اور میں پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی اوس چیز کی کرتے ہیں جو مشبہ الہی ہے اوس میں سے گمراہی چاہنے کے واسطے اور اوس کی تاویل چاہنے کی واسطے لیکن اس کی تاویل (حقیقت) سوا اس خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اوس کے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اسی سے کل کتاب کے مقبول کو حقیقی اور مجازی دوطرہ پر تقسیم کیا ہے۔ اسلئے کہ دونوں قسموں کو بصحت سمجھانے کے مفت کو لازم ہے کہ (۱) یہ جاننے کے سبب سے (۲) کس مقام پر (۳) کس وقت میں وہ آیت جسکی شرح کر رہا ہے نازل ہوئی تھی۔ اور یہ بھی جانتا ضرور ہے کہ آ یہ ناسخ یا منسوخ ہے۔ مناسب ترتیب و مقام پر سن یا نہیں۔ اسلئے فی اوس سے۔

۱۰ خدا نے نبی کو ادب کی صحابہ کو یہ تاویل بتائی اس واسطے تمام سنینوں کا عقیدہ اوس کے موافق ہو جائے پس قرآن کے معانی جو محمد صاحب نے بتائے تھے انھیں کی پیروی سنینوں میں تھی اس واسطے کسی دوسرے کے اجتہاد کے واسطے نگہداشت ہے نہ ضرورت ہے۔

ظاہرین یا نہین یا عبارت مافوق و مابعد سے معنی نکالنے کی حاجت ہے۔ تمام احادیث جو اس مضمون پر شہادت دیتی ہیں اور ہر ایسی حدیث کی سند جانتا ہوں۔ ان معانی اور قیود سے مفسر کا صحیح اطلاق اصحاب پر ہو سکتا ہے۔ اور اسی سے یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت سے مفسر خشک سوائے ان کے زمین بیان کرے انہی عقل سے کچھ نہیں جانتے ہیں۔ خیر اس خارج بحث کو چھوڑ کر اصل مطلب پر پھر آتے ہیں۔ حملے یا ظاہر ہوتے ہیں یا غفی۔ ظاہر بھی چار طرح ہیں۔

(۱) ظاہر وہ جملہ ہے جسکے معنی سننے والا سنتے ہی چنان لے زیادہ استفسار کی ضرورت نہ رہے۔ اس قسم کی کلام تین امکان نسبت و تغیر کا ہوتا ہے۔ لیکن جب تک منسوخ نہ ہوں اس پر عمل کرنا خدا کے صریح حکم کے موافق تصور کیا جاتا ہے۔ تغذیر کے تمام احکام و آئین جنہیں تغیر و نسخ جائز ہو مثلاً آخریات کرنا بجائے روزہ رکھنے کے اسی پر جو کلام ظاہر کے نہایت صلف صورت پر محمول ہونی چاہئیں۔

(۲) نص عموماً قرآن کی آیت کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں نص اس جملہ کو کہتے ہیں کہ اس میں کوئی ایسا لفظ واقع ہو جس سے اس کا مطلب خوب کھل جاوے ذیل کی عبارت سے ظاہر اور نص دونوں کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ نکاح میں لاؤ ایسی عورتیں جیسی تم چاہو۔ دو دو یا تین تین یا چار چار یہ کلام ظاہر اس سبب سے ہے کہ علانیہ جواز نکاح کی خبر ہے اور نص اس سبب سے ہے کہ الفاظ۔

ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ جو اس عبارت میں آئے ہیں یہ دلالت کرتے ہیں کہ چار سے زیادہ جو روان رکھنی جائز نہیں ہے۔

(۳) مفسر وہ کلام ہے جو محتاج کسی ایسے کلمہ کا ہو کہ اس کی تفسیر کرے اور صاف معنی تباوے ”سب ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے“ (شیطان) بیان پر

سوائے اہلس کے یہ معنی ہیں کہ اسے سجدہ نہیں کیا اس قسم کے جملہ میں تصرف ہو سکتا ہے۔

(۴۱) محکم (یعنی ظاہر مضمون کا) وہ کلام ہے جسکے مضمون میں کچھ مشبہ نہ ہو اور نہ اس میں کچھ تغیر و تصرف ہو سکے مثلاً ”خدا سب باتیں جانتا ہے“ اس قسم کے جملوں میں تغیر نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے کلام پر بغیر ارض حقیقی مضمون کے عمل کرنا اتباع حکم الہی کا لالچ ہے۔ جب دو جملوں میں صریح تناقض ہو تو اس وقت فرق دیکھا جاتا ہے اور پہلے قسم کی جگہ دوسری کو قائم کر سکتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس مثلاً محکم کو اس سے اول کی قسمیں مل نہیں سکتے نہ مفسر کو نص وغیرہ کلام کے دوسری بڑی قسم میں۔

(۱۱) خفی ہے۔ خفی وہ آیات ہیں جن سے سوائے ظاہر معنی کے ضمناً اور معنی بھی نکلتے ہوں مثلاً (سورہ انعام ۵-۴۲) چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت اون دونوں کے ہاتھ کاٹو کہ یہ اون کے عمل کا بدلہ ہے۔ اس میں ”السارق“ کے ظاہر معنی چور کے ہیں مگر ضمناً قزاق اور قبیلی کاٹ اور کھن کھسوٹ کے وغیرہ سب داخل ہیں۔

(۲) مشکل۔ اسکی ایک مثال یہ ہے اور (اون کے خادم) چاندی کے برتن اور پیالے لئے ہوئے اون کے آس پاس بھرنے اور صراحیان چاندی کی ہونگی یہاں یہ مشکل ہے کہ صراحیان چاندی کی نہیں بنتی شیشہ کی بنتی ہیں مگر مفسر کہتے ہیں کہ شیشہ کا رنگ اگرچہ جگہاں ہوتا ہے لیکن خوب سفید نہیں ہوتا اور چاندی سفید ہوتی ہے لیکن شیشہ کی طرح چمک نہیں ہوتی۔ کیا عجیب ہے کہ بہشت کی صراحیان چمک کے اعتبار سے شیشہ کی صراحیوں کی مانند ہوں اور رنگ میں چاندی کے مانند ہوں لیکن بہرینج اسکے معنی کا دریافت کرنا مشکل ہے (۴۳) مجمل۔ اول وہ آیات ہیں جن میں ایسے کلمات ہوں جو متعدد معنی رکھتے ہوں۔

ایسی صورت میں اس آیت سے وہ معنی لینے چاہئیں جو اسی مضمون کی احادیث

سے ثابت ہوں وہی معنی واجب التعمیل و التسليم ہونگے دوسرے اس آیت میں کوئی کلمہ نہایت شاذ ہو اور اس سبب سے اس کے معنی مشکوک ہوں مثلاً سورہ معارج ۱۹ میں ہے کہ تحقیق کر آدمی بے صبر پیدا کیا گیا ہے۔ اس آیت میں کلمہ بلوع بمعنی صبر کے واقع ہوا ہے جو نہایت قلیل الاستعمال ہے۔ اگر یہ آیتیں نہ ہوتیں یعنی کہ جب اس کو برائی لگتی + اضطراب کرنے والا ہے اور جب اس سے بھلائی لگتی ہے تو منع کرنے والا ہے تو ہرگز بلوع کے معنی سمجھنا آسان نہوتے۔

آیات مجمل کی پہلی قسم کی ایک مثال یہ ہے کہ قائم کرو نماز اور دو رکوۃ صلوٰۃ اور زکوٰۃ دو دن لفظ مشترک المعنی ہیں اس سبب سے لوگ آیت کے معنی نہیں سمجھتے اور محض صلا سے عرض کی کہ اسکا مطلب بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ صلوٰۃ بمعنی ارکان نماز کھڑے ہو اللہ اکبر (خدا سب سے بڑا ہے) کہنا۔ یا قرآن کی چند آیات پڑھنے کے ہو سکتا ہے یا اور پروردگار مانگنے کے ہیں۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی بڑھنے کے ہیں مگر نبی نے اس کے معنی بیان پر خیریت کے لئے اور یہ فرمایا کہ اپنے مال سے چالیسواں حصہ خدا کی راہ پر دو۔

(۴) متشابہ وہ آیات ہیں جنہیں آدمی کسی طرح نہیں سمجھ سکتے (اسکا ذکر سورہ عمران آیت ۳ سے صفحہ ۴۷ میں کر چکا ہوں) اور نہ مشترک سمجھ آوین۔ مگر نبی کو ان کے معانی معلوم تھے۔ ائمہ آرا بس بعض "سورتوں" کے شروع میں جو آئے ہیں حروف متشابہ ہیں۔

ابن خلدون کہتے کہ مسلم ہجری قدسی کے معبر فقہ حشری نے اول حروف مقطعات کی نسبت اس طرح فرمایا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کے طرز عبارت میں ایسی خوبی ہے کہ کوئی اس کی تقلید نہیں کر سکتا کہونکہ یہ کتاب جو ہر دور وتری سے مرکب بالمحروف ہے۔ سب اول حروف کو جانتے ہیں لیکن یہ کیسے اختیار میں نہیں کہ انہیں حروف سے ایسی باتیں نبالیں جو قرآن کی مانند ہوں۔ اس آیت پر سیران سلیم صاحب

اس قسم کے محاورات جیسے خدا کا ہاتھ خدا کا منہ۔ خدا اٹھتا ہے۔ وغیرہ متشابہات ہیں۔  
 دوسری بحث قرآن میں قابل الحاظ الفاظ کا استعمال ہے اور بیان بھی پھر وہی  
 چار قسمیں کی ہیں یعنی لفظ کا استعمال چار طور پر ہوتا ہے۔

(۱) یا تواروے حقیقت ہو۔ یعنی لفظ کے اصلی معنی لئے جاوین جیسے رکوع معنی  
 جھکنے کے اور صلوة بمعنی دعا کے۔

(۲) یا ازروے مجاز ہو۔ یعنی لفظ کے اصلی معنی نہیں لئے جاوین بلکہ ادا کے  
 مناسب کوئی اور معنی مراد ہوں جیسی صلوة بمعنی نماز عبادت معنی کے۔

(۳) صریح وہ الفاظ ہیں جنکے معانی صاف ظاہر ہوں جیسے تجھے طلاق دی گئی ہے۔  
 ”تو آزاد ہے“ تو اسکا مطلب ظاہر ہے۔

(۴) کنایہ اداون الفاظ میں ہوتا ہے جنکا استعمال بطریق مجاز ہوا اور بغیر دوسری  
 عبارت کے اسکا مطلب نہ کھلے مثلاً ”تجھے چھوڑ دیا ہے“ اگر صرف اتنی عبارت ہو تو شاید  
 اسکے یہ معنی لئے جاوین کہ تجھے طلاق دیدی ہے۔ اس قسم میں تمام ضامائر جنکا مطلب  
 مکمل مضمون سے کھلتا ہے داخل ہیں۔ مثلاً ایک روز کسی نے نبی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔  
 آپ نے نہیں پہچانا کہ کون ہے تو آپ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اسنے جواب دیا ”میں  
 ہوں“ محمد صاحب نے کہا کہ میں کیوں کہتا ہے۔ اپنا نام کیوں نہیں لیتا تاکہ میں جانوں  
 کہ تو کون ہے۔ ضمیر شکم کی تین یہاں پر کنایہ ہے۔

علم تفسیر میں نہایت ضروری اور شکل کام استدلال ہے قرآن سے دلائل حشد

لکھتے ہیں کہ اسکے معنی صاف نہیں ہیں اور ابن خلدون کی کتاب کا ترکی مترجم یہ معنی لیتا ہے کہ خدا اٹھتا  
 ان حروف کو کئی صورتوں میں اسبواسطے لایا ہے کہ لوگ اسکے سمجھنے سے عاجز ہوں۔ ابن خلدون جلد ۳ ص ۶۰



کرنے کو استدلال کہتے ہیں یہ بھی چار قسموں پر حسب ذیل منقسم ہے۔

(۱) عبارت۔ صاف جملہ کہتے ہیں۔ ”اور بچے والیان اپنی اولاد کو دوبرس

دو وہ پلا دین اور جس کا لڑکا ہے اوس پر اونکا کھانا اور پینا اچھی طرح چیر ہے“ (سورہ  
بقرہ ۲-۳۳) اس آیت سے دو نتیجے نکالتے ہیں۔ اول یہ کہ بین (اونکا) جمع مونث کی  
ضمیر ہے اس واسطے والدات کی طرف راجع ہے اولاد کی طرف نہیں دوسری چونکہ  
مان کی نگرانی لڑکے کے باپ پر لازم ہے تو اس سے پایا جاتا ہے کہ مان کی بہ نسبت  
باپ سے اولاد کا تعلق قریب تر ہے پس احکام تغذیر بھی اسی قیاس پر قائم ہونگے۔  
(۲) اشارت۔ کوئی علامت یا اشارہ جو ترتیب الفاظ سے پایا جاوے۔

(۳) دلالت اوس دلیل کو کہتے ہیں جو کسی آیت کے خالص لفظ سے اخذ کیا وے  
پس مت کہ تو مان باپ سے آف۔ (نہی اسرائیل ۱، ۲۳) آف کے لفظ سے یہ

مکمل ہے کہ اولاد نہ اپنے والدین کو مارے نہ بڑا بھلا کہے۔ سنرا کے احکام بھی دلالت سے  
یکمل سکتے ہیں۔ مثلاً وطرحتہ بین بیج زمین کے فساد کو اور رائتہ فساد کرنے والوں کو دوست  
نہیں رکھتا ہے۔ سورہ مائدہ ۵-۶۹ آیت) لفظ یسعون سے جسکا ترجمہ دوڑتے ہیں  
کیا ہے یہ دلیل نکالی ہے کہ قزاق بھی اوہرا و دھر فساد کرتے پھرتے ہیں اس واسطے وہ بھی  
اولو کو نہیں ہوئے جنہیں خدا دوست نہیں رکھتا ہے اور اسی سبب سے اونہیں  
نہایت سخت تغذیر چاہئے۔ کیونکہ جو قیاس دلالت سے قائم ہے نہایت سخت احکام  
تغذیر کے توضع کے کافی اصل ہوگا۔

(۴) اقتضاء۔ ایسا قیاس ہے جو مقتضی چند شرائط کو ہے اور جو کوئی مارٹو لے مسلمان  
کو انجانی سے پس آزاد کرنا ایک گردن مسلمان کا ہے (فسر آیت ۹۲) کسی کو یہ  
اختیار نہیں کہ اپنے ہمسایہ کے غلام کو آزاد کرے تو اس جگہ یہ شرط اگرچہ لفظ

مذکور نہیں کہ غلام اوسی آزاد کرنے والے کی ملکیت سے ہو مگر معنا سمجھا جاتا ہے۔

قرآن منقسم ہے (۱) حروف (جمع حروف) ہر۔ حروف کی تعداد بین راویوں کا اختلاف ہے ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ۳۳۸۶۰۶ حروف ہیں۔

(۲) کلمہ پر۔ اسکی جمع کلمات ہے۔ بعض کے بیان سے ۹۰۸۷ کلمات ہیں اور بعض کہتے کہ ۹۳۴۷ کلمات ہیں۔

(۳) آیت پر (جمع آیات ہے) آیت کے لفظی معنی نشانی کے ہیں محمد صاحب نے قرآن کے جملوں کا یہ نام رکھ دیا۔ جہاں آیت ختم ہوتی ہے وہاں ایک چھوٹا دائرہ اسطرح ۵ کا بنا ہوتا ہے اگلے قرآن پر پڑنے والے محل آیات پڑفق نہ تھے اس سبب سے پانچ مختلف طریقے ترتیب آیات کے پیدا ہو گئے۔ اور آیتوں کے شمار میں مختلف نسخوں سے فرق پڑ گیا ہے اور وہ اختلاف اس طریق سے ہے۔

(۶) آیات کو فی قاریان شہر کو فہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی کا طریق اختیار کیا ہے ہندوستان کے مسلمان علم الاموم انھیں کے طریق پر آیتوں کا شمار کرتے ہیں اونکے نزدیک کل قرآن میں ۶۲۳۹ آیات ہیں۔

(۲) آیات بصری۔ بصرے کے قاری عاصم بن حجاج صحابہ کے پیرو ہیں اونکے نزدیک ۶۲۰۶ آیتیں ہیں۔

(۳) آیات شامی۔ شام کے قاری عبد اللہ بن عمر صحابی کے پیرو ہیں اونکے حساب سے ۶۲۲۵ آیتیں ہیں۔

(۴) آیات مکی۔ اس حساب سے ۶۲۱۹ آیتیں ہیں۔

(۵) آیات مدنی۔ اس قراءت کے بموجب ۶۲۱۱ آیات ہیں۔

بسم اللہ کو شمار آیات میں کیے محسوب نہیں کیا ہے۔ ورنہ بسم اللہ ۱۱ مرتبہ قرآن

میں آئی ہے۔ لیکن اختلاف بانجموم کسی آیت کے معنی پر مؤخر نہیں۔ تیسری صورت  
 کی تیسری آیت البتہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ اس جگہ پورے راہ کو جسکی پہچان  
 چھوڑا دائرہ ہے (۵) علم کلام کے آغاز سے بڑا تعلق ہے۔ باقی صورتوں کو حسبِ قیاس  
 قیاس کرنا چاہئے۔ سورہ ۲۷ میں ملکہ سبا کے احوال میں لکھا ہے کہ سلیمان سے  
 خط پا کر اپنے امراء سے اسطرح مخاطب ہوئی۔ ”تحقیق بادشاہ جسوقت کسی شہر میں داخل  
 ہوتے ہیں تو اس سے خراب کرتے ہیں اور اس کے غرت دار لوگوں کو ذلیل کرتے اسطرح  
 یہ بھی کرینگے بعض قاری آؤںہ یعنی ذلیل کرتے ہیں پر پوری آیت کرتے ہیں اور کہتے ہیں  
 کہ خطاب کرنے والا ان الفاظ کا یعنی ”اور اسطرح یہ بھی کرینگے“ خدا تعالیٰ ہے۔  
 (۴) سورہ۔ اسے بمنزلہ باب کے تصور کرنا چاہیے۔ سورہ کے لفظی معنی احاطہ  
 یا دیوار کے ہیں لیکن اب ابواب قرآن کو سوتین کہتے ہیں۔ کل سوتین قرآن میں ۴۷ ہیں۔  
 عربی قرآن میں اسطرح نہیں کہتے ہیں کہ یہ دوسری سورہ ہے۔ یا فلان سورہ ۴۷ کی  
 ہے بلکہ ہر سورہ کا کوئی مناسب نام کسی ایسے لفظ سے جو اس سورہ میں آیا ہو رکھ دیا ہے  
 مثلاً۔ بقرہ۔ گائے۔ نساء۔ عورتیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ سوتین بہ ترتیب واقعات  
 نہیں بلکہ طوالت کے لحاظ سے رکھی ہیں۔ بڑی سوتین پہلے ہیں اور چھوٹی سوتین اخیر  
 میں آئی ہیں۔ یہ بات بمنزلہ قاعدہ کلیہ کے ہے کہ چھوٹی سوتین جن میں مسلمانوں کی الیات  
 کا ذکر ہے وہ مکی ہیں۔ اور بڑی سوتین جن میں خاصہ اخلاق کے احکام اور تعلقات کا ذکر

آخریہ آیت جو مکہ میں نازل ہوئی یہ تھی، ”آج میں پورا دین تمہارا تم کو اور پورا کیا میں تم پر  
 احسان اپنا اور پسند کیا میں تمہارے واسطے دینِ اسلامی پھر جو کوئی ناچار ہو گیا بھوکھ میں کچھ گناہ نہیں دیتا  
 تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان (المائدہ آیت ۵) ابن خلدون کی کتاب جلد اول ص ۲۰۶

مجویات ملکی کے انتظام کا بیان ہے وہ اسوقت میں اذری تھیں جب محمد صاحب  
مدینہ میں اپنی قوت کو استحکام دیتے تھے۔ اسلئے قرآن پڑھنے کا نہایت عمدہ طریقہ  
ہے کہ اخیر سے شروع کرے۔

سورتوں کو مناسب ترتیب پر رکھنے کی کوشش بہت مشکل ہے۔ اور فی الجملہ  
ایسا ہو بھی تو فقط ترتیب درست ہو جاوے گی۔

ایک بات کا بار بار کہنا۔ بے لپیے پیدار اور اوجھے ہوئے فقرے دہقانی اور  
غیر موزون الفاظ کے ذکر میں کار رائل صاحب کہتے ہیں کہ کوئی یورپین بجز اسکے کہ حد  
سعینہ سمجھے اور سیرح قرآن کا چڑھنا پسند نہیں کرے گا، اگر اسے نو ترتیب دیجاوے تو  
البتہ واضح ہو جاوے ایسی تجدید ترتیب کی خاص کسوٹی طرز عبارت اور مضمون ہے۔

و دون اعتبار سے اگلی اور پچھلی سورتوں میں بڑا فرق ہے۔ تاریخی واقعات کے حوالہ  
سے البتہ بعض جگہوں میں پیچیدگیان آسان ہو جاتی ہیں کوئی سورت ایسی نہیں کہ آدین  
مختلف مضامین نہ ہوں۔ (اکثر ایک ہی سورت میں مختلف مضامین ہوتے ہیں)  
لیکن جو کچھ میں ابتداء سے ہیں۔ خلیفہ عثمان کے عہد میں زید نے نظر ثانی کر کے جسطح  
ترتیب دیا تھا وہی ترتیب بحد تصوف چلی آتی ہے اختلاف قرأت کے جو پائے جاتے  
ہیں وہ پہلے سے بتا دیئے گئے ہیں اور کو سورتوں کی ترتیب میں کچھ دخل نہیں۔

(۵) سی پارہ۔ یعنی تیسویں حصہ کے۔ یہ فارسی لفظ ہے مرکب ہے۔ سی (تیس)  
اور پارہ (کٹہ حصہ) سے عرب ہر پارہ کو جزو کہتے ہیں۔ اس تقسیم سے یہ فائدہ ہے  
کہ قرآن پڑھنے والا اگر ہر روز ایک پارہ پڑھے تو کل قرآن ایک مہینہ میں ختم ہو جاتا ہے  
مسلمان قرآن میں سورت اور آیت سے حوالہ نہیں دیتے بلکہ سی پارہ اور رکوع  
سے جسکی تفصیل میں ایک بیان کیا جاتا ہوں نشان دیتے ہیں۔

۶۔ رکوع (جمع رکوعات) جب عبادت کرنے والا حالت نماز میں جھکتا ہے تو اس جھکنے کو رکوع کہتے ہیں۔ قرآن سے چند آیات پڑھیں اور خدا کی حمد بیان کرنے کو بعض حرکات سکناات کو جو نماز سے تعلق ہیں۔ ایک رکعت کہتے ہیں غرض کہ عبادت کرنی والا چند آیات پڑھ کر رکوع میں جاتا ہے یعنی جھکتا ہے اور سوقت جس قدر پڑھ چکا ہے اسے رکوع کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ جب خلیفہ عثمان رمضان کے مہینہ میں راکو قرآن سناتا تھے تو بیس کثین کیا کرتے تھے ہر رکعت میں نئی آیتیں پڑھتے تھے پہلے سورہ سے شروع کے برابر پڑھتے چلے جاتے تھے۔ اس طریق سے ہر شب کو قریب دو سو آیات کے پڑھ لیتے تھے یعنی ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھتے تھے۔ تب سے یہ معمول ہو گیا ہے کہ اسی طریق سے ہر رمضان میں قرآن سنایا جاتا ہے اور عوام بھی اسی طرح دیتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں سے سی پارہ اور فلاں رکوع میں ہے بیان ذیل سے رکعت کا مطلب کھل جاویگا۔

جب مومن مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو امام اونکے آگے قبلہ کی طرف منہ کر کے اس طرح نماز شروع کرتا ہے۔ ہر نمازی کھڑے ہو کر نیت باندھتا ہے (نیت کی واسطے چند الفاظ معنی میں جسے ارادہ نماز کا معلوم ہوتا ہے) پھر اللہ اکبر (خدا سب سے بڑا ہے) کہتا ہے اسکے نیچے کوٹھہر کے پڑھتا ہے۔ اے خدا تو پاک ہے اور کبھی کو تعریف سزاوار ہے تیرا نام بڑا ہے اور تیری عظمت بڑی ہے اور سوائے تیرے کوئی معبود نہیں۔ پھر اسکے بعد کہتے ہیں۔ خدا کی پناہ مانگتا ہوں میں شیطان راندے ہوئے سے ”پھر بسم اللہ پڑھتے ہیں یعنی شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام خداے رحمان و رحیم کے پھر سورہ فاتحہ جو قرآن کے شروع میں چھوٹی سی سورہ ہے پڑھی جاتی ہے۔ اسے پڑھ کر رمضان کی پہلی شب کو امام دوسری سورہ سے شروع کرتا ہے۔

(۱) اور چند تین چار رکوع کرتا ہے یعنی سر اور وسط کو کم کرتا ہے اور دونوں ہاتھ دونوں  
 ٹانگوں پر رکھ لیتا ہے اس موقع پر اللہ اکبر (خدا سب سے بڑا ہے) کہتے ہیں بار بار یہ  
 الفاظ کہتا ہے پاک ہے رب میرا۔ پھر کھڑے ہو کر کہتا ہے خدا او سکی سنتا ہے جو اسکی  
 تعریف کرتا ہے، اس کے جواب میں لوگ کہتے ہیں۔ اے رب سب تعریف تجھی کو تو پھر  
 سجدہ میں جاتے وقت نمازی اللہ اکبر خدا بڑا ہے کہتا ہے اور پھر اول ناک پھر پیشانی  
 زمین پر ٹیک کرتین مرتبہ کہتا ہے پاک ہے میرا رب جو سب سے بڑا ہے پھر سر اٹھا کر  
 دوزانو بیٹھے ہوئے اللہ اکبر خدا سب سے بڑا ہے کہتا ہے پھر دوبارہ سجدہ میں جا کر  
 پہلے کی طرح پڑھتا ہے پاک ہے میرا رب الخ اور پھر اٹھ کر اللہ اکبر خدا سب سے بڑا  
 ہے کہتا ہے اسوقت ایک رکعت پوری ہو جاتی ہے۔ رمضان کے مہینہ میں شب  
 کو بیس دفعہ ایسا ہی کیا جاتا ہے صرف آٹا فرق ہوتا ہے کہ فاتحہ کے بعد اور رکوع  
 سے پہلے ہر رکعت میں نئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں

نمازی چاہے جس ملک کا ہو کل نماز عربی میں پڑھی جاتی ہے۔ رکوع کا نام  
 (نماز سے) منقل ہو کر قرآن کے اس قدر مجموعہ آیات کا نام ہے بقدر رکوع کرنے سے  
 پہلے پڑھتے تھے۔ جو گویا ہے کل قرآن میں ۵۵،۰۰ رکوع ہیں۔

(۲) سوائے تقسیم مذکورہ بالا کے اوسمیں ہیں مگر وہ بہت ضروری نہیں مگر  
 ثمن بیع۔ نصف۔ ثلث۔ آٹھواں حصہ۔ پاؤ۔ آدھاتین پاؤ۔ نمازی کوئی دفعہ  
 نماز میں اللہ اکبر خدا بڑا ہے کہنا پڑتا ہے ایک دفعہ ۹۳ سورۃ یعنی دالغنی پڑھنے کے بعد  
 تکبیر کہتے ہیں۔ یہ دستور اسطرح پیدا ہوا کہ ایک دفعہ منافقون نے اگر نبی سے صحابہ  
 کا حصہ پوچھا آپ نے کہا کل بیان کروں گا۔ لیکن انشاء اللہ کہنا بھول گئے خدا کی

سوائے تیراویح کے اور نمازوں میں بعد سورہ فاتحہ کے اختتام پر قیامت کی آیتیں پڑھنے کا دستور ہے

سے لے کر تنبیہ کے کئی روز ورجی نہیں بھیجی اس پر منافق ہنستے اور کہتے کہ خدا نے اونہیں چھوڑ دیا  
 ہے لیکن چونکہ خدا کو اپنے نبی کا ٹھٹھا کرنا منظور نہ تھا جبریل جو ہمیشہ مستعد رہتا تھا نبی کے ہاتھ پر  
 اپنی ۵۰-ورت لائے ۴۰-سکا شریعہ سے قسم دن پڑھے کی اتریم ہے رات کی جب  
 تاریک ہو۔ تجھے تیرے رب نے نہیں چھوڑ دیا اور نہ ناسخ کر دیا یہی خدا کی صریح حجت  
 اپنے حال پر دیکھا کہ سورہ کے پڑھنے کو اپنے ہمیشہ اللہ اکبر لکھا کرتے۔ اس طرح اسکا پڑھنا  
 سنت ہو گیا ہے یعنی اس سبب سے کہ نبی نے ایسا کہا اور سکا کنا لازم ہو گیا۔ قرآن کے  
 مطالب پر مطلع ہونے کے واسطے یہ جاننا ضرور ہے کہ نسخ کسے کہتے ہیں جن آیات  
 میں نسخ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہیں کہ جو آیتیں ہم منسوخ کرتے یا بعد اذیتہ میں تو ہم  
 اس سے بہتر یا اسکی مانند لاتے ہیں (سورہ بقرہ ۲-آیت ۱۰۶) بعض جو نبی کے عہد  
 میں نسخ ہوئی تھیں اب متروک الالادہ میں عبداللہ ابن مسعود کا بیان ہے کہ ایک روز  
 نبی نے ایک آیت پڑھنی پڑھنے سے فوراً لکھ لیا۔ دوسری صبح کو پڑھنے دیکھا کہ جس چیز پر  
 پڑھنے سے لکھا تھا اس سے اور گنی تھی۔ اس ماجرے سے متحیر ہو کر محمد صاحب  
 کو خبر دی اونہوں نے کہا کہ وہ آیت منسوخ ہو گئی ہے۔ اب بھی بعض آیات قرآن میں  
 ایسی موجود ہیں جو منسوخ ہو گئی ہیں۔ یہ مسئلہ نہایت مناسب ہے اور جو تغیر تصرف کو محضاً  
 نے وقتاً فوقتاً کیا ہے اسکا سبب سمجھانے کے واسطے ایسے مسئلہ کی ضرورت تھی چند  
 قواعد بھی اس باب میں وضع کئے گئے ہیں جو آیت منسوخ کرتی ہے اسے نسخ کہتے ہیں  
 اور جو میں نسخ واقع ہوا ہے۔ اسے منسوخ کہتے ہیں۔ آیات منسوخ تین طرح کی ہیں اول  
 وہ آیات کہ انکے الفاظ احکام دونوں منسوخ ہیں دوسرے وہ کہ الفاظ منسوخ ہیں  
 لیکن احکام باقی ہیں تیسرے وہ کہ انکے احکام منسوخ ہوں لیکن احکام باقی ہوں۔  
 امام مالک نے منسوخ قسم اول کی ایک مثال دی ہے کہ اگر آدم کے بیٹے کے پاس

سونے کے دو دریا ہوتے تب بھی تیسرے کی طلع کرنا اور اگر تین ہوتے تو چوتھے کی طلع کرنا  
 بنجر خاک کے اور کسی چیز سے ابن آدم کا بیٹ نہیں بھرے گا جو توبہ کرے گا خدا اوس پر توبہ ہوگا۔  
 امام موصیٹ کہتے ہیں کہ یہ آیت دراصل نوین سورت یعنی توبہ میں تھی ایک آیت جسے  
 آیت جہار کہتے ہیں دوسری قسم منسوخ کی مثال ہے ۵۰: ہک کہ اپنے مان باب سے نفرت  
 مت کرو کیونکہ یہ تمہاری ناشکری ہے اگر کوئی غزت دار دیا نورت زنا کی مکتب ہو تو کم  
 اولن دونوں کو سنگسار کر دے منرا خدا کی طرف سے تہرہ دینی ہے کیونکہ خدا قادر اور رحیم  
 ہے۔ خلیفہ عمر کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت کے عہد زندگی میں نہ آئی تھی لیکن اس طرح اٹھاؤ  
 ہے علم اصول میں علمدرا مد کے لحاظ سے تیسری قسم میں داخل ہے آیات ۲۵: ۲۶ کے باب  
 میں علماء کا اختلاف ہے۔ میل صاحب کہتے ہیں کہ ایسی آیات ۲۵: ۲۶ میں وہ خصوصاً  
 آیات جنکے منسوخ ہونے پر سب کا اتفاق ہے بہت تھڑی ہیں۔ اوسکی چند مثالیں یہ  
 ہیں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کی اکثر آیات اولن سورتوں میں ہیں جو یہ میں نازل  
 ہوئی تھیں۔ چونکہ اول محمد صاحب کہ یہ گمان تھا کہ یہودی اور عیسائی میرے طرفدار  
 ہونگے اس سبب سے رعایت کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ یہ لوگ ہمارا کتنا نہیں مانتے  
 ہیں تو نسخ کا مسئلہ نکال لیا۔ ذیل کی صورت سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ میں  
 محمد صاحب اور اوشکی پیرو نمازمین کسی خاص سمت کو رخ کر کے نہیں کھڑے ہوتے تھے چنانچہ  
 نیچے کی آیت میں اس بات کا اشارہ ہے۔ پو رب اوچھم سب خدا کا ہے پس جدھر تو مہر نہ  
 کرو نمازمین اُدھر ہی خدا کا منہ ہے (سورہ بقرہ ۱۰۹-۱۱۰) جب محمد صاحب مدنیہ پہنچے تو اونھوں  
 نے چاہا کہ یہودیوں کو اپنا دوست اور طرفدار بنادیں اس واسطے سب نمازیوں کا قبلہ وہیں  
 جس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے (یہ رو سلم مقرر کیا۔ چند مدت تک وہی قبلہ رہا لیکن  
 جب محمد صاحب نے عرب کے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ میں حاتم النبیین اور سب



نہیںوں سے بڑا ہوں اور یہ کہ موسیٰ نے میرے آرم کی خبر دی تھی اور یہ کہ میری مکاشفات الہی  
 ہی میں جیسی کہ تو بہت اور تجل کی ہن تو اوتھوں نے عواما حب کی متابعت سے انکار کیا۔  
 دوسرے سن جو جی کے نصف اوامین اونکے در بیان کامل تفرقہ ہو گیا تھا۔ اور مکہ کی  
 قریش سرداروں سے اتفاق کرنے کا وقت تھا۔ اس واسطے آیت مذکورہ صدر اس آیت سے  
 منسوخ ہو گئی۔ دیکھتے ہیں تیسرے کلمہ آسمان کی طرف پس ہم البتہ تجھ اور میں کو پھیر دیگے جس تو  
 پس مذکرے پس پھیرا پنے منہ کو ملہ کی یعنی مسجد حرام کی طرف اور جہان کین کہ تم ہو پس پنے منہ  
 اور کی طرف پھیر لو۔ سورہ بقرہ ۲ و آیت ۳۹۔ مومنوں کو اس بات سے تسکین تھی ہر چند کہ  
 ہننے ابتک ایسا نہیں کیا تھا لیکن خدا ہمارا ستارہ ایمان کو راہ گاہ بنیں کر چکا کیونکہ خدا انسا  
 رجہ بفضل کرتا ہے (سورہ ۵ و ۱۳۸) نسخ کی تعلیم ذیل کی صورت میں خاص ذاتی مطلب  
 کے واسطے ہوئی اس کے بعد تیسرے واسطے عورتیں محال تھیں اور نہ یہ کہ بدل ڈالے  
 اونسے اور بی بیان اگرچہ اونکا حسن تجھے خوش لگے بجز اون باندیوں کے جنکی مالک گئی  
 ہیں تیسرے واسطے ہاتھ (سورہ اخرا ب ۳۳ و ۵۲) بیضاوی اور قسبر علما اسلام کا قول  
 ہے کہ یہ آیت دوسرے سے جو اگرچہ ترتیب میں پہلے واقع ہوئی ہے لیکن در اصل پہلے  
 بعد اتری گئی منسوخ ہو گئی ہے۔ وہ آیت یہ ہے کہ انہی بننے تیسرے واسطے وہ بی بیان  
 حلال کین جبکہ تو نے مہر دیا ہے اور جبکہ مالک تیرا دہن ہا تھا ہوا ہے۔ کفار کے  
 اوس مال سے جو خدا تیرے اوپر پھیر لایا ہے اوچچاؤن کی بیٹیاں اور تیری خالائون  
 کی بیٹیاں وہ جنھوں نے تیرے ساتھ وطن چھوڑا ہے اور حلال کی عورت ایمان والی  
 اگر نبی کے واسطے اپنی جان بخش دے یعنی بغیر مہر کے اگر نبی یہ ارادہ کرے کہ اوسکو خالص  
 اپنے واسطے نکاح کرے سوائے سہل نون کے (سورہ ۳۳ و ۹۴) شہنشاہ محمد اکبر نے  
 جو علماء کی باتوں کو تفسیر نہیں کرنا چاہتا تھا اکیذہ عالموں کی جماعت میں جو بد فحاشات

اوسکے حمد میں مغربی حالات پر بحث کرتے کے واسطے مقرر ہوئے تھے یہ مسئلہ پیش کیا کہ ایک مرد کتنی شرمین نکاح میں لاسکتا ہے مفتیوں نے جواب دیا کہ نبی نے چار کی امداد مقرر کر دی ہے نکاح کو تم جو تکمیل خوش آوین عورتیں دو دو تین تین چار چار (سورۃ النساء ۴) بادشاہ نے کہا کہ میں نے آپ کو چار پر محدود نہیں رکھا ہے اور شیخ عبد الباقی نے مجھے کہا کہ ایک مجتہد کی ۹ جوروں میں مجتہد موصوف یعنی ابن ابی لیلہ اوس تعداد کو جسکا جواز قرآن سے ثابت ہوتا ہے اس طرح شمار کرتا تھا  $۲ + ۲ + ۲ + ۲ = ۸$  بعض علماء اس طریق سے گنتے تھے  $۲ + ۲ + ۳ + ۳ + ۳ + ۳ = ۱۴$  بادشاہ یہ چاہتا تھا کہ جماعت اس مسئلہ کا تصفیہ کرے پھر ۲ یعنی فرض کی ۲ آیت کا یہ مضمون ہے کھڑا رکرات کو مگر تمہارا ایک حدیث سے جو عایشہ سے پہنچی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سورہ کی اخیر آیت ایک برس بعد نازل ہوئی تھی جس سے نماز میں بہت آسانی ہو گئی تھی۔

”اور اللہ چاہتا ہے رات کو اور دن کو اور دن کو اور دن کو جاننا کہ تم اوسکو پورا نہ سکو گے تو معافی بھی تمہیں سوچو جبنا آسان ہو قرآن سے“۔ (۵ و ۶) مثال ایسی آیت کے جو منسوخ ہے مگر کوئی دوسری آیت اوسکی ناخ موجود نہیں صرف اجماع اوسکے نسخ پر اتفاق ہے یہ ہے زکوٰۃ جو ہے سو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور اس کام پر جانے والوں کا اور سب کے دل اسلام کی الفت رکھتے ہیں“ (سورہ توبہ ۹ و ۱۰) اخیر فقرہ یعنی جنکے دل اسلام کی تفسیر رکھتے ہیں اب منسوخ ہے (تفسیر ابنی صفحہ ۲۱۶) جو لوگ اول شہن تھے اور بعد کو وہ دوست ہو گئے تھے اونکے تالیف قلوب اور ایمان کی سختگی کے واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ دیا کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام پھیل کر خوب قوی ہو گیا تو عالموں نے یہ اتفاق کیا کہ ایسی کارروائی کی ضرورت نہیں ہے اور کہا کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ اور آیات جو منسوخ ہیں اول میں رمضان کے روزے

اس قرآن میں فرق سمجھنا سراسر خطا ہے اور مخالفوں کا یہ اعتراض کہ قرآن اگر غیر مخلوق ہے تو دوزلی ذات کا وجود لازم آدیکھا فضول ہے کیونکہ اسکا جواب اسطرح دیا جاتا ہے کہ یہ وہ بزرگ قرآن ہے جو لوح محفوظ پر لکھا ہے (سورہ ۵۶-۵۷) اسکے ثبوت میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ خدا نے اپنے ہاتھ سے تورات لکھی اور اپنے ہاتھ سے آدم کو بنایا اور قرآن میں بھی الواح تورات کی نسبت جو موسیٰ کو ملی تھیں یہ فرمایا کہ مہنے اوسے ہر معاملہ کے باب میں الواح تورات پر نصیحت لکھ دی اس سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ خدا نے اگلے نبیوں کے ساتھ ایسا کیا تو ہمارے نبی جو آخر الزمان اور خاتم النبیین تھے اوسکے ساتھ اور قرآن شریف کے ساتھ کیا کچھ نکر لگایا اس عبارت کی کہ قرآن غیر مخلوق ہے صحیح تعریف سمجھنی آسان نہیں لیکن اوسلی تعریف اسطرح ہے کہ کلام اس حیثیت سے کہ خدا کی ذات میں ہے کلام نفسی ہے یعنی ایسا کلام ہے کہ غیر مکتوب و ازلی ہے اجاع آیت سے اور احادیث سے اور ازبہیون سے یہ مقرر ہو چکا ہے کہ خدا کلام کرتا ہے پس کلام نفسی ازل سے ہے لیکن مجرد الفاظ اور طرز عبارت اور فصاحت خدا نے پیدا کی ہے یعنی مخلوق ہے علیٰ ہذا القیاس سبب اور معجزہ ہونے کی حیثیت سے ہے یہ بیان ذری معقول معلوم ہوتا ہے اگرچہ بعض علماء کے عقیدہ میں الفاظ بھی ازلی ہیں ہر مسئلہ نسخ اس خیال کے مناقض ہے لیکن یہ بھی تقدیر آئی میں ازل سے تھا حالات کے اقتضاد سے نسخ کی ضرورت ہوئی لیکن وہ حالات اور نیز آیات منسوخہ ازل سے اوسکی مشیت میں تعین قرآن جو ایک ایسی کتاب ہے جسکا پڑھنا غیر مسلمان کو ناگوار ہے اوسکی تفسیر پر لحاظ کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے لیکن باہنہ کلوٹرون آدمیوں کے خیالات اسکے پڑھنے پر بدل مصروف تھے اور میں - قاهرہ اور استنبول اور وسط ایشیاء اور ہندوستان کے مابین ہزاروں سرگرم

علماء اسی نضمون پر جب کلامین بیان کر رہے ہیں اور بہت قریب ہے کہ کتاب کی وہ اس قدر قلعیم کرتے ہیں اوس کی تعلیم دینگے لیکن اوس کتاب کے سخت احکام اور خارجی اوصاف سے ظاہر ہے کہ ایسی تعلیم سے چاہیں کہ عقلمند موجدان تو محض عمت ہے مگر مغرور اور متکبر ہو جاتے ہیں اور اور مذہبوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں پس یہ بھی اوس کے عجیب ہونے میں شک نہیں کیونکہ بارہ سو برس سے زیادہ ہو چکے کرورون کو خود وہ وسط ایشیاء کے میدانوں کے رہنے والے ہوں یا ہندوستان میں یا بحیرہ روم کے کناروں میں رہتے ہوں اسلام پر قائم تھی ہے عتہ کو تازہ کرتی ہے مصیبت و رابوی میں تسکین دیتی ہے نورانی اور ایرانی عربی اور حبشی سب اوس کے پڑاؤ زجلہ کو سیکھنے ہیں اور واضح فقر و کور و مزہ پڑتے ہیں اور جیسا اوس کے بزرگوں نے اوست پہلے کیا تھا ایسا ہی وہ بھی انھیں الفاظ میں دعا مانگتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔

اول خدا کی وحدانیت دوسرے قرآن۔ عام اس سے کہ مسلمان کسی نسل یا قوم کا ہلو اور کوئی زبان کیمن نہ بولتا ہو لیکن عربی سیکھنے اور نماز میں قرآن سے پڑنا ضرور ہے۔ دوسرا مضمون قابل لحاظ احادیث ہیں جنہیں علم اصول کی دوسری شاخ سمجھا جائے محمد صاحب نے جو کچھ کیا اور کہا یعنی سب قول و فعل احادیث میں مضبوط ہیں۔ ہر مسلمان چاہے جس فرقہ کا ہو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی ہدایت سے تھا۔ حدیث کے الہام کا طریق وحی قرآنی سے مختلف ہے۔ وحی قرآن لفظاً لفظاً نازل ہوتی تھی آپ اوس میں کچھ تصرف نہیں کر سکتے تھے اور آپ کے قول جو مجموعہ احادیث میں مندرج ہیں وہ لفظ بلفظ نہیں نازل ہوتے تھے بلکہ الہام سے اوس کے مطالب آپ پر ناکشف ہو جاتے تھے اور آپ انھیں اپنی زبان و محاورہ میں لوگوں کو سناتے تھے ہاں انہیں اس الہام کی حقیقت میں بھی کچھ شک نہیں ہے اس اعتقاد سے قرآن کے بعد احادیث کا مرتبہ ہے

اور احادیث در اصل اوسکا ضمیمہ میں ہیں اونسے نہ صرف متراکن کے مطالب معلوم ہوتے ہیں بلکہ بجائے خود ایسی اصل سبجس سے استخراج سائل کیا جاتا ہے اور جب تک اس حد کو نہ پہنچے ہر حدیث کو بجائے خود مختصر قلیل کرنا ایسا امر ہے کہ اوسکی نسبت صاف یہی عیبی کیا جاتا ہے کہ احادیث کو بغیر ہونے اور جانچنے ایسی رائے قائم کرنی درست نہیں اپنے احادیث کو پڑھ کر تحقیق کے قواعد معینہ سے جب تک اوسکی صحت کا یقین نہ ہو تسلیم کرنا، قہر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے علوم دینیہ میں احادیث کی تحصیل ایسی ضرور ہے کہ علم اصول اپنے علم تفسیر میں اوسے بھی داخل کیا ہے اسواسطے اوسکا کچھ بیان لکھنا اس باب میں ضرور ہے پہلے چار خلیفوں کو خلفاء راشدین کہتے ہیں یعنی وہ لوگ جو انکو حق کی ہدایت کریں وہ نبی کے دوست اور اصحاب تھے اور جب کبھی کسی مسئلہ میں پڑتا تو مومن اوفضین سے جوع کرتے تھے بنی نے صاف کہہ دیا تھا کہ لوگ اپنے دلوں پر اسلام کو منقش کر لیں اسی سبب سے آپ کی باتوں کو لکھنا نہیں چاہتے تھے۔ چونکہ کسی بحث میں آپ کے قول سے زیادہ کوئی دلیل موثر نہیں ہو سکتی تھی ایسا دروازہ کشادہ تھا جس سے جعلی حدیثیں ہر منون پر وضع ہو سکتی تھیں اسکی انسداد کو بہت سخت قاعدے وضع ہوئے جسکے عنوان پر نبی کا قول جو خود آیات حدیث سے لکھا گیا۔ جب تک کہ خوب یقین نہ جانو کہ یہ میری بات ہے تب تک اوسے اور ون کو مت سناؤ اور جو کوئی قصداً میرے نام سے کوئی بات بتاتا ہے اوسکا ٹھکاما سوائے اگل کے اور کہیں نہیں ہے۔ اس قاعدہ کے مزید استحکام کے واسطے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ حدیث کا راوی اوس حدیث کی سند یعنی سلسلہ روایات نبی تک پہنچا دے یعنی مٹھر کہ میں نے اس حدیث کو فلان سے سنا اور اوس نے فلان سے اور اونسے اوس سے سنا کہ یہ سلسلہ نبی تک پہنچے اسناد کو اسطے یہ ضرور ہے کہ اوسکا ہر راوی نیک طبع اور فاضل

میں مشہور ہو مگر اس سے بھی ہندس کافى نہ ہو سکی اور ہتھیہ می جلی حدیثیں علانیہ و انجانی  
 اس واسطے چند اشخاص نے آپ کو اس کام پر تسلط کیا کہ ان جلی حدیثوں کو جنھوں نے  
 دوسری صدی ہجری میں سخت خرابی اسلام میں ڈال دی تھی چھانٹ کر خارج کر دیں جن  
 شخصوں نے یہ کام کیا تھا انھیں محدثین یا حدیث کے جمع کرنے والے کہتے ہیں سنی اور  
 وہابی انکو مانتے ہیں اور انکے مجموعہ کو صحاح ستہ یعنی چھ صحیح کتابیں کہتے ہیں جنکی  
 تحصیل اسطرح ہے۔

(۱) صحیح بخاری۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل متوطن بخارا کے نام سے مشہور ہے یہ ۱۹۲ھ  
 میں پیدا ہوئے تھے میانہ قذا و کمزور جسم کے آدمی تھے اور عمدہ صفولیت میں محض نابینا تھے  
 باب کہ انکے نابینا ہونے کا اثر اصدہ رہتا تھا ایک روز انھوں نے خواب میں دیکھا  
 کہ ابراہیم آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے تیرے بیٹے کو بینائی بخشی ہے۔ اسطرح سے  
 بینائی پا کر دس برس کی عمر میں داخل مدرسہ ہوئے اور احادیث حفظ یا د کرنی شروع کیں  
 جب انکی تحصیل تمام ہو چکی تھی ایک نامی محدث داخل نامی اتفاقاً وارد بخارا ہوئے ایک روز  
 اس نوجوان بخاری ابو عبد اللہ نے محدث موصوف پر کچھ چڑچ کیا ہر خیر طرے کے سامنے وہ  
 جرح داخل بے ادبی تھا لیکن اسی کا کہنا صحیح نکلا اور اسی وقت سے بخاری موصوف احادیث  
 کی تحقیق اور فراہمی پر مستعد ہو گئے سولہ برس کی عمر میں ۱۵۰ھ ہزار احادیث یاد کر لیں رفتہ رفتہ  
 ۶۰۰۰۰ احادیث جمع کر لیں اور تحقیق و تدقیق کا یہ ہوا کہ ۷۰۰۰۰۰ احادیث جمع معلوم  
 ہوئیں صحیح بخاری میں جو انکی تالیف سے بہت بڑی کتاب ہے یہ سب حدیثیں مندرج  
 ہیں کہتے ہیں کہ ادل و ضو و کر کے در کثرت نماز پڑھتے تھے پھر حدیث کی تحقیق کرنے بیٹھے تھے  
 اور پھر یہ کہتے تھے اے میرے رب غافل سے محفوظ رکھ سولہ برس کامل ایک مسجد میں رہے  
 اور کمال عزت و توقیر سے ۶۴ برس کی عمر میں قضا کی۔

(۲) صحیح مسلم - مسلم ابن حجاج خراسان کے ایک شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے تھے، انھوں نے ۵۰ لاکھ حدیث جمع کی۔ کہتے ہیں کہ بڑے راست باز آدمی تھے اور جو کوئی اونسے کچھ پوچھتا تو خوشی سے بتاتے تھے وہ حقیقت ہی عادت انکی موت کا موجب ہوئی چنانچہ ایک روز جب معمولی جہیز میں بیٹھے تھے کہ چہ آدمی کوئی حدیث پوچھنے آئے انھوں نے اسے اپنی کتابوں میں ڈھونڈ لیا لیکن جب نہ ملی تو اپنے گھر اور اسکی تلاش میں گئے وہاں پر وہی لوگ چھوڑ کر کیڑوں کی طرح اڑے پاس لینگے شیخ موصوف چھوڑ کر کھاتے جاتے تھے اور وہ ڈھونڈتے جلتے تھے لیکن بد قسمتی سے اس قدر کھا گئے کہ آدمی سے فضا کی (سلسلہ ہجری ۳) سنن ابوداؤد - ابوداؤد جب ستانی متوطن سیستان سلسلہ ہجری میں پیدا ہوئے تھے یہ شخص بڑا سیاح تھا اور جہاں جہاں مسلمانوں کے دارالافتاء تھے وہاں گیا تھا علم احادیث اور دینداری اور اتقا میں بے نظیر تھا اسے ۵ لاکھ حدیثیں جمع کیں جنہیں سے ۴ ہزار ۸ سو اپنی کتاب میں درج کیں۔

(۴) جامع ترمذی - ابوعلی محمد ترمذی ترمذی سلسلہ ہجری میں پیدا ہوئے تھے یہ بخاری کے شاگرد تھے ابن خلقان کہتا ہے کہ یہ کتاب بڑے ذی علم کی تصنیف ہے اور صحت میں ضرب المثل ہے (لغات الرجل جلد ۲ ص ۶۷۹)

(۵) سنن نسائی - ابو عبد الرحمن نسائی شہر نسار واقع خراسان میں سلسلہ ہجری میں پیدا ہوا اور سلسلہ ہجری میں وفات پائی بڑی خوبی اور میں یہ تھی کہ ہمیشہ ایک دن کی فصل سے روزہ رکھتے تھے اور انکی چار جہیزوں اور بہت سے غلام تھے انکی کتاب بڑی معتبر سمجھی جاتی ہے انکی موت کا حال قابل افسوس ہے۔ انھوں نے علی کے اوصاف میں آیات کتاب تالیف کی تھی چونکہ دمشق کے لوگ اس زمانہ میں خارجیوں کی بیدینی کی طرف مائل تھے عبد الرحمن نے چاہا کہ وہاں کی مسجد میں اپنی کتاب سنناؤں تھوڑی ہی پڑھنے پانے کے تھے

کہ ایک آدمی نے اٹھکر پوچھا کہ علی کے جانی دشمن معاویہ کی تعریف میں کچھ جانتے ہو انھوں نے کہا نہیں اس جواب سے لوگ بہت غصہ ہوئے اور اسقدر زد و کوب کی کہ ٹھوڑی دیر کے بعد دم نکل گیا۔

(۶) سنن ماجہ - ابن ماجہ عراف بن مسلمہ ہجری میں پیدا ہوئے اوکلی کتاب میں ۴ ہزار احادیث ہیں۔

شیعہ ان کتابوں کو نہیں مانتے اور بجائے اسکے پانچ کتابیں اپنے مفید قائم کرتے ہیں اوکلی کتاب میں بہت مدت بعد کی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اوکلی اخیر کتاب نہ ہے ہجری کے بعد تالیف ہوئی وہ عقیدہ جس سے احادیث کی وقعت کا حال بھی معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ خدا کے تحت کے سامنے ایک لوح محفوظ رکھی ہے جس پر سب ہونے والی باتیں اور جو کچھ انسان کے دل میں آتا ہے اور آوے گا وہ سب صاف تحریر میں لکھا ہوا موجود ہے جس کی وساطت سے نبی کو لوح محفوظ کی باتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی کا کلام خدا کا کلام تھا اسلام کے چار بڑے فقیہوں میں احمد بن حنبل احادیث کے نہایت شہور جامع تھے کہتے ہیں کہ انھیں دس لاکھ احادیث سے کم یاد نہیں تھیں جن میں تیس ہزار حدیث سے اپنے اجتہاد میں کام لیا ابو حنیفہ جو صرف ۸۰ حدیثوں کو معتبر جانتے تھے انھوں نے ایسا مسلک قائم کیا جو آج تک تمام مسلمانوں میں نہایت مقبول

۱۔ یہ شخص بڑا متبرک محدث گذرا ہے اور تمام عالم میں جو احادیث کے تعلق میں کامل مہارت رکھتا تھا ابن خلقان جلد ۲ ص ۲۸۰

(۲) شیون کی پانچ معتبر کتابیں یہ ہیں کافی جسے ابو جعفر محمد نے ۱۹۱۱ ہجری میں حج کیا اس کا تصفیہ شیخ علی نے ۳۸۱ ہجری میں تہذیب اور استبصار شیخ ابو جعفر محمد نے ۴۶۶ ہجری میں بیج البلاغت سید رضی نے ۷۱۱ ہجری میں۔



ہے مگر سب حنفی اور نیز مسلمان احادیث کے چھوٹے مجموعوں کو منجانب اللہ اور امامی جانتے ہیں اور نسے بہت سے مطالب نکلتے ہیں اور قرآن کی تفسیر انھیں سے ہوتی ہے نبی کا حلیہ اور ان کے عقلی اور ذہنی اوصاف ان کے افعال اور ارادے سب حدیثوں میں جا بجا مذکور ہیں نہ یہی اعتقاد کی باتیں بہت سی احادیث پر مبنی ہیں اور مسلمانوں کی بہت سی رسوم ذہنی اور دھنی سے معلوم ہوتی ہیں جو شخص مدت تک مسلمانوں سے ربط و ارتباط اور راہ و رسم نہ رکھے اسے تحقیق بہت دشوار ہے کہ ان کے چلن رویہ اور ارادے کی قدر احادیث پر مبنی ہیں یعنی نیز بہت سے راہ و رسم کے یہ جاننا دشوار ہے کہ کونسی باتوں میں مسلمانوں کا عمل حدیث پر ہے حدیث کا فائدہ بیان کرنے کے بعد تھوڑی سی تفصیل اور قواعد پر سلیا تامل جو حدیثوں کے واسطے وضع ہوئے ہیں انہیں تحقیق میں جزوی فرق ہے کوئی کی طرح تقسیم کرنا اور کوئی کی طرح لیکن بیان مندرجہ ذیل محدثوں کی معتبر کتاب سے بیٹے ائمہ کیا ہے جو کچھ نہیں لے فرمایا ہوا اسے حدیث قولی اور جو کچھ کیا ہوا اسے فعلی کہتے ہیں اور جو کام لوگوں نے نبی کے سامنے کیا ہوا اور آپ نے اسے منع نہ کیا ہو وہ حدیث تقریری ہے پس کل احادیث اول دو قسم میں تقسیم ہو سکتی ہیں

اول حدیث متواتر وہ ہے جسکی صحت میں کچھ کلام نہ ہو اور اسکی اسناد میں راویوں کا سلسلہ متواتر اور مکمل ہو اور جو اوصاف محدث کو ضرور ہیں وہ سب اون راویوں میں ہوں علماء کہتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث بہت تھوڑی رہ گئی ہیں مگر اکثر اتفاق ہے کہ حدیث مندرجہ ذیل اسی قسم میں سے ہے۔ الاعمال بالنیات۔ کاموں کا مدار نیت پر۔

۱۔ اگر اسناد صحیح ہو تو نقص معنوی حدیث کی صحت پر حینان اثر نہیں رکھتا چنانچہ ایک قول اسی بات میں یہ ہے مثلاً شافعی نے پہنچا کہ اس کے روایت کی ہوا اور مالک نے نفی سے اور نفی نے ابن عمر سے پہنچا کہ مالک نے

مثلاً کوئی آدمی روزہ رکھے لیکن نیت نہ ہو تو اس روزہ کا کچھ ثواب نہوگا

دوسری حدیث احاد۔ عموماً متواتر کے بعد اس کا مرتبہ ہے لیکن اندر سے عمل دونوں برابر ہیں حدیث احاد بھی دو قسموں پر منقسم ہے۔

(۱) صحیح وہ ہے کہ اوسکے راوی پر سبب گزار اور نفس کشی کرنے والے اور چشمہ حافظ کے اور عیب سے محفوظ اور اپنے ہمسایوں سے صلح رکھنے والے ہوں۔ دوسرے عیب وہ حدیث صحیح میں جنہی تفصیل نیچے ہوگی اگرچہ ان کے اعتبار میں ان میں زیادہ استہین فرق ہے۔

میں ان میں اونکی وقعت کے لحاظ سے ترتیب دیتا ہوں صحیح حدیث میں وہ ہیں جو بخاری اور مسلم کے مجموعہ میں ہوں یا دونوں میں سے کسی ایک کے مجموعہ میں ہوں یا اگر ان دونوں مشہور محدثوں میں سے کسی کی کتاب میں وہ حدیث مذکور نہ ہو تو چاہئے کہ قاعدے کے موافق کسی دوسری حدیث کے مخالف یا مؤید ہو یا کسی معتبر جامع کے قاعدوں کے موافق نقصان سے محفوظ ہو تو ہر قسم کی حدیث کا جہاں نام ہے۔

۳۔ حدیث حسن۔ اس قسم کے راوی دو ایک اوصاف میں اول الذکر کی برابر وقعت میں رکھتے ہیں لیکن از روئے عمل یہ بھی اوکی برابر سمجھنی چاہئے (نور المداہیرہ) فقط قسم کے لحاظ سے اس کا مرتبہ دوسرا ہے ان ناموں کے ساتھ کچھ الفاظ اصطلاحی میں جو راویوں نے اوصاف ذاتی سے مثال اسناد وغیرہ کے متعلق ہیں ان میں سے بعض کا بیان اس جگہ پر (۱) حدیث ضعیف۔ وہ ہے کہ اوسکے راویوں کے اوصاف عیب سے خالی نہ ہوں اور

اور حافظ خراب ہو یا اس سے بھی بدتر ہوں یعنی بدعت کے عادی ہوں کہ یہ ایک ایسا امر ہے جو اس زمانہ کی طرح اوس وقت بھی ہر سچے مسلمان کی نگاہ میں سخت گناہ تصور کیا جاتا تھا اس پر سب اتفاق ہیں کہ حدیث ضعیف چنداں وقعت نہیں رکھتی ہے لیکن حدیثوں کے ضعف اور عدم ضعف میں سب کا اتفاق نہیں ہے۔ ایک ہی حدیث کو بعض ضعیف کہتے ہیں اور بعض نہیں کہتے ہیں

(۲) حدیث متعلق وہ ہے جس کا اسناد و کمین ٹوٹ گیا ہو۔ جو اسناد و تابع سے شروع ہوا (صحاب کے بعد جو لوگ ہوں وہ تابع کہلاتے ہیں) او سے مرسل کہتے ہیں۔ حدیث مرسل میں ایک سلسلہ کی کمی ہوتی ہے اور اگر پہلا سلسلہ کسی حدیث کا تابع کے بعد شروع ہوتا ہو گا اور نام ہے (۳) وہ حدیث میں جس کے متفرق نام ہیں یا تو اس سبب سے کہ اس کے راوی نے اپنے امام کے نام کو پوشیدہ رکھا ہے یا جہانگراویوں کا اتفاق نہیں یا کسی حدیث میں راوی نے اپنی طرف سے کچھ الفاظ ملا دیے ہوں یا یہ ثابت ہو کہ وہ راوی دور و غلو یا خاطی یا سو کرنے والا ہے لیکن میں ہر ایک کی مزید تفصیل اور تعریف کو غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کرتا ہوں کیونکہ اس قسم کی کوئی حدیث اتنی وقعت نہیں رکھتی ہے کہ اس پر کوئی مسئلہ قائم کیا جاوے۔ عام قاعدہ جو سب کے نزدیک مسلم ہے یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث مخالف قرآن نہیں ہو سکتی۔ حدیث کی وقعت کا حال اب اسبق میں مذکور ہے اس حدیث کی وقعت پر قرآن کی تفسیر کا محتاط انتظام موقوف ہے تنبیہ کے نزدیک قرآن و سنت یعنی خدا کا کلام جو بلا واسطے کسیکے پہونچا اور وہ کلام جو نبی کے واسطے ہے پہونچا ہو دونوں اسلام کی بنیاد بلکہ عین اسلام ہیں زمانہ حال کے جو لوگ اس طریق کی بڑی تعریف کرتے ہیں وہ اس بات پر لحاظ نہیں رکھتے ہیں۔

الحمد للہ الذی ہدانا لهذا ہذا ہوا لعلنا نعرفہ۔ اسی میں ان سب باتوں کا مفصل بیان موجود ہے۔ ۱۲۔

# تیسرا باب

## فریق اسلام

عموماً یہ گمان ہے اگرچہ اوسکے نادرست ہونے میں شک نہیں کہ محمد یون کے ہندو میں وضعی باتیں نہیں ہیں اور علماء میں کمال اتفاق ہے۔ اس باب میں بتانا چاہتا ہوں کہ بعض باتوں میں جو اصول ایمان سے بہن بڑے بڑے فرقوں میں کہ قدر اختلاف ہے اور اوسے اختلاف کے سبب سے اوکی عبادت وغیرہ کے طریقے مخصوص اور جدا ہیں البتہ بہت سی باتیں متفق علیہ بھی ہیں جن میں سے بعض کا بیان باب اول اصول اسلام میں ہو چکا ہے۔

اوسے باب میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے سب فرقے ایمان کے ضروری اصول پر متفق نہیں ہیں۔ سنی اور وہابی دونوں ایمان کے چار اصول مقرر کرتے ہیں اور شیعہ اہل سب حدیثوں سے جنھیں سنی اور وہابی معتبر کہتے ہیں منکر ہیں شیعوں کے عقائد و مسائل کا مفصل بیان باب مابعد میں ہوگا۔ اسی سبب سے باب مذکور سنی فرقہ کا ذکر بالکل قلم انداز کیا ہے۔

پہلا فرقہ اسلام میں ایک خانہ جنگی کے سبب سے ہوا تھا۔ اوس لڑائی کا حال سقر مشہور ہے کہ اس جگہ اوسکی تفصیل فی ذری ضرورت نہیں ہے۔ محمد صاحب کے داماد حضرت علی شنیوں کے چوتھے خلیفہ تھے۔ کہتے ہیں کہ ابتدائی مسلمانوں میں آخری اور سب سے لائق یہی تھو جنھیں مذہبی سرگرمی سے حضرت کی صحبت نے معمور کر دیا تھا اور جو مرتے دم تک سیدھے سادے طور پر حضرت کی متابعت پر کمر بستہ رہے اور انھوں نے

اپنے نبی کے کمال اتباع اور جلی غمیوں سے پچھلے لوگوں کو تعجب میں ڈال دیا ہے۔ باہم  
سنت مخالفت پیدا ہوئی اور علی کو فدی مسجد میں قتل ہوئے۔ موحین فریقین کے مخالف  
بیانات سے کل واقعات کی نفس حقیقت دریافت کرنی آسان نہیں لیکن علی العموم یہ گمان  
ایا جاتا ہے کہ علی کے قتل کے بعد اونکے بیٹے حسن نے اپنے باپ کے ہمسر یعنی معاویہ کی خاطر  
سے دعوے خلافت چھوڑ دیا تھا حسن کو آذربائیجان کی جو روئے رہبر دیدیا تھا کہتے ہیں کہ  
اوسے معاویہ نے بہکایا تھا کہ اگر تو زہر دیدے تو تیرا عقد اپنے بیٹے زید کے ساتھ کر دو گا  
مگر اس سے بھی زیادہ خوفناک واقعہ ہنوز پیش آنے والا تھا۔ زید جو اپنے باپ کے بعد  
آسکے تخت پر بیٹھا تھا نہایت عیاش اور بیدین آدمی تھا کوفہ کے لوگوں نے اوسکی حرکت  
سے ناراض ہو کر علی کے بیٹے حسین کے پاس اپنے اعلیٰ اس غرض سے روانہ کیو کہ خلافت  
اخیا کرین حسین کے ہوا خواہین نے کوفہ کے لوگوں کو سرکشی پر آمادہ کر کے اور اپنی  
حرکات سے اپنے ارادوں کا اظہار کر کے حسین کو بے سو و خلافت کی رغبت دلائی بڑی گھڑی  
میں حسین چھوٹا سا گروہ ہم سوار اور ایک سو پادوں کا ہمراہ لیکر جانب کوفہ روانہ ہوئے  
جب کربلا کے میدان میں پہونچے تو دیکھا کہ تین ہزار سپاہی راستہ گھیرے پڑے ہیں تو  
حسین نے کہا کہ ہم چند آدمی ہیں اور دشمن قوی ہے میں موت پر آمادہ ہوں مگر میں تمھیں عہد تھا  
سے بری کرتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ جو لوگ چاہیں مجھے چھوڑ کر چلے جا دیں لوگوں نے  
یہ جواب دیا کہ اسے بیٹے رسول اللہ کے کہ اگر ہم آج تجھے تیرے دشمنوں کے ہاتھوں میں  
چھوڑ دیں تو محشر کے روز تیرے نانا کو کیا جواب دینگے غرض کہ یہ جوانمرد ایک ایک کر کے  
کے ہاتھ سے تہ تیغ ہونے صرف حسین اور اوسکا ایک ہمراہ کا باقی رہ گیا۔ دراندگی اور تشنگی سے عاجز ہو کر  
حسین زمین پر بیٹھ گئے دشمن پاس آگئے لیکن یہ سبکی جرات نہ پڑی کہ نبی کے نواسہ کو قتل  
کرے۔ سچے کے کان میں ایک تیرا لیا آ کے لگا کہ جان بخل لئی حسین نے غمگین دل

سے جب اپنے بچہ کی نعش کو پیہر پر کھاتو صبر کر کے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون اور پھر  
 جب فرات سے پانی پینے کو جھکے تو دشمن نے موقع پا کر تیر مبرسائے تاکہ ایک تیر بہن میں  
 لگا۔ کچھ عرصہ تک جو انہر دی سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے لیکن آخر کار جب رضوں سے  
 بدن چور ہو گیا تو زمین پر گر پڑے۔ سخی اور شیون میں اب کامل تفرقہ ہو گیا محرم میں جو  
 رسوم ہوتے ہیں وہ انھیں واقعات پر دلالت کرتے ہیں اور عناد باہمی قائم رہتا ہے۔  
 اور یہ سمجھنا سراسر غلطی ہے کہ شیو شیون میں فرق صرف خلافت کی بحث ہے ملی تنازعہ سے  
 قطع نظر کر لو اگر دیکھا جائے تو دین کی باتوں میں شیون سے سراسر مختلف ہیں شیون کا  
 اصل اعتقاد یہ ہے کہ خدا کی طرف سے علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد سخی خلافت تھی۔ اس  
 نتیجہ نکلتا ہے کہ امام کا اتباع خاص مذہبی فرض ہے۔ اس سے بعض عجیب سائل نکلتے  
 ہیں امامت کی بحث بہت بڑی ہے امام عربی لفظ ہے جس کے معنی پیشوا بنانے کے ہیں اب  
 امام کا لفظ ہم معنی اداوی اور پیشوا کے ہے اسی معنی سے محمد صاحب کو اویز اور ان کے خلفاء کو  
 تمام امور دینی و دنیاوی میں امام سمجھتے ہیں چار بڑے فقیہوں کو صرف امور دینی میں پیشوا  
 اور امام کہتے ہیں لیکن ہماری بحث اس جگہ اول مبنی سے ہے اور اسی معنی میں اس کا استعمال  
 قرآن میں بھی ہوا ہے جو وقت ابراہیم کو اویسے رب نے کئی باتوں سے آزمایا تو اسے انھیں  
 پورا کیا تو خدا نے کہا کہ میں تجھے لوگوں کے واسطے امام کرنے والا ہوں۔ بولا۔ اور میری  
 اولاد سے تو خدا نے کہا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہونچے گا۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۴) اگر  
 آیت سے دو مسائل ثابت ہوئے ہیں اول یہ کہ امام خدائی طرف سے مقرر ہوتا ہے کیونکہ  
 اگر ایسا نہ تھا تو ابراہیم نے یون کہا اور اولاد میری سے دوسرے امام معصوم لینے لگتے  
 پاک ہوتا ہے کیونکہ خدا نے صاف کہہ دیا ہے کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہونچے گا۔  
 امامت کی اول بحث اون ۱۲ انہر آرمیون سے شروع ہوئی تھی جنہوں نے صفن کی لڑائی

(۶۵۷) کے علی سے بغاوت اختیار کی تھی۔ علی نے اس بحث کو جو اون کے اور معاویہ کے درمیان ہوئی تھی جماعت کے تصفیہ پر چھوڑ دیا تھا چند سال کے بعد علی نے اون سب آدمیوں کو براد کر دیا تھا۔ بعض اون میں سے جو جرح رہے وہ اطراف و جوانب کو بھاگ گئے اور آخر کار اون میں سے عمان میں آنا دھوئے۔ جہاں اونھوں نے اپنے عقائد کی تعلیم کی۔ رفتہ رفتہ مدت کے بعد عمان کے لوگوں کا یہ مذہب ہو گیا کہ امامت کوئی موروثی چیز نہیں ہے بلکہ پسند پر موقوف ہے اور بعد تقرر کے بھی اگر امام سے کوئی طغیانی سرزد ہو تو خارج ہو سکتا ہے۔ عبداللہ بن عبادؓ کے شیخین بڑا زبردست واعظ گذر رہے ادسی سے فرقہ عبادیہ کی ابتدا ہے نتیجہ اس تعلیم کا یہ ہوا کہ امام عمان کی حکومت اور قوت مستقل ہو گئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبادیہ فرقہ والے بغداد کے شعی خلیفوں سے ہمیشہ غمناک اور خود مختار رہے اور اسی سبب سے سلطان ترک کی متابعت سے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں شیعوں سے علی کی اور اون کی اولاد کی خلافت کے باب میں مختلف الراء ہیں جو شخص ان معاملات کو بغور دیکھنا چاہتا ہے وہ ڈاکٹر ٹیڈ گر صاحب کی کتاب سادات عمان میں کل مضمون کی تفصیل پاویگا۔ اسی زمانہ سے اون سب فرقوں کو خارجی کہتے ہیں جو امام کی ضرورت کے معترف ہیں اگرچہ اس مسئلہ کے کل خبیات میں مختلف ہیں۔ خارجیوں کی اس سیدنی کے نقیض میں شیعوں کا وہ مسئلہ ہے جسے وہ عین شرع کا مسئلہ کہتے ہیں شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امامت صرف علی کے خاندان میں قائم رہنی چاہیے۔ اور امام کی اطاعت دین میں لازم ہے۔ علی کے اور اون کے بیٹوں کے درو انگیز واقعہ نے انھیں عجیب ٹرہ دیا۔ جب شیعہ اپنے اماموں کی موت کی تکلیفیں یاد کر کے بخیرہ ہوتے تھے تو انھیں اس مسئلہ نے جو بہت جلد وضع ہو گیا تھیں کینجشی یعنی امامت علی کے خاندان میں نہ رہی چاہیے اس سطر تک ایک حدیث کا مضمون ہے کہ نبی نے فرمایا ”جبکہ میں ایک ہوں

اسکا علی بھی ہے۔ ابن عباس ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں نے نبی کو کتے سنا ہے جو میرے نام سے منکر ہے وہ خدا سے منکر ہے اور جو علی کے نام سے منکر ہے وہ میرے نام سے منکر ہے، فارسی میں ایک گیت بہت مشہور ہے اوس سے پایا جاتا ہے کہ عقیدہ کس افراط کو پہنچ گیا ہے۔

امروزات نہان تیری اوصاف کو کون بیان کر سکتا ہے  
تیری ذات کو کون پہچان سکتا ہے  
تیرے ہی سامنے ہر آدمی کو سرسبز ہوا جا ہے

کیونکہ تیرے ہی سبب سے ہے کہ انسان نے حکام الہی کو پہچانا  
عموماً مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ آدم کی پیدائش سے پہلے خدا نے اپنے نور سے ایک شمع لیکر محمد صاحب کا بدن بنایا اور پھر اوس سے یہ خطاب کیا کہ تو مقبول اور برگزیدہ ہے میں تیرے گھرانے کے لوگوں کو طریق نجات کا لہادی مقرر کر دوں گا، محمد صاحب نے کہا کہ خدا نے سب سے اول تیرا نور اور میری روح پیدا کی (الاول اخلق اللہ نورہ) شرح عقائد جامی ص ۱۲۳) نبی کا جسم کسی خفی طور پر مدت تک پوشیدہ رہا وقت مناسب پر خدا نے دنیا کو پیدا کیا لیکن وہ نور جس سے خدا نے محمد صاحب بنایا تھا اس وقت ظاہر ہوا جب آپ دنیا میں آئے مسلمانوں میں نور محمدی مشہور بات ہے۔

کتے ہیں کہ یہ نور چار قسم کا تھا۔ قسم اول سے خدا نے اپنا تخت بنایا۔ دوسری سے لوح و قلم بنائے۔ ایک روایت جو علی سے منقول ہے اسکا یہ مضمون ہے کہ محمد صاحب نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا ہے باقی اور مخلوق کو نور محمدی سے بنایا ہوا (قصص الانبیاء) یہ نور علی پر منتقل ہوا اونسے پھر اور اماموں کے جو برحق ہیں اور فقط وہی مستحق خلافت نبی میں پہنچاؤن سے روگردانی گناہ ہے اور انکی متابعت عین پنداری



سے امامت بے سلسلہ پر پوری بحثیں اور نہایت تفرقہ پڑ گیا ہے چنانچہ شیعہ کے بے شمار فرقے  
 سے ظاہر ہو گا۔ شیعوں کے عقائد امامت کی نسبت اوکی الہیات کی درسی کتاب حیات النفس  
 سے یہ ثابت ہوتے ہیں۔ امام نبی کا خلیفہ اور آپ کے فعل و اوصاف سے متصف ہونا اور  
 اپنے زمانے کے بڑے عقیدوں سے زیادہ عقیل اور عظم اور بڑے بہرہ کاروں سے یکبارہ  
 اولاد آدم میں عمدہ تر اور سب گناہوں سے پاک ہوتا ہے اس سبب سے (اوسے معصوم  
 کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ دالانی سے دنیا پر حکومت کرتا ہے اس واسطے انبیاء کا بھیجا ضرور ہوا  
 اور امامت کا تقریبی اوس قدر ضرور تھا اس واسطے امام کا مرتبہ نبی کے برابر ہوتا ہے  
 علی نے کہا جو نبی گذرے ہیں اور ان سب کا جلال مجھ میں ہے امام کا حکم خدا کا حکم ہے  
 (حیات النفس) سے نقل کرتا ہوں، امام کا کلام خدا نبی کا کلام اور اس کے حکم کی بجا آوری لازم ہے،  
 امام کی ذات نبی کی ذات کی مثل ہے کیونکہ علی نے کہا کہ "میں محمد ہوں اور محمد میرے لئے"  
 غالباً اس کو محمدی کی طرف اشارہ ہے جو ہر امام میں ہوا کرتا ہے اماموں کے بدن میں

علم شیعوں کا دعویٰ نسبت معصومیت اماموں کے رو من کتبوں تک سے زیادہ مقول ہے اور  
 وہ یہ ہے۔ اگر کسی شخص یا شخصوں کی نسبت یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ خطا و غلطی سے پاک  
 ہے کیونکہ ایک حقیقت کی حفاظت کے واسطے بے شک ایسا عقیدہ ضرور ہے اور سب باتوں میں  
 بھی جو اس مطلب حصول کے واسطے ضرور ہیں ایسا ہی عقیدہ رکھنا چاہیے پس چونکہ حفاظت معارف  
 و حقائق الہی کی محض عقل و ذہن سے نہیں ہو سکتی اس واسطے خطا و غلطی سے محفوظ ہونا ایک امر لازمی  
 ہے۔ یعنی یہ ضرور ہے کہ خطا کو دخل نہ ہو۔ اور وہ شخص یا اشخاص جن سے خطا و غلطی کو دخل  
 نہ ہو ضرور ہے کہ معصوم ہوں پس ضرور ہے کہ امام معصوم کی نگاہ باطن سے گناہ کی قدرت  
 بالکل معدوم ہو۔

پاک و لطیف ہونے کے اور بکاسا یہ نہیں ہوتا ہے۔ تمام چیزوں کی بند اور تباہی میں یا منکو  
 چھاننا عین معرفت الہی ہے۔ خداے پاک اماموں کو اپنا کلام اور اپنے ہاتھ اور اپنی  
 نشانیاں اور کسبہ مخفی بتاتا ہے۔ اور انکی اوامر اور نواہی کو بلکہ انکے افعال کو عین اپنی  
 افعال فرماتا ہے چونکہ امام خدا اور انسان کے درمیان وسیلہ ہوتا ہے اس سبب سے  
 اسکا اثر انبیاء سے بھی زیادہ ہے کیونکہ خدا کا فضل بغیر انکی وساطت کے کسیکو نہیں  
 پہونچتا ہے غرض کہ ان فضول و دعویٰ کا حاصل یہ ہے کہ اماموں کے واسطے آسمان و  
 زمین کے درمیان نور کا ایک ستون کھڑا ہے جس سے مومنوں کے افعال و خصلتیں معلوم  
 ہو جاتے ہیں امام ہمارا پیشوا اور اس دنیا میں خدا کا نائب ہے صرف قرآن ہدایت  
 کو مکتفی نہیں ہے۔ ایک ایسا ہادی جو خطا و سہو سے محفوظ ہو ضرور ہے لیکن ایسی حکمت  
 و دانائی جو امام کو لازم ہے صرف نبی کی اولاد میں ہو سکتی ہے پس کچھ تعجب نہیں ہے جو  
 بعض صورتوں میں علی کی اور انکی اولاد کی تعظیم خدا کی مانند کی جاتی ہے شیعوں کے اصول  
 مذہبی پانچ میں اول خدا کی وحدانیت کا یقین جانا (۲) یہ تسلیم کرنا کہ خدا عادل ہے  
 (۳) ایمان لانا اسپر کہ سب انبیاء خدا کی طرف سے بھیجے گئے تھے اور محمد صاحب  
 سب میں خاص ہیں (۴) یہ سمجھنا کہ محمد صاحب کے بعد علی خلیفہ ہیں (۵) علی کی اولاد  
 میں از حسن تا حدی دو آزدہ امام جو ہیں انھیں علی کا خلفاء برحق جانا اور کل وصاف  
 اور مراتب میں سب مسلمانوں سے برتر شمار کرنا یہی امامت کا مسئلہ ہے شیعوں کے  
 خاص و فرقیہ میں اسمعیلہ اور امامیہ آخر الذکر دو آزدہ امام کے معتقد ہیں علی کو پہلا امام  
 بتاتے ہیں آخری امام ابو القاسم کو سمجھتے ہیں کہ ہنوز زندہ ہیں اور کسی پوشیدہ جگہ میں  
 رہتے ہیں اور کھانا مہدی ہے (مہدی کے معنی ہیں ہدایت کیا گیا) مسیح کی مدثانی پراونکا  
 ظہور ہوگا کہتے ہیں کہ وہ مسیحی میں پیدا ہوئے تھے اور سب بعد غائب ہو گئے

جب پیدا ہوئے تھے تو ان کے واسطے بازو پر یہ آیت لوگوں نے لکھی بائی قل جاء الحق و زہق  
 الباطل ان الباطل کان زہوقاً۔ تو کہہ دے کہ اب حق ظاہر ہوا اور باطل غائب ہو گیا تحقیق  
 باطل ایسی چیز تھی کہ ناپید ہو جاوے (سورہ فزیل، ۸۳) جب وہ ظاہر ہوئے تھے  
 تو اوٹھکلیوں سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے چھینک لی اور یہ کہا کہ الحمد للہ رب العالمین  
 سب تعریف خدا کو ہے جو سارے جان کا پروردگار ہے۔ ایک روز کوئی شخص امام حسن  
 عسکری (گیارہویں امام) کے پاس آئے پوچھنے لگا کہ اسے نبی کے بیٹے تیرے بعد  
 کون خلیفہ اور امام ہوگا یہ سنکر امام ایک لڑکے کو لے آئے کہ اسے شخص اگر تجھے خدا کی  
 رحمت نہ بتوتی تو وہ یہ لڑکا تجھے ہرگز نہیں دکھاتا اسکا نام وہی ہے جو نبی کا ہے اس واسطے  
 وہ اذکا بنام یعنی ابو القاسم ہے۔ جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمدی ہنوز زندہ ہیں  
 وہ کہتے ہیں کہ انتہا عرب کے شہروں میں حکمرانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکی اولاد  
 بھی ہے واللہ اعلم بالصواب نفس حقیقت کو خدا ہی خوب جانتا ہے (روضۃ الائمہ  
 سید غرت علی دوسرا بڑا گروہ اسماعیلیوں کا سوائے امامت کے اور سب جزئیات میں  
 امامیہ سے متفق ہے انکے نزدیک چھٹے امام یعنی صادق کے بعد پوشیدہ اماموں کی خلافت  
 شروع ہوئی اذکا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی زمانہ امام سے خالی نہیں ہے مگر وہ ظاہر نہیں ہوتے  
 پوشیدہ رہتے ہیں یہ عقیدہ بہت لمبی تاریخ جاعتوں کا موجب ہے اور ترقیہ کی راہ اسی سے نکلتی  
 ہے جس سے اوس فرقے کے بتیرے لوگ وجود باری سے بھی منکر ہو گئے ہیں اس امر کا ذکر  
 آسرن صاحب کی کتاب اسلام در عہود عرب صفحہ ۱۶۸-۱۸۴ میں خوب ہے اوسے دیکھو  
 غیر ہمدی ایک چھوٹا سا فرقہ ہے جسکا عقیدہ یہ ہے کہ ہمدی کا طور پر نہیں ہو گا وہ کہتے  
 ہیں کہ ہمدی محمد جے پوری اصل ہمدی یعنی بارہویں امام تھے جو کبھی نہیں ظاہر ہوئے اور  
 انکی تعظیم نبی کے برابر کرتے ہیں اور ایسا سمجھتے ہیں کہ اور سب مسلمان منکراؤ کا فریب ماہ

رمضان میں شب قدر کو وہ لوگ جمع ہو کر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اور جب نماز ختم ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ خدا قادر ہے اور محمد نبی ہیں اور قرآن و مہدی درست و برحق ہے مہدی آمد و رفت مہدی آکر چلے گئے۔ جو کوئی اوسپر ایمان نہیں لاتا ہے وہ کافر ہے۔ اس فرقہ کے لوگ جوش نہر ہی بہت رکھتے ہیں۔ غیر مہدی کی ایک اور چھوٹی سی جماعت ہے جسے دائرے کہتے ہیں یہ لوگ صوبہ میسور میں بستے ہیں اور ادنیٰ رائیں مہدی کے باب میں عجیب ہیں چار سو برس کا عرصہ گزرا کہ ایک شخص سید احمد ناسے نے کچھ لوگ نظام حیدر آباد کے ملک سے جمع کر لئے اور سنہ ۱۸۵۷ء کو مہدی اور سب بیویوں سے بڑا طواغیت کیا۔ مسیحی مسلمانوں نے اسے اور اس کے مریدوں کو بہانہ کہ میسور کے غلغلیہ میں جو نظام کی عمارت سے ملتی ہے ایک گاؤں کو بھاگ گئے اب ادنیٰ اولاد قریب پندرہ سو کے وہاں رہتی ہے کہتے ہیں کہ وہ لوگ سوائے اپنے گروہ کے اور مسلمانوں سے شادی نہیں کرتے ہیں جمعہ کی معمولی عبادت امام کے اس قول پر ختم ہوتی ہے کہ مہدی آمد و رفت اس کے جواب میں اور لوگ کہتے ہیں جو کوئی اسپر ایمان لاوے کافر ہے۔

چند حدیثیں ایسی بھی ہیں جنہیں آخری زمانہ کی طرف اشارہ ہے جب زمانہ کا ایک دن رجا ویکا تو خدا میری اولاد سے ایسا ایک آدمی اٹھا دیکھا جو دنیا کو عدالت سے ایسی بھر دیکھا جیسے اس سے پہلے ظلم سے بھری تھی۔ ”دوسرے یہ کہ دنیا کا خاتمہ ہوگا جب تک زمین کا مالک ظاہر نہ ہو جو میرے خاندان سے ایک شخص ہے اور اس کا نام وہی ہے جو میرا ہے جب اسلام کو دسویں صدی شروع ہوئی تو تمام فارس اور ہندوستان میں فرقہ ملی نیرن کی سی تحریک ہوئی (عیسائیوں میں اس نام کا ایک فرقہ ہے جسکے عقیدہ میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی پر سب بھرے ناپید ہو جائیں گے اور نیاک لوگ آسائش سے ایک ہزار برس تک حکومت کریں گے)۔ لوگوں نے یہ کہا کہ آخر زمانہ

آپہونچا اور بتیرے لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ دو شخصوں کا اس سے پہلے ذکر  
 کر چکا ہوں باقی اور دان میں ایک شخص اعلیٰ آگرہ کا رہنے والا ہے (۹۵۶ ہجری) شہنشاہ  
 اکبر کے امی وزیر ابو الفضل کا باپ شیخ مبارک اعلیٰ کا شاگرد تھا جس سے خیالات مہدویہ  
 قائم رہے۔ تمام علما اس سے سخت ناراض تھے مگر ازاد منش اور بدین شہنشاہ اور  
 اسکے وزیر سے مجبور تھے۔ ہندوستان میں اکبر سے بہتر کوئی حاکم نہیں ہوا اور  
 باعتبار اسلامی دینداری کے اس سے بڑھکر کوئی بدین بھی نہیں ہوا۔ شہنشاہ اپنے  
 زمانہ کے باخون سے خوش ہوتا تھا دربار میں صوفیوں اور مہدیوں کی رعایت  
 ہوتی تھی دیندار علماء کے ساتھ تحقیر کا سلوک کیا جاتا تھا اکبر کو کامل یقین تھا کہ آخری زمانہ  
 آپہونچا چنانچہ اس نے نیا سن جابی کیا اور ایک جدید مذہب جسے دین اکبری کہتے  
 تھے نکالا۔ اسکے عہد میں سوائے متعصب مسلمانوں کے اور کسی مذہبی مزاحمت  
 نہ تھی ابو الفضل اوشل اسکے اور لوگ جو اکبر کی مذہبی راؤں کے تابع تھے اوکا یہ  
 خیال تھا کہ سچائی سب مذہبوں میں ہے۔

اے خدا ہر دہر میں لوگوں کو تیری تلاش کرتے دیکھتا ہوں  
 اور ہر زبان میں لوگوں کو بولتے سنتا ہوں کہ تیری حمد کرتے ہیں  
 بت پرستی اور اسلام سب تجھی کو بتاتے ہیں  
 ہر مذہب لکھتا ہے کہ تو واحد ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں  
 اگر سجدہ ہے تو وہ ان بھی لوگ تیری پاک عبادت میں مصروف ہیں  
 اگر کلیسا ہے تو وہ ان بھی تیری محبت سے گھٹھ بجاتے ہیں  
 کبھی سیخی خانقاہوں اور لمبھی مسجد میں جاتا ہوں  
 لیکن تو ہی ہے جس کی معبد بمعبد تلاش کرتا ہوں

اس عہد میں ایک شخص میر شہ اف ہزار سی کے منصب پر بنگالہ میں مامور ہوا تھا اکبر کی نگاہ میں اس کی خاص لیاقت یہ تھی کہ تنازع ارواح اور زمانہ آخری کے قریب کی تعلیم دیتا تھا یہ شخص محمود بنحوالی بانی فرقہ نقشبویہ کا شاگرد تھا۔ چونکہ یہ بھی شیعوں کا ایک جدا فرقہ ہے اس واسطے مختصر احوال اس جگہ لکھا جاتا ہے۔ محمود تیور کے عہد میں تھا اس نے مدی ہوئے کا دعویٰ کیا تھا اور آپ کو شخص واحد بھی کہا کرتا تھا اور یہ ایت نقل کیا کرتا تھا۔ عسی ان معینک ربک تھا محمد و اقرب ہے کہ تجھے تیرا پروردگار مقام محمودین بھیجے اسوہ بنی اسرائیل ۱۷ آیت (۸) اس سے وہ یہ استدلال کرتا تھا کہ آدمی کا بدن ابتدا پر پیش سے پاکیزگی کی ترقی پاتا تھا ہے اور جب وہ جسم خاص مقام پر پہنچے گا تو ایک شخص محمودیہ ابھریگا اور اس وقت محمد صاحب کا زمانہ ختم ہو جاوے گا اسونے خود محمدیہ ہونے کا دعویٰ کیا اسلئے تنازع کی تعلیم دینا تھا اور یہ کہتا تھا کہ سرشت کی ابتدا نقطہ خاک ہے اس سبب سے اس فرقہ والوں کو فقہ یہ کہتے ہیں ان کو محمودیہ اور وحید یہ بھی کہتے ہیں۔

شاہ عباس فارس نے انھیں ایسے ملک سے نکال دیا تھا۔ اکبر نے ان مغروں کو مدد پانی سے جگہ دی اور بعضوں کو اعلیٰ منصب عطا کیے۔ پس مدد ویت کا دعویٰ جسکی ابتدا شیعوں کے مسئلہ امامت سے ہے ایک عجیب واقعہ ہے اور اگر ایسے لوگ یہ ابھریں جو مدد ویت کا جھوٹا دعویٰ کریں تو کچھ تعجب نہیں لیکن یہ امر کہ بہت سے لوگ اونکے فریاد ہو جاتے ہیں ایسا امر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمیوں کے دل مضطرب ہتے ہیں جب تک کہ اونکے کامل باہمی نہ ملے اور یہ کہ انھیں ایک پیشوا اور مرشد کی کشتہ ضرورت ہے۔

شیعوں کی کل تعلیم جو اس باب میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات ہے کہ وہ کوئی شافع یا کوئی ایسا کلام خدا باپ کا چاہتا ہے جو خدا کو ادھر

فرزندوں پر ظاہر کرے ابتدا و نظریہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ امارت شاید مستند  
شیعوں کے مسیحیوں کے اس مسئلہ سے متفق کر دے کہ یسوع مسیح مجسم ہوا ہے اور خدا و انسان  
کے درمیان ایک واسطہ ہے اور اسکا کام یہ ہے کہ خدا کی مرضی کو ہم پر بخوبی ظاہر کرے  
اور ہمارے ارشد و ہادی ہو۔ (یعنی مسئلہ امامت میں اور یسوع کے کاموں میں ایسی مناسبت  
ہے جس سے امید ہوتی ہے کہ بہت جلد عیسائی ہو جاوے لیکن افسوس کہ دراصل  
ایسا نہیں ہے۔ شیعوں کے مذہب میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جنھوں نے اخلاق کو  
جڑ سے کاڑ دیا ہے۔ غیر دون سے پرہیز اور علیحدگی اس مذہب کا جزو اعظم ہے روزمرہ  
کے کاروبار میں تقیہ ان کے ایمان کا جزو ہے شیعہ پر کسی بات کا اعتماد نہیں ہو سکتا ہے درحقیقت  
غیر دون کے خوف سے اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھنا مذہب سے درست ہے۔

جب وہ تقیہ کرتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا کی طرف سے اپنی زمین اور دین کی  
باتوں کے اظہار کا حکم نہیں ہے اور جیسے آپ دین کی باتوں کے ترک کو گناہ جانتا  
ہے ویسی تقیہ کے انکار کو بھی برا سمجھتا ہے جب مہدی آویں گے تو البتہ ایسا اظہار مان  
ہوگا کہ سب ہندوستان جاتی رہنمائی اور کامل آزادی حاصل ہوگی بہتیری صورتوں میں  
ان کے اخلاق ایسے فروہ اور تہذیب ایسی خراب ہے کہ جو لوگ ایسے موقع پر زمین میں  
کہ روزمرہ ان کے حالات کو دیکھ سکیں ان میں باوجود تقیہ پر عمل کرنے اور شہر (یعنی  
میعادی نکاح) کے باوجود رکھنے سے شیعوں کی جماعت پر بڑا اور آغ لگ گیا ہے اور ان کی  
تہذیب بالکل بگاڑ گئی ہے

اس زمانہ کے ایک مؤسّس نے شیعوں کے طریق کی نسبت چ لکھا ہے اگرچہ  
ہر شخص پر وہ اوصاف نہیں صادق آتے ہیں۔

مغز نہ بھی ایک فرقہ ہے۔ ایک زمانہ میں انکا بہت زور ہو گیا تھا لیکن اب

یہ کوئی جدا فرقہ نہیں۔ باب ما بعد میں اوزکا کچھ حال لکھا جاوے گا۔ امامت کے مسئلہ میں جسے شیعہ کے مل فرقے مانتے ہیں شیعہ ادو شنی کے درمیان آنا بڑا فرق ہے کہ اسلام کے ان دو بڑے فرقے سے ملکی اتفاق کا بھی کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ میں بھی قبل ازیں بیان کر چکا ہوں کہ شیعوں کو سنت سے کس قدر انکار ہے اگرچہ حدیث سے انکار نہیں ہے۔ محرم کی سالانہ رسوم سے علی کی اور اونکے بیٹوں کی مصیبتیں اور ایرانی عداوت کی یاد بنو زبانی ہے۔ شیعوں پر اونکے بزرگوں کی بے ایمانی کا الزام ہے۔ اور خلیفہ ابو بکر اور عمر و عثمان غامد۔ یہ فرق خلافت تصور کئے جاتے ہیں اور محمدی کی شیعہ اونھیں میں ملی تھی جو محمد کے نور سے بنا ہو وہی امام اور مومنوں کا مرثہ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ آغاز اسلام کی خوفناک بے ترتیبیاں اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ اون لوگوں کو روحانی ہادی لینے امام کی سخت آرزو اور احتیاج تھی۔ یہ غیر ممکن تصور کیا گیا تھا کہ محمد صاحب جو آخر الزمان اور خاتم النبیین تھے مومنوں کو بغیر ایسے ہادی کے جو خدا کی مرضی ظاہر کرے چھوڑ دیے۔ یہاں پر اصل بیان کو چھوڑ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ بات سوائے شیعوں کے اور فرقوں میں بھی ہے۔ اور مسئلہ شرقی سے کس قدر تعلق بھی کہتی ہے جو دعویٰ امام کی نسبت انسان کی حیثیت سے زیادہ کئے جاتے ہیں اونے قطع نظر کر کے اگر دیکھا جاوے تو جو تعلق شیعہ کو امام سے ہے وہی تعلق شنی کو خلیفہ سے ہے۔ فیضی اور دنیادی سدا۔ اور نبی کا جانشین اور محافظ دین (جیسا کہ قرآن میں آیا ہے) اور سنت اور اجماع متقدمین مجتہدین۔ جانتے ہیں۔ شریعت کے احکام وہی جاری کر سکتا ہے جسے خدا نے اوس لائق کیا ہو۔ مثلاً جب سلطنت عثمان کے سلطان سلیم اول نے مصر کو ۱۵۱۷ء میں فتح کیا تو اسنے خلفاء بعد اود کے قدیم اولاد سے درخواست کر کے خلیفہ کا لقب اپنے واسطے منتقل کر لیا اسطرح سلاطین ترکی خلیفہ اسلام ہو گئے۔ یہ امر کہ متوکل بائند خیر



خلیفہ خاندان عباسیہ کا یہ فعل اپنی (تتقال لقب خلافت کا درست تھا یا ناما درست  
 بالفعل میرے بحث سے خارج ہے۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کو کون کون سا  
 احتیاج ایسے حاکم کی ہے جو خدا کی طرف سے مقرر ہو۔ محمد یون کی شرع کے بموجب  
 سلاطین ترک کی خلیفہ نہیں ہیں کیونکہ احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ یا امام  
 قریش کی قوم میں ہونا چاہئے جس میں خود بنے تھے۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی نے  
 فرمایا کہ خلیفہ قریش کے خاندان سے اور سوت تک ہوگا جب تک کہ قریش ہی ایک  
 حکومت اور دوسرا خدا سے کرنے کو امین باقی ہیں (مشکوۃ المصابیح) یہ ضروری شرط  
 ہے کہ خلیفہ قوم قریش سے ہونا چاہئے۔ (حجت الالبانہ) ہتھیرے اور ثبوت  
 اسی قسم کے ہیں اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ سب ترکوں کے اور شیونکو سلطان  
 ترک کا خلیفہ جاننا لازم نہیں ہے۔ رہے شیعہ موائد کے نزدیک سلطان بیدین کا فر  
 سے کچھ ہی بہتر ہے۔ اور جو شخص خلیفہ کی جگہ پر ہوگا یقیناً شیعہ اسے اپنا امام ہرگز  
 نہیں گراؤں گے۔ جو ملک ترکوں کی عملداری میں نہیں ہیں وہ ان جہہ کے دن سجدوں  
 میں اس عہد کے حاکم یا امیر کے نام پر جو کچھ اس ملک کے حاکم کا لقب ہو  
 اسی لقب سے خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اب کل سلطان کے نام پر خطبہ  
 پڑھنے کا زیادہ رواج ہو گیا ہے۔ اگر صحیح طور سے کہا جاوے تو یہ بات محمدی غلبت  
 کے مطابق نہیں ہے۔ شرع میں صاف لکھا ہے کہ خطبہ صرف حاکم کی اجازت سے  
 ہو سکتا ہے اور چونکہ ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کی حکومت ہے۔ اس واسطے کہ خطبہ  
 کے نام سے پڑھنا چاہئے تھا بجز ان ملکوں کے جہاں خلیفوں کا کہنا سننا چاہتا تھا اور  
 کمین کے مسلمانوں میں اس قاعدے کی پابندی نہیں ہوئی۔

سلاطین ترک کے جواز و دعویٰ خلافت پر شبہ وار کرتے سے میری غرض نہیں ہے

کہ شرع اسلام میں خلیفہ ہونا نہیں چاہئے۔ سو فہمی سے اسلام میں خلافت اور  
 سلطنت دین و حکومت کے درمیان ہمیشہ تنازع رہا ہے تاہم اسلامی میں اور  
 کوئی فساد اسکے برابر نہیں ہوا۔ جو تنازعات اور تقابلی ایک کا دوسرے کو روکنا  
 اور ایک کا دوسرے سے مسلوک ہونا کچھ ان دونوں دست خود مختار فریق کے درمیان  
 واقع ہوا ہے وہ مسیحیوں کی اعلیٰ کارگزاری اور اصلاح سال کے واسطے ہی مفید  
 ہوئی ہیں۔ اسلام میں خلیفہ پوپ اور شاہ شاہ دونوں ہوتا ہے یعنی دینی اور  
 دنیاوی دونوں امور میں وہی مختار ہوتا ہے (ابن خلدون کا بیان ہے کہ خلیفہ کے اور  
 اور حاکم کے درمیان یہی فرق کہ اول الذکر قانون اللہ کے مطابق اور آخر الذکر انسانی  
 قانون کے موافق حکمرانی کرتا ہے جب نبی نے اپنی پاک قدرت اور خلفاء  
 جانشین کو عطا کی تو آپ کے نکل اختیارات اور نہیں پہنچے۔ خلیفہ کا خضیہ یا علامہ  
 مقتول یا جلا وطن ہونا ممکن ہے لیکن جب تک اونکی حکومت کسی چیز پر مثل ضعی  
 آزادی کے ہے تب تک غیر ممکن ہے یورپ کے ممبروں میں یہ طبری غلطی اور صریح  
 بُرائی ہے کہ سلطان ترک کو خلیفہ اسلام جانتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو ترکی کوئی  
 جدید امر مصلحت ملکی کے مناسب نہیں نکال سکتے اور قدیم پابندی ہے ایک  
 قدم بھی نہیں بڑھا سکتا۔ سگریہ بحث اس بات کے مضمون سے جدا ہے۔  
 آغاز اسلام سے ایک قسم کی تحریک آجتا چلی آتی ہے جسے من قبل اسرار تصور  
 کرنا چاہئے اور یہاں نام تصوف ہے۔ فارسیوں میں اوسکار و ان علی مخصوص بہت  
 ہے۔ شرع کے سخت احکام اور تکلیف دہینے، الی رسوم کا بار دور کرنے کے  
 واسطے یہ وضع ہوا ہے۔ ایک ہزار سال سے اوسکار و ان ہے اگر اوس میں ترقی کا  
 کوئی مجزہ ہے اور اوسے اسلام سے ایسی نسبت ہے جیسی نمک کو پانی سے تو

دیکھنا چاہیے کہ کیا ثمرہ اوس سے مترتب ہوا۔ اول یہ دریافت کرنا چاہیے کہ اوسکا  
 ماخذ کیا ہے صوفی غالباً عربی لفظ صوف سے نکلا ہے۔ صوف کے معنی اون اور  
 پشمینہ کے ہیں مشرقی درویش عموماً اون لباس پہنا کرتے تھے بعض لوگوں کے  
 نزدیک یہ کلمہ فارسی لفظ صوف سے جسے معنی صاف اور نایاب کے ہیں یا یونانی لفظ  
 صوفیا جسکے معنی دانائی کے ہیں نکلا ہے۔ تصوف مجروح اسم ہے صوفی اسم صفت  
 سے اور مطابق رائے سروایم جو نیز و دیگر علماء زبانہ مشرقی کے کمال ذوق و  
 شوق عبادت کے اظہار کا مجازی طریق ہے جو بہت کچھ دیدانت مذہب سے متعارف  
 لیا ہے۔ خلاصہ اوسکا یہ ہے کہ انسان کی روحین خدا کی روح سے مختلف فی الترتیب  
 ہیں اور مختلف فی الاقسام نہیں سب روحین اوسی سے نکلی ہیں اور آخر کار اوسکی  
 طرف پھر لوٹ جائیگی جو کچھ اوسنے بنایا ہے سب بین اوسکی روح ہے اور وہی اس میں  
 ہے۔ اوسکی ذات واحد کامل محبت اور سراسر جمال ہے پس اوسیکاعشق اصل  
 چیز ہے اور سب بیچ۔ سعدی کہتا ہے شعر

بحقش کہ نافع جسم الم نمود ۛ وگرا نیچہ دیدم خیالم نمود  
 اوسی حق کی قسم ہے جب سے اوسنے مجکو جمال دکھایا پھر جو کچھ میں نے دیکھا ہیچ معلوم ہوا  
 دنیا کی زندگی معشوق کی خدائی کا زمانہ ہے۔ قدرت کی خوبیاں گانا اور بجاتا۔  
 اور طرح طرح کی صنائع خدا کی یاد دلاتی ہیں اور عشق عاشق کو اور طرف سے پھیر کر  
 اوسکی طرف رجوع کرتی ہیں۔ انسان کو ان چیزوں سے شوق رکھنا اور خلوت میں اپنے  
 خیالات کو خدا کی جانب رجوع کرنا اور اسی طرح اوسکی ذات سے قربت پیدا کر کے  
 آخر کار اعلیٰ مقام راحت میں پہنچنا یعنی فنا فی اللہ ہو جانا چاہیے۔ اصل مقصد اور  
 انجام انسان کی زندگی کا یہ ہے کہ اپنی ہستی کو بحج معرفت الہی میں غرق کر دے جیسے

پانی کا گولہ کہ دریا کے کنارہ پر اڑھتا ہے اور دم بھر میں غائب ہو جاتا ہے تمام صوفی  
 جنکا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب اسلام خدائی طرف سے مقرر ہوا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے  
 پیدا کرنے سے قبل جب سب روحیں جو روح الہی کے اجزا ہیں عالم ارواح  
 میں جمع تھیں تو خدا نے ان سے ایک عہد باندھا تھا ہر روح سے جدا جدا یہ خطاب کیا  
 سنت برکلم۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ یعنی میں تمہارے ساتھ یہ عہد باندھتا  
 ہوں۔ اس پر ان سب نے اتفاق ہو کر یہ جواب دیا کہ ہاں البتہ ایک عہد یہ بھی ہے  
 کہ آدم کے وقت میں تم معرفت ہو یا کیا تھا اس سے ایک درخت نوح کے زمانہ میں  
 پیدا ہوا۔ اور عہد ابراہیم میں اس میں پھول آیا اور موسیٰ کے گزرنے سے  
 پہلے بار ہوا اس عہد درخت کے انگور عیسے کے عہد میں پختہ ہوئے لیکن عتبک  
 کہ محمد صاحب کا زمانہ آیا کیسے ان انگوروں سے شراب نہیں بنائی پس جو لوگ اس  
 شراب سے مست ہیں۔ معرفت الہی کے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر اپنی ہستی کو بھول جاتے  
 ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مجھی کو سب تعریف ہے کیا کوئی مجھے بھی بڑا ہے میں ہی حق ہوں  
 صوفی اپنے مغرب عقائد کی تائید میں کہ مراد اس سے حصول معرفت الہی ہے اس  
 آیت کو پیش کرتے ہیں۔ واجب خدا نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین پر ایک نائب بنانا والا  
 ہوں۔ تو انھوں نے کہا کیا تو ایسے شخص کو ادھین رکھے گا جو فساد کرے اور خون  
 بہاؤے حالانکہ ہم تیری تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں (بقرہ ۲) کہتے ہیں کہ اس  
 آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ بہت سے لوگ زمین پر فساد کرنے والے بعضوں کو  
 نور الہی سے خدا کی معرفت بھی ملے گی۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ داؤد نے چھپا  
 اسے رب تو نے آدمیوں کو کسو اسطے بنایا اسنے فرمایا کہ میں کنزِ مخفی تھا اور میں آپ کو  
 ظاہر کیا چاہتا تھا۔ صوفی کا اصل مقصود اس خزانہ کو پایا اور نور الہی سے خدائی اصل

وقت کو حاصل کرنا ہے۔ آغا اسلام میں صوفیوں نے شریعت کے سخت احکام  
 کی پابندی سے آزاد رہنے کو یہ طریقہ اختیار کیا تھا اور بہ حنیفہ کہ جو دوست کا تخم اول سے  
 اونکے طریق میں ذوال دیا تھا لیکن وہ بھی اقرار کرتے رہے کہ ہم سچے مسلمان ہیں۔  
 البتہ کہتے ہیں کہ ہمارا طریق ایمان کے اصل اور قرآن و حدیث سے خوب وابستہ ہے۔  
 اس طریق کے بہتر سے لوگوں میں دینی شوق اور عشق الہی متا جس نے ناجائز قدرت کے بازو  
 کو اکثر روکا ہے اور اونکے مقولے جو خوبی سے بھرے ہیں یہ دالالت کرتے ہیں کہ وہ لوگ  
 روحانیت کے غریب یا بننے کی قدرت اور باطن سے سروکار رکھتے تھے اور انکی بغض تہین  
 بزرگانے کے لائق ہیں ایک معنی کہتا ہے جیسے مردہ کو کھانا پینا کچھ نفع نہیں پہونچاتا  
 ایسی ہی اس واقعہ کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی جو دنیا کی محبت سے بھرا ہوا پاک آدمی کو  
 اس سے کچھ سروکار نہیں اسکی غرض معرفت الہی اور رضا جوئی سے ہے جب تک  
 تیرا دل دنیا کی آفت سے خالی نہ ہو تب تک تو اس لائق نہیں کہ عالمان میں تیرا نام  
 لیا جاوے۔ اپنے نیک کاموں کو اسی طرح چھپاؤ جیسے اپنے گناہوں کو چھپانا  
 پاتا ہے ایک مشہور صوفی کو خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں لائے تو اونھوں  
 نے پوچھا کہ تجھے کس قدر استغناء ہے اوسنے جواب دیا تیرا استغناء مجھ سے زیادہ ہے  
 کیونکہ میں تو فقط اس جہان سے مستغنی اور تو اس جہان سے "اسی صوفی نے یہ  
 بھی کہا کہ عبادت کا اظہار آدمیوں کے خوش کرنے کو یا میں داخل ہے اور بندگی  
 کے افعال لوگوں کے خوش کرنے کو داخل شرک میں۔ اخیر دوسری صدی ہجری میں  
 ان مخفی عقائد نے تصوف کی صورت اختیار کی اور سوقت میں الحلاج نے بغداد میں یہ  
 تعلیم دی کہ میں حق ہوں۔ بہشت میں ہوں۔ سوائے خدا کے اور کچھ نہیں ہے  
 میں وحی ہوں جسے میں محبت کرتا ہوں اور جس سے میں محبت کرتا ہوں میں ہی ہوں ہم دو

روحین ایک ہی جسم میں رہتی ہیں جب تو اسے دیکھتا ہے تو بھٹے دیکھتا ہے اور جب تو  
 نہ بھٹے دیکھتا ہے تو اسی کو دیکھتا ہے ان باتوں سے عالم مسلمان زیادہ مخالف ہوئے  
 اور حکم دیا کہ علاج واجب القتل ہے تب خلیفہ کے حکم سے دسے کمانے گئے اور  
 آخر کار سخت تکلیفوں کے بعد مقتول ہوا غرض کہ اہل تصوف کے پہلے شیعہ و سنیوں میں سے  
 ایک نے اس طرح قصا کی لیکن باوجود سخت ایذاؤں کے اس طریق کو ترقی ہوتی رہی ۔  
 اشعار تصوف کے پوشیدہ مطالب سمجھنے کو اس بات کا بادل رکھنا ضرور ہے کہ صوفی  
 مالک ہے اور نزل مقصود معرفت الہی اور اس مشرب کے مسائل کو طریقت  
 یا راہ کہتے ہیں اس راہ میں پہلے سے اول اپنی ذات کو نیست سمجھنا ضرور ہے  
 ایک صوفی شاء لکھتا ہے

ایک قدم اپنی گردن پر اور دوسرا اپنے دوست کے ملک میں گاڑ چھہرتے  
 میں اوسکا جلوہ دیکھ + کیونکہ اور جو کچھ دیکھتا ہے بے اہل ہے شیخ سعدی ہستان  
 میں لکھتے ہیں اگر تو خدا کا دوست ہے تو اپنا نام تے کیونکہ خدا کے نام کے ساتھ  
 ایسا ذکر نہ کر ہے شیخ ابوالفیض نامی شاعر اور شہنشاہ اکبر کا دوست جس سے اوست  
 ملک اشعار کا مغز خطاب پایا تھا لکھتا ہے کہ بھینوں نے ہستی اور نیستی پر دروازہ کو  
 سد و زمین کیا ہے وہ دنیا اور عجبے کے سکون سے متمتع نہیں ہو سکتے ، ایک مشہور  
 شاعر یعنی خواجہ غفر دیکھتا ہے کہ میں تو ہے اور تو میں ہوں تو جسم ہے اور میں روح  
 ہوں اسلئے اب کوئی نہ کہے کہ میں تجھے اور تو مجھے جدا ہے ۔

اصل حال یہ ہے کہ نظم فارسی میں اکثر تصوف بھرا ہے نادانقت کو ایسے مضامین کے  
 پوشیدہ مطالب تک پہنچنا دشوار ہے اور جو شخص اس راہ میں نہیں داخل ہوا ہے  
 اور ایسے مضامین کے پوشیدہ معانی تک پہنچنا دشوار ہے ۔ لہذا ان لفظی اسپیٹسری

کی باتوں کو جو اکثر شرع ظاہر کے خلاف ہیں بیدنیوں سے چھپانا ہمیشہ سے ان ملکوں کے لوگوں کی خاص صفت ہے طریقہ اوست کی باتیں صوفیوں میں خوب کھائی جاتی ہیں مثلاً۔

اس سے پہلے کہ زمین پر کسی کا نام رکھا جاتا۔

اس سے پہلے کہ کوئی چیز جواب موجود ہے اور اس کا نشان پایا جاتا۔

اس سے پہلے کہ محبوب کی زلفوں نے جلوہ دکھائے کہ حرکت کی۔ اور بحسن

جلوہ اندری کے کوئی وجود موجود نہ تھا۔ میں موجود تھا۔ اسم اور سعی سب مجھے ظاہر ہونے ہیں

موجودہ سے پہلے میں یعنی ہم موجود تھے۔

وہی شاعر اسکے بعد یہ بیان کرتا ہے کہ میں نے سچی اور ہندو اور پارسی مذہب میں راحت کی فضول جستجو کی۔ اسلام نے بھی اسے تسکین نہیں دی۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں محبوب نظر آیا۔

بے سراغ اور اکیلی چوٹی اور میدان زمین کے گھیرنے والے قاف کے سب چھان مارے لیکن غم کا نشان نہ پایا + ساتون آسمان کو چھو آیا اور ساتون بہشت کو ڈھونڈ نکالا + لیکن مالک کا تخت کین نظر نہ آیا۔

میں قلم سے اور لوحِ تقدیر سے پوچھا۔

لیکن انھوں نے سرگوشی بھی نہیں کی کہ اس کے ڈیرے اور اس کا مالک کہاں ہے

میرے خیال نے بہت جستجو کی لیکن طلب کی آنکھ نے + الوہیت کا کچھ تہہ دیکھ

نہیں پایا۔

پھر میں اپنے باطن پر نگاہ کی اور دیکھوا اپنے ہی سفینہ کے اندر + اوست

پایا جسے میں ادھر ادھر موصول ڈھونڈھتا تھا۔

یہ کلام صوفیوں کے نہایت مقبر اور شہو شخص مولانا جلال الدین رومی کا ہے جو مولادی درویشوں کے فرقہ کے بانی گذرے ہیں۔ انہوں نے یہ حکایت بھی بیان کی ہے، ایک عاشق نے محبوب کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں ہوں۔ اسپر پھر آواز آئی کہ اس گھر میں میں اور تو دونوں میں ساکتے (یعنی بیان و دلی کی گنجائش نہیں چنانچہ وہ دروازہ بند رہا۔ عاشق خجل کوٹ گیا ایک مدت تنہائی روزہ اور نماز میں کالی جب ایک سال گذرا تو پھر اگر دروازہ کھٹکھٹایا۔ آواز آئی کون ہے عاشق نے جواب دیا تو ہی ہے۔ تو دروازہ کھل گیا۔ پس طالب کی اصل غرض اس زندگی سے یہ ہے کہ خالص عشق اور خدا کی ذات کی طرف توجہ کرنے کو دنیا کی کمزوریات سے بچا کسی مُرشد یعنی پیر کا مرید ہو سکے۔ اگر صوفیوں کے طریق کے موافق کوئی طالب معلومات حاصل کرنے چاہتا ہے تو درویشوں کے متعدد سالک میں ایک کو اختیار کرتا ہے اور مُرشد سے مناسب ہدایات پانے کے بعد طریقت میں داخل ہوتا ہے۔ پھر اس سے سالک یعنی اس راہ پر چلنے والے کتے میں سالک کا کام متلوک ہے یعنی صرف ایک خیال میں معرفت الہی کے محو ہو جاوے۔

اس راہ میں آٹھ منزلیں قطع کرنی پڑتی ہیں۔

(۱) خدمت سے ان سب میں خدا کی بندگی اور احکام شرع کی پابندی لازم ہے کیونکہ ابھی شریعت کی قید سے آزاد نہیں ہوتا ہے۔

(۲) عشق ہے۔ کہتے ہیں کہ سالک جب مقام عشق میں پہنچتا ہے تو تاثیر الہی اس کی روح اس قدر متاثر ہو جاتی ہے کہ دل سے خدا کا عشق رکھتا ہے۔



(۳) قناعت۔ جب عشق سے دنیا کی تمام خواہشات دور ہو جاتی ہیں تو اس مقام پر پہنچتا ہے اور تصوف کے جو کچھ دقیق تر مسائل ذات الہی کی نسبت ہیں ان کے سوچنے میں وقت صرف کرتا۔ یعنی اس مقام پر پہنچ کر تصوف کے معین قاعدوں کے موافق خدا کا تصور باندھتا ہے۔

(۴) معرفت۔ مقام سابق کا تصور اور ذہنی فکروں سے خدا کی ذات و صفات وغیرہ کی تحقیق اسی عارف کے مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے۔ عارف کے لفظی معنی میں پہچانتے والا۔

(۵) مقام وجد ہے دقیق مضامین پر متواتر تصور ذہنی رغبت کا موجب ہو کر ایسا ولولہ خوشی کا پیدا کرتا ہے جو خدا کی طرف دل کے متور ہونے کی علامت تصور کی جاتی ہے۔ اس کیفیت کو حال اور وجد کہتے ہیں۔ اس منزل کی رسائی بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ دوسرے مقام کا یقینی داخلہ ہے۔

(۶) حقیقت۔ اس وقت میں سالک پر خدا کی حقیقت کھل جاتی ہے اور اب وہ اس چہرے کی حقیقت دیکھتا ہے جسکی جستجو میں اتنی مدت سے مصروف ہے۔ یہ سلوک کا اعلیٰ مقام ہے۔ (۷) وصل ہے۔ خدا سے ایک دروازہ تھا جسکی کنجی مینے نہیں پائی تھی ایک حجاب ہائل تھا کہ مین دیکھ نہیں سکتا تھا۔

تھوڑی سی بات چیت میرے اور تیرے درمیان میں ہوتی کہ پھر میرا اور تیرا سب دور ہوا یعنی بعد وصل کے وہی جاتی رہی یہ حد ہے۔ سالک اس منزل سے آگے نہیں رہ سکتا اور بہت تھوڑے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچتے ہیں۔ غرض کہ طبعی ہمہ دوست سے اس طرح رواج پایا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ راحت و رنج خیر و شر اور خوشی اور ناخوشی سب اسی ذات قدیم کے ظہور میں۔

مذہب جو کشف ظاہر سے معلوم ہوا تھا اس منزل کو چند پونچنے والوں کے نزدیک گزری ہوئی چیز کی مثل ہے۔ شریعت کے حدود کی کچھ حاجت نہیں رہتی۔ جسکا وصل خدا سے کامل ہو جاتا ہے پھر اوس سے بدی نہیں ہوسکتی۔ خیر و شر کا مقولہ ہے کہ عبادت سے مقصود خدا کی محبت اور عشق ہے پھر۔ تجھے اسلام کی کیا حاجت ہے۔ اخیر منزل بعد موت کے حاصل ہوتی ہے۔

(۸) اوسے مقام فنا کہتے ہیں۔ طالب تمام متوجہ کے بعد اور سالک تمام دشوار گزار۔ ابون کو طے کرنے کے بعد جب پروہ اوٹھا کر دیکھتا ہے تو کچھ نہیں پاتا (افسوس کا مقام ہے) جب سالک منزل بمنزل بتدریج بڑھتا ہے تو مذہب کے قیود اور شرع احکام ظاہر کی پرواہ کم ہوتی جاتی ہے۔ صوفی کے مذہب میں عین خدا سے موافقت چاہئے اور جب یہ بات حاصل ہو جاتی ہے تو شرعی احکام اور دینی رسوم اور اخبار کے اعتبار میں اوسکے نزدیک فرق آجاتا ہے۔ کون قانون کسی کو خدا کے وصل سے روک سکتا ہے اور کون ظاہری طریقے اوس شخص کے حق میں نخل ہو سکتے ہیں جسے حالت وجد میں حقتعالے سے اوس کی بزرگ حقیقت کا کشف حاصل کیا ہو۔ احکام دینی اور روم کی پابندی محض مجازی معنی رکھتی ہے۔ عقائد بڑی بیڑیاں ہیں جو عیاری سے اسلئے بنائی گئی ہیں کہ روح کی پرواز کو محدود رکھیں۔ مذہب کے کل ظاہری احکام طالب کے نزدیک بڑی قید ہے پس اہل تصوف جو عقائد میں ہمہ اوست والوں کے مناسب اور عمل میں اکثر شرع کے مخالف ہیں ایسی قدرت نہیں رکھتے کہ اسلام کو جان تازہ بخشیں۔ یہ کوئی مستقل مذہب نہیں ہے جو گروہوں اور قوموں کی اصلاح حال کرے بلکہ ہندو خیال اور اسے کے ہے مسلمانوں کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں ساری قوم صوفی ہو۔

باوجود تمام معنی باتوں کے اور باوصفیکہ یہ وصف عمدہ ہے کہ نور مسرت اور  
حقیقت کی جستجو کیجاتی ہے تصوف کی علت غائی ماسوائے اللہ سے سراسر انکار  
ہے۔ پس صوفیوں کا طریق ہمہ اوست یعنی اسلام کی یہ پوشیدہ تعلیم جو مبتذلہ  
دینی تعلیم کے تصور کیجاتی ہے اسکا نتیجہ وہی ہے جو لقاء روح کے قائل نہیں اور کما ہے  
یعنی انسان کی آزادی سے انکار اور تمام دنیاوی راحت کی محرکات اور موجبات  
سے استغناء نتیجہ تصوف کا یہ ہوا کہ درویشوں کی سالک بکثرت مقرر ہوئی۔

ان درویشوں کو یا شرع مسلمان حقارت سے دیکھتے ہیں۔ پھر بھی انکی کثرت ہے  
ترکی میں آج تک انکا بڑا الحاظ کیا جاتا ہے فقط ایک شہر قسطنطنیہ میں فقیروں کے دو سو  
تئیس ہیں۔ ان درویشوں کا انتظام ایسا درست نہیں نہ وہ پابند ایسے سخت قاعدوں  
کے ہیں جیسے سبھی فقراء ہیں لیکن شمار میں ان سے بہت زیادہ ہیں۔ ہر مسلک کے  
افکار اور اشتغال وغیرہ مخصوص ہیں جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ عقلمندی کے اسرار کھلنے  
میں۔ انھیں بھی فقیر یعنی محتاج کہتے ہیں لیکن محتاج کا لفظ ہمیشہ اس معنی سے  
نہیں کہتے کہ وہ دنیا کے فقیر ہیں بلکہ اس معنی سے کہ وہ محتاج اور طالب خدا

(۲) ۹۴ درویش فارسی زبان کا لفظ مرکب ہے۔ در اور ویش سے در کے معنی دروازہ کے ہیں  
اور ویش مادہ ہے مصدر آدین کا جسکے معنی لٹکنے لگانے کے ہیں۔ چونکہ فقیر اکثر در بدر مانگتے پھرتے  
ہیں اس واسطے یہ نام رکھا گیا۔ بعض مسلمان بزرگ درویشوں کی نسبت بھیک مانگنے کو میوہ چانکر  
دوسری طرح تاویل کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ درویش مرکب ہے در یعنی دال مجہ سے جسکے معنی سولی  
کے ہیں اور ویش جسکے معنی مانند کے ہیں اور ویش امامہ و اش کا ہے میرے نزدیک پہلی وجہ  
اولا ہے۔ مگر عجائبات النعمات میں جو فارسی میں اچھی کتاب ہے دونوں وجہیں لکھی ہیں ۱۲

ہیں۔ بہت سے سالک کے درویش سوال نہیں کرتے اور انکے تکیوں میں ہر طرح کا سامان موجود رہتا ہے فقیر و طرح کے ہیں با شرع اور بے شرع با شرع و درویش شریعت کے موافق اپنے چلن طریق اختیار کرتے ہیں انھیں سالک یعنی شریعت کی راہ میں چلنے والے کہتے ہیں۔ بے شرع اگرچہ آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن شرع کے احکام پر نہیں چلتے انھیں آزاد یا مجذوب کہتے ہیں مجذوب اور آزاد اس سبب سے کہتے ہیں کہ دنیا کی افکار اور کاروبار سے آزاد اور بے تعلق ہوتے ہیں۔ سالک درویش وہ ہیں جو ذکر و شغل رکھتے ہیں۔ اون دیناری کے مدعیوں سے اصلاح اسلام کی کیا اُسید ہے جنکی تعلیمات اس نہج کی ہو جیسے بیان مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتی ہے۔

(۱) صرف خدا موجود ہے۔ وہ ہر شے میں ہے اور ہر شے اوس میں ہے تحقیق ہم خدا سے ہیں اور اوسکی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (سورہ بقرہ ۱۵۱)

(۲) کل محسوسات اور غیر محسوسات سب اوسی سے نکلتی ہیں اور حقیقت اوس سے جدا نہیں پیدا کرنا اوسکا ایک تماشا ہے۔

(۳) بہشت اور دوزخ اور کل احکام مذاہب مجازی ہیں جسکا مطلب صرف صوفی جانتا ہے۔

(۴) مذہب کی پروا نہ کرنی چاہیے۔ مگر حقیقت تک پہنچنے کی سیڑھی ہے۔ اس غرض سے بعض مذاہب نسبت بعض کے بہتر ہیں۔ مسلمانوں کا مذہب اسی قسم کا ہے اور تصوف اس مذہب کا فلسفہ ہے۔

(۱) ۹۵ ہجو صاحب نے اس مضمون پر عمدہ بحث کی ہے (دیکھو ہجو صاحب کی نوٹس درباب

(۵) بغیر روش میں کچھ اصلی فرق نہیں۔ کیونکہ سب ایک ہو جاتے ہیں اور انسان کے اعمال کا اصل خالق خدا ہے۔

(۶) نہ الٰہی مشیت نے آدمی کے افعال پر کرارے میں اس واسطے انسان اپنے افعال کا نشانہ نہیں ہے۔

(۷) روح جسم سے پہلے موجود تھی اور اس کے جسم نفس غصری میں مقید ہے مرنے کے بعد بہان سے نکلتی تھی وہیں کو لوٹ جاتی ہے یعنی خدا کے پاس۔

(۸) صوفی کا اصل مقصود یہ ہے وحدت کا تصور رہا نہ خدا اور اس سے تزکیہ باطنی اور کمال روحی حاصل کرے خدا سے وصل پاوے۔

(۹) بغیر خدا کے اصل کے یہ حاصل نہیں ہوتا ہے لیکن جو لوگ سیدھی راہ پر ہیں خدا انھیں مردودینے سے انکار نہیں کرتا ہے شیخ مرشد کو بڑی قدرت ہوتی ہے اس مقام پر ایک بستی کا مال لکھا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ کس طرح فقیروں کے فرقہ بین داخل ہوا اور اس قسم کی مجاہدی اور اشغال کرنے پڑے اس شخص کا فقیری نام توکل بیگ تھا اور اس کا بیان ہے، جب اخوند ملا محمد کی وساطت سے شیخ نمودار سے میری ملاقات ہو گئی تو بار بار کی آمد رفت سے آتش شوق ایسی دل میں شعل ہوئی اور تقصوت کا اصل حال دریافت کرنے پر اس قدر طبیعت کا جھان ہوا کہ رات کو بندہ اتنی نہ دن کو نہیں پڑتا تھا جب اس فرقہ میں داخل ہوا تو اول تمام رات جاگا اور سورہ اخلاص متواتر پڑھتا رہا۔

کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ پال ہے۔ نہ اس نے کسی کو جناب نہ وہ کسی سے جگیا ہے اور کوئی اس کی مثل نہیں ہے (سورہ ۱۲۱)

جو کوئی اس کو ۲ مرتبہ پڑھے اس کی مرادین پوری ہوتی ہیں۔ میںے چاہا کہ

شیخ میرے حال پر توجہ کرے۔ جب ہی میں اپنا شغل ختم کر چکا شیخ کے دل میں میری  
 مرثیہ سے جگمگ ہوئی اور مجھ پر رحم آیا۔ دوسری شب کو مجھے لوگ اوسکی خدمت میں  
 لے گئے۔ تمام رات اوسنے اپنے خیالات کو میری جانب مصروف کیا یعنی مجھ پر  
 توجہ ڈالے اور میں بھی مراقبہ میں مہم تن محو تھا۔ تین راتیں اسی طرح گزریں۔ چوتھی  
 شب کو شیخ نے فرمایا کہ اب ملائکہ اور صالح بیگ جو مراقبہ کرنا خوب جانتے ہیں  
 تو کل بیگ پر توجہ ڈالیں۔ چنانچہ اُنھوں نے شیخ کے حکم کی تعمیل کی اور میں جی  
 تمام رات قبلہ رو ہو کر مراقبہ میں مصروف رہا جب صبح قریب ہوئی ملک کے بند  
 کھڑے روشنی سی معلوم ہوئی مگر یہ تمیز نہیں ہو سکا کہ اوسکی کل یا اوسکا رنگ کیا  
 ہے۔ فجر کی نماز کے بعد مجھے شیخ کے پاس لے گئے اُنھوں نے مجھے دل کا  
 حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ نگاہ باطنی سے کچھ نظر آیا شیخ یہ سن کر زاریاں اُٹھ  
 اور کہا کہ تیرا دل سیاہ ہے لیکن وہ وقت قریب ہے کہ میرا دیدار تجھے صاف  
 نظر آوے گا پھر اُنھوں نے یہ فرمایا کہ بروہی بھلا میری صورت کا تصور باندھ اور پھر میری  
 آنکھیں بند کر کے حکم دیا کہ اپنے کل خیالات کہ مجھ پر جو غور کرتے ہیں کیا اور ایک  
 لمحہ میں شیخ کے فیض باطن سے میرا دل لٹل گیا پھر اُنھوں نے مجھے پوچھا کہ بتاؤ تو نے  
 کیا دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے یہ نظر آیا کہ کوئی دوسرا توکل بیگ اور دوسرا  
 ملائکہ بیٹھا ہے۔ پھر میری آنکھوں سے پی کھول دی اور میں نے اپنے روبرو دیکھا  
 جب پھر میرا دھانک دیا تب بھی نگاہ باطنی سے وہی شیخ ویسی نظر آیا۔ تب  
 میں نے متحیر ہو کر یہ نعرہ مارا کہ اے آقا خواہ نگاہ جسمانی سے دیکھوں خواہ روحانی سے  
 ہمیشہ تجھی کو دیکھتا ہوں۔ اسی میں ایک پیکر نورانی ظاہر ہوئی شیخ نے مجھے فرمایا کہ  
 دافسے کوچہ کہ تیرا نام کیا ہے میں نے اپنے دل میں یہ سوال کیا اور پیکر نے بھی میری دلو

جواب دیا کہ میں عبدالقادر جیلانی ہوں اور میں ہی نے مدد کی کہ تیرا دل کھل گیا یہ نیکو مین  
 نہایت متحیر ہوا اور عرض کیا کہ میں ہر جمعہ کی شب کو سارا قرآن شیخ کے نام پہ ختم کیا کرونگا۔  
 پھر ملا شام نے کہا کہ اب تو عالم ارواح کی سیر تجھے خوب دکھا دی تین بھی پھر شیخ کا نسبتاً  
 ممنون اور مطیع ہو گیا۔ دوسرے روز مینے بنی کو اور ان کے اصحاب کو اور اولیا اور  
 ملائکہ کو دیکھا۔ تین مینے کو بعد میں ایسے تاریک مقام میں پہونچا جہاں وہ سو تین پھر نظر  
 نہیں آئیں۔ اس عرصہ میں شیخ نے وحیات اور معرفت کے اسرار مجھے سمجھائے لیکن  
 ہنوز مجرّد حقیقت نہیں بتائی جب ایک سال گزر گیا تب میرا تصور اصل وحدت تک پہونچا  
 پھر مینے شیخ سے اپنی اس کشف کا حال بایں الفاظ بیان کیا۔ کہ میں اپنا بدن محض  
 بمنزل پانی اور مٹی کے تصور کرتا ہوں۔ اب مجھے نہ اپنے دل کی نہ جان کی کچھ پروا ہے۔  
 افسوس میری اتنی عمر تیری جدائی میں کٹی حالانکہ مجھ میں اور تجھ میں دوئی نہ تھی۔ مگر  
 میں نہیں جانا۔ شیخ خوش ہوا اور کہا کہ اب وصل کے مقام پر پہونچ گیا۔ پھر دن لوگوں  
 سے جوا و سوقت موجود تھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ توکل بیگ نے مجھے تعلیم پائی باطن  
 کی آنکھ کھل گئی اور ایوان اور اشکال کے مقامات او سے دکھا دیے۔

اب وہ مجاز کی سیڑھی سے گزر کر ایسے مقام پر پہونچا جہاں کچھ رنگ نہیں ہے۔  
 وحدت کی حقیقت او سے معلوم ہو چکی ہے سلوک اور توہمات او سپر قابو نہیں پا رہے۔  
 کوئی شخص وحدت کو طرہی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا ہے جب تک نگاہ باطن قوی  
 اور قادر نہ ہو، میں اس ضمن میں کو بغیر غریب خیاں کا تصور اس حال لکھنے کے ختم نہیں کر سکتا  
 غریب خیاں فارس کا نام و نجومی شاعر تھا۔ بعض لوگ او سے صوفیوں میں جانتے ہیں کیونکہ  
 اس کے اشعار کا طرز اہل تصوف کا سا ہے۔ لیکن دراصل وہ بد مذہب سا تھا۔ او نے  
 بہت تھوڑا لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے ہمیشہ یادگار رہے گا۔ نجومی ہونے کی حیثیت سے

لائی لیا ہے شہنہ ہجری میں اس نے قضا کی۔ اس کے تھا کہ میں دو وجہ سے فرق کیا  
 اول اس جیسے زیرک آدمی کو اسلام کا سخت اور تنگ طریق نہایت ناگوار ہو چکا تھا  
 دوسرے اس کی عالمانہ طبیعت کو تصوف سے جہنم ریا کو بڑا دخل ہے اور بڑے بڑے کرم  
 اکثر عیار اور فریبی ہوتے ہیں۔ چندان مناسبت نہ تھی۔ یہ صحیح ہے کہ بعض عمدہ صوفیوں  
 میں بہت ساری باتیں اسی بھی ہیں جسے پایا جاتا ہے کہ انھیں محض دنیاوی نیکی سے غیبی کا  
 خیال زیادہ ہے یعنی فی الجملہ خدا کو پہانتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے ساتھ ایک  
 غرور روحانیت کا ایسا لگ گیا ہے کہ دنیا اور اس کے سب احکام اور نئے نزدیک و خل  
 شریں۔ اور دین و دنیا کو ایسا متروک کیا۔ ہے کہ دونوں برابر گئے ہیں۔ ہمہ اوست  
 نے تصوف میں ایسا گھر بنایا ہے کہ پھر آدمی کو اپنی مرضی پر چلنے اور اپنے نفس کو سمجھانے  
 کی گنجائش نہیں رہتی۔ اخلاقی شریعت تقویم پارہ ہو گئی ہے۔ بیدنیوں نے شریعت  
 کی غلامی اور قیود سے آزاد ہونے کو دینداری اختیار کی پس جو تحریک کہ اول کسی اعلیٰ  
 اور عمدہ مقصد سے پیدا ہوتی تھی۔ آخر کو بدی کی شمر ہوئی اور نتیجہ خراب نکلا۔ جو ہمارے  
 پھیل کر سیراب کرنے والا دیا ہونا چاہئے تھا وہ اب وسیع دلیل ہو گئی ہے جسے  
 وبا و موت کے بھرے ہوئے بخار نکلتے ہیں۔ عمر خیام کو یہ کل کیفیت معلوم ہوئی ہو  
 اور جمہور خوشی کے اظہار سے اپنے دل کا حزن و ملال فضول چھپایا چاہتا ہے۔  
 اس خیال سے کہ اگر ظاہر پر پردہ پڑ جاتا ہے تو اس کو کون سمجھے گا۔  
 فنا کے میدان میں ایک لمحہ رہتا ہے۔  
 پل بھر زندگی کا مزہ چکھتا ہے۔

ستارے ڈوب رہے اور قافلہ عدم کو روانہ ہوتا ہے اسے چلنے والی بلدی کرو  
 اسے ساقی جام کو لبریز کر بار بار اس کو منے سے کیا فائدہ کہ زمانہ ہمارے پیروں کو کھلا جا رہا ہے۔



کل کی موت کا کیا غم ہے۔

اگر آج لطف سے گزرتی ہے

غم خدام یہ سمجھتا تھا کہ دنیا ہی میں جو کچھ ہے سو ہے عقلمانی اور سکے نزدیک کوئی چیز نہ تھی آدمیوں کے سب معاملات کو امور اتفاقی سے جانتا تھا ہر آدمی کو بیکسی اور لاچار کی راہ اختیار کرنی ضرور ہے رات اور دن ایک بساط ہے۔

جسپر تقدیر آدمیوں کی مہروں سے بازی کھیلتی ہے۔

اوجھر اور دھڑکتا اور سکھتا ہے کبھی برابر ہتی ہے اور کبھی مٹھ مار لیتی ہے لیکن ایک ایک کر کے سب کو آخر شہیت لگی۔

چلتی ہوئی اور کھلی لگتی ہے اور لکھکر چلی جاتی ہے پھر تیرا سارا القاد اور ہوشیاری چاہے کہ اسے (یعنی اور کھلی کو) ادھی سطر میٹھے کو لوٹال بلا دے۔

یا اپنے تمام آنسوؤں سے ایک لفظ بھی دھو ڈالے تو نہیں ۷

نہ آسمان سے نزمین سے کہیں سے اسنے اپنی اس فریاد کا جواب نہیں پایا۔  
دانشمندان اور بزرگوں سے بحث کی اور بڑی بڑی دلیلین سنیں لیکن ہمیشہ جس دروازہ میں گھسا تھا اس سے نکل آیا۔ حق حق اور بقی حق دانشمندان پر جھوٹی کیونکہ اس کے نزدیک صرف ایک بات حق تھی اور سب جھوٹ تھا۔  
یعنے جو پتھول ایک متر کھلتا ہے وہ ہمیشہ کو مچھا جاتا ہے۔ آدمیوں کو چھوڑ کر

نجر (قدرت) پر اٹل ہوا لیکن آدمیوں بھی وہی بات پائی۔

نزمین کے مرکز سے ساتویں آسمان تک گیا۔

اور زحل کے تخت پر بیٹھا۔

بھیری دقیقین راہ کی آسمان لکین۔

پر ایک عقدہ انسان کی موت اور تقدیر کا حل نہ کرایا۔

اور وہ اندر دلیلہ جسے ہم آسان کہتے ہیں۔

جسکے اندر پڑے ہوئے جیتے ہیں اور مر جاتے ہیں

اپنے ہاتھ مدد کے واسطے مت اٹھائیگز۔

وہ بے اختیاری سے میرے اور تیرے مانند گھومتا ہے۔

عمر کا عقیدہ لکڑیس کا سا ہے دونوں اس بات کے قائل تھے کہ روح ذاتیاً  
میں جسم سے جدا نہیں ہے۔

عقبے کے حیات کا کیونقین نہیں تھا۔

لکڑیس نے اپنے واسطے ایک مذہب بنایا۔ اسکے اشعار کی غرض میں تعلیم

ہے کہ دنیا ایک کل ہے جو خود بخود حرکت کرتی ہے تعلیم پہنچاتی ہے کثرت مبعود پر

اور یہ کہ آخرت کوئی چیز نہیں لیکن مرنے کوئی مذہب نہیں بنایا وہ اپنے شکوک

پر یحییٰ کیوں کو ظاہر کرتا ہے اسے یہی پسند ہے کہ اپنے مخالف دعویٰ کا اندازہ

کرتے شک کے مقام میں پڑا رہے۔ اس کے اسی دنیا میں خاتمہ ہے۔ اور کوئی

دوسرا عالم نہیں۔ لکڑیس کو گراں نہ تھا۔

لیکن عمر جبکہ عقل اگر اجازت دیتی تو فوراً عقبے کا اعتراف کرنا کمال رنج و

افسوس سے سخت مایوسی کے کلمات لکھتا ہے۔

اس بات سے کچھ خوش نہیں کہ کین کچھ سہارا نہیں۔ اور ہر چند جامے

طلب کر کے سیرگاہ سے یہ شور اٹھتے ہوئے شفتا ہے کہ اے بچو اٹھو اور جام بھر لو

اگر عمر نے بظاہر بدینی کو اختیار کیا لیکن نقین کامل نہیں کہ درحقیقت ایسا بدعقیدہ ہے۔ اور اگر اس کے زمانہ

قبل از انکہ زندگی کا پایالہ بر سرِ تیر ہو۔

با این ہمہ اس وقت پر بھی اوسکی نگاہ ہے جس وقت میں کہ دانش کے اقرار کرنیوالوں کے ساتھ یہ کر سکتا تھا کہ

نکلت کا تنہا ونکے ساتھ مینے بویا۔

اور میری ہی ہاتھ کی محنت سے اوکا۔

فرقہ وہابیہ کا بانی محمد بن عبدالباق تھا جو نجد کے ایک فرقہ میں پیدا ہوا

تھا۔ وہابی آپ کو موصوفہ (یعنی توحید کے ماننے والے اور شرک سے بچنے والے) کہتے ہیں لیکن انکے مخالفوں نے محمد کے باپ کے نام پر اس فرقہ کا نام رکھ دیا یعنی وہابی کہتے ہیں۔

محمد بڑے دانشمند اور زبردست جوان مزاج کے سنی تھے۔ عربی کی تحصیل سے فارغ

کے حالات پر ہی ناگزیرین تو عمر خیام کی غلیوں پر کچھ ہو سکتا ہے۔ اوسکی صاف اوچختہ عقل

نے اس مروج تفسیر سے جو اس زمانہ کی سرگرم طبیعتوں کا من تھا۔ انحراف کیا اور ان

عیاروں سے جہلی ساری دینداری اور سرگرمی محض ریا کے پیروی میں تھی گھیرا تھا کیونکہ اذکی مباح

طبیعت کو ایسی باتیں بڑی گراں تھیں۔ اور اس باریک زمانہ میں اگر کوئی فکر مند مسلمان اپنے

حال کی اصلاح کرنا چاہتا تو اسلام سے باہر کدھر جانا کوئی پادری ایسا نہ تھا جو فارس کے

لباؤں پر نو تجزی ہو چکا تھا۔ مسیحی جو اس سرزمین میں رہتے تھے وہ اسے بت پرست معلوم

ہو۔ تہ ہونگے۔ سعدی کے احوال میں ایک مصنف لکھتا ہے۔ مذہب عیسوی سے جو کچھ تعلق انھیں

ہوا تھا وہ صرف اس قدر ہوا کہ طرابلس میں عیسائی مجاہدون نے گرفتار کر کے غلام بنایا تھا یہی

محمد انی فارسی عالم ادب کے زمانہ عروج میں رہی ۱۲ (کلکتہ ریویو نمبر ۴۹)

ہو کر حقیقی مذہب کے مسائل سیکھے۔ پھر اپنے باپ کے ساتھ حج کو گیا اور مدینہ میں رہ کر شریعت کی مزید تعلیم پائی پھر چند مدت تک اصفہان میں علماء کی محبت میں رہا۔ وہاں سے عالم ہو کر اپنے مولد یعنی قریہ عینہ کو مراجعت کی جہان کہ ایک مدت تک وہیں کی تعلیم دیتا رہا۔ اسکو یہ تھا دیکھنا بڑا اصرار ہوا کہ عرب نے پیغمبر کے طریقوں کو جنہیں کس طرح تغیر نہیں ممکن تھا بدل ڈالا ہے اور عیدیں و عشرت میں لڑنے لگے ہیں عمدہ پوششیں رکھتے اور لباس ریشمی پہنتے ہیں۔ زیارت گاہوں اور تبرک مقامات کے سفر میں جس وسعہ کو مانتے ہیں جس سے رسول اللہ کے دین میں خلل آگیا ہے۔ اوسنے دیکھا یا ایسا سمجھا کہ بزرگوں اور ولیوں کی تعلیم لوگ اس قدر کرتے ہیں کہ تو حید میں نقصان (یعنی شرک لازم آتا ہے) اسکا سبب نہایت ظاہر تھا قرآن اور سنت کو بھول گئے تھے۔ بزرگوں کے اقوال اور چاروں اماموں کے اجتہاد کی پیروی کرتے تھے۔ اسواسطے اسے بڑا کام کرنا تھا۔ جماعت اسلام کی اصلاح اور لوگوں کو کتاب و سنت کی پیروی پر جیسا کہ صحابہ نے فرمایا تھا لانا ضرور تھا یہ سچ ہے کہ سنی مقابلہ کو اونٹھے اس سبب سے کہ انکے اماموں کی وقعت اور تقلید میں فرق آتا تھا لیکن اس سے کیا ہونا محذور خود غنی تھا اب وہ ابو حنیفہ کے ترک تقلید پر آمادہ ہو گیا کیونکہ سنت کے باب میں بخیر اصحاب نبی کے اور کسی کا قول مقبول نہ تھا۔ (اسواسطے اسنے بزرگ امام کی تقلید چھوڑی اور اپنا مسلک الگ جاری کیا۔ اوسنے کہا کہ مسلمان حجاج نبی کی قبر اور علی کی زیارت کو اور ولیوں کو پوجتے ہیں اور اوسکے مزاروں پر سعی کرتے ہیں (یعنی گھومتے ہیں) اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے دین دنیا کی مرادیں برآتی ہیں کس چیز سے مراد دین مانگتے ہیں۔ کیا مٹی اور پتھر کی دیواروں سے۔ کیا مردہ نعشوں سے جو قبروں میں دفن ہیں۔ اگر تم اوسے پوچھو تو جواب یہ دینگے کہ ہم ان چیزوں کو معبود نہیں کہتے بلکہ اوسے یہ عرض کرتے ہیں کہ خدا سے ہمارے واسطے سفارش کریں لیکن نجات کی اصل راہ یہ ہے کہ اچکھا دیکھے سامنے جھکا دے جو ہمیشہ

موجود ہے اور اوسکی تعلیم و پرورش کرے جسکا کوئی ساجھی یا برابر نہیں، ان باتوں سے مخالفت پیدا ہوگئی اور محمدؐ نے ایک سردار محمد بن سعد سے پناہ چاہی۔ اوسنے وہابیوں کے معاملہ میں بڑی مدد پہنچائی۔ یہ شخص بڑا جبری اور الوالغرم تھا، اسنے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جس مقام پر قبضہ کرو وہاں کے جوالون کو تہ تیغ کرو اور جب قدر چاہو لوٹ مار کر لو لیکن عورتوں کو مت مارو اور انکی عصمت میں رخنہ نہ ڈالو۔ لڑائی کے دن ہر سپاہی کو ایک خط دیا کرتا تھا کہ اس سے غلبے میں کچھ حساب نہ لیا جاوے یہ خط ہشت کے وار و فر کے نام ہوتا تھا ایک تحصیل میں اسے بند کر دیتے تھے جسے سپاہی اپنے گلے میں ڈال لیتے تھے۔ سپاہیوں کو یہ ترغیب دی جاتی تھی کہ جو لوگ لڑائی میں جان دینگے وہ سیدھے بہشت میں جاوینگے منکر نیکر قبر میں اونسے کچھ حساب نہ لینگے۔ جو لوگ لڑائی میں مارے جاؤ تھے انکی بیواؤں اور یتیموں کو زندہ آدمی محتاج یا محتاج سے خبر گیری رکھتے تھے۔ پس ایسے لوگوں کو جنکے دلوں میں شوق کی آگ اوس چیز کی جانب بھڑک رہی تھی جسکو وہ حق جانتے تھے اور جو صورت فقیہانی کے غنیمت پاتے تھے اور جو صورت مقتول ہونے کے سیدھے بہشت کو جاتے تھے کونسی چیز جنگ سے روک سکتی تھی۔ ایک مدت کے بعد محمد بن سعد نے ابن عبدالوہاب کی بیٹی سے شادی کر کے وہابیوں کے خاندان کی بنیاد ڈالی جو آج تک "ریا پر حکومت کرتا ہے۔ الغرض آغا اس فرقہ کا اسیطرح ہوا جو رفتہ رفتہ

(۱) وہابی سرداروں کے نام اور انکی تاریخ وفات برفصیل ذیل ہے۔ محمد بن سعد نے ۱۱۷۱ھ میں قضا کی عبدالغفریہ ۱۱۷۱ھ میں مقتول ہوئے۔ سعد بن عبدالغفریہ نے ۱۱۷۱ھ میں وفات پائی عبدالقدان ۱۱۷۱ھ میں مقتول ہوا۔ سید ترکی ۱۱۷۱ھ میں مقتول ہوا شیخ فضل نے ۱۱۷۱ھ میں امتحان کیا عبدالقدان تک زندہ ہے یہی صاحب کل نوٹ ص (۲۲)

تمام وسطی اور شرقی عرب میں پھیل گیا اور اس صدی کے آغاز میں ہندوستان میں بھی رواج پایا۔ سترہویں صدی میں مکہ و مدینہ دونوں دہائیوں کے قبضہ میں آ گئے۔ اور تمام جزیرہ جنوبی استعمال دہائیوں کے عقائد کے خلاف تھا و دور کردی گئیں۔ یہی ہیں اور تعویذ اور ریشمی لباس اور حقے سب آگ میں جلا دیئے۔ کیونکہ حقہ پینا گناہ کبیرہ ہے۔ بالآخر صاحب نے اس مقام پر ایک عمدہ حکایت لکھی ہے۔

عبدالکریم نے کہا کہ خدا کی تعظیم میں مخلوق کو شریک کرنا شرک ہے (شرک کا مرتبہ گناہ کبیرہ سے زیادہ ہے) میں نے کہا کہ البتہ یہ بہت بڑا گناہ ہے لیکن اس کے بعد کو نسا گناہ ہے (تو اس نے فوراً جواب دیا کہ اس کے بعد حقہ پینا ہے پھر میں نے پوچھا کہ قتل اور زنا اور جھوٹی گواہی کیسے گناہ ہیں۔ تو اس دوست نے کہا کہ خدا غفور الرحیم ہے یعنی یہ گناہ صغائر میں سے ہیں۔

مکہ اور مدینہ پر ۹ برس دہائیوں کا قبضہ رہا اس کے بعد ترکی فوج نے انھیں وہاں سے نکال دیا۔ اور دہائیوں کے چوتھے سردار عبداللہ کو ابراہیم بادشاہ نے مقید کر کے قسطنطنیہ بھیج دیا جہاں کہ واسطہ مونیہ کے میدان میں مشغول ہوا۔ تب سے دہائیوں کی ملکی قوت صرف عرب کے ملکوں پر محدود رہی لیکن اب کھنڈ جابجا پھیل گیا ہے۔

ہندوستان میں دہائیوں کے سردار ایک تربیت یافتہ قزاق یعنی سید احمد تھے یہ شخص راسے بریلی واقع ملک اودھ میں ۱۷۶۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ۳۰ سال کی عمر کو پہونچ کر لوٹ مار جھوٹوری اور دہلی میں رہ کر شریعت اسلام کی تعلیم پائی۔ چند مدت کے بعد حج کی واسطے مکہ کو چلے گئے چونکہ ان کے عقائد محمد ابن عبد الوہاب سے ملتے تھے مکہ کے عاملوں نے ناراض ہو کر نکلوا دیا۔ انہیں اپنے سے عقائد اور بھی بچتے ہو گئے اور وہابی مشہور ہو کر ہندوستان کو واپس آئے۔

چند ہی مدت میں لوگ بکثرت ان کے مرید ہو گئے اور ۱۷۷۶ء میں کھنڈ جہاد کا حکم دیا

اس جنگ کا انجام اچھا نہوا سترہ اعین سکھوں نے بعد شیر جنگ دہلیوں پر حملہ کیا کیا اور سید احمد کو قتل کر ڈالا مگر اس سے بھی اشاعت عقائد ہابیہ کے بندھوئے کیونکہ سید احمد نے خوش قسمتی سے اپنے بعد ایک شاگرد نہایت مستعد اور سرگرم چھوڑ دیا تھا۔ اس شخص کا نام محمد اسماعیل تھا جو شائع علم میں قریب دہلی پیدا ہوئے تھے ذکی الطبع جوان اور جوہرِ علم سے متصف تھے۔ مسلمانوں کے تمام علوم سے جلد فراغت پائی۔ اور سب سے پہلے دہلی کی مسجد میں توحید کی تعریف اور شرک کی مذمت پر وعظ کیا۔ پھر سید احمد سے بیعت کی اور وضو نے بہت جلد اس نئے مرید کو بڑا مطیع کر لیا۔ اسماعیل نے ایک شب سید احمد سے کہا کہ میں حضور قلب سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ یہ سنکر سید مصروفِ اذنین اپنے حجرہ میں لے گئے اور فرمایا کہ چند رکعت میرے پیچھے پڑھو اور باقی نماز اکیلے میں ختم کرو۔ انھوں نے ویسا ہی کیا۔ اور خدا کے سوچ میں ایسے محو ہو گئے کہ صبح تک مشغول رہے۔ پھر تو وہ اپنے مرشد پر نہایت گویہ ہو گئے۔ بڑے بڑے مباحثوں میں جو اکثر ہوا کرتے تھے کوئی اسماعیل کی ہم سہری نہیں کر سکتا تھا۔

تو مہب کے اس سرگرم واعظ کا نام خاص کر تقویتِ الایمان کے سبب سے اہمک یادگار زمانہ ہے۔ اس باب میں عقائد ہابیہ کا بیان اسی کتاب سے اخذ کیا ہے۔ اگر مضامین منقولہ کے ساتھ مصنف کا حوالہ نہ ہو تو یہی سمجھنا چاہئے کہ سید احمد کے نہایت نامور مرید محمد اسماعیل سے اور ان مضامین نقل کیا ہے۔

تقویتِ الایمان کے بعد دوسری کتاب صراطِ استقیم ہے جسے اسماعیل کے ایک مرید کی تصنیف بتاتے ہیں۔ دہلیوں کے عقائد اب تمام ہندوستان میں پھیل گئے ہیں۔ لیکن جن حالانکہ دینداری کا شوق اور مذہب کی تحقیق کم ہے۔ تیسرے بھی ہتیرے کو دہلی ہو گئے۔

پہلی مردم شماری کی رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ چارہزار دہلی احاطہ در اس میں اور کل تعداد

ہیں۔ یہ تو یک بھی عجیب تھی اور اب بھی ہے۔ ایک منی سے یہ ایسی سہی ہے جسے پچھلے  
محدثوں کے خلاف سمجھنا چاہئے لیکن یہ کیسی طرح نہیں کہہ سکتے کہ وہابیوں کو حدیث  
سے انکار ہے۔ وہابی اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ ایمان کا پہلا کین قرآن ہے اور دوسرا  
وہ احادیث ہیں جو بسند اصحابِ قبلہ ہوئیں اور اجماع صحابہ کے بھی قائل ہیں یعنی  
جن امور میں قولاً یا فعلاً اصحاب متفق تھے انکو بھی مانتے ہیں۔ پس شیون کی طرح  
وہابیوں کے نزدیک بھی محمد صاحب کے کل افعال اور اقوال بختہ ہایت ہے۔  
پس وہابیوں کے مذہب سے ترقی کی امید اسلئے کہ انکا رجوع اسلام کے اصلی عقائد  
کی طرف ہے نہایت بعید ہے کیونکہ یہ فرقہ اسلام کی پرانی بیرون کو اور بھی مستحکم  
کرتا ہے۔

اوس سے کوئی نئی بات نہیں نکلتی ہے۔ نہ ایسے مذہب سے آزاد ہونے کی اوسمیں  
کچھ تمیز ہے۔ جو قرآن اور احادیث کو تہذیب اور اخلاق اور حسن معاشرت اور  
دینداری کی بختہ اور مکمل شریعت بناتا ہے۔

وہابی توحید کے مسئلہ پر بڑا زور دیتے ہیں۔ یہ سچ ہو کہ کل مسلمان فرقے توحید کو  
اول مرتبہ پر رکھتے ہیں۔ لیکن وہابی ان فخلوں سے بھی منحرف ہیں جنمیں شرک پایا جاتا ہے  
حالاتکہ اور فرقوں میں انکار و ارج ہے۔ اس سبب سے ایمان اور اور مسلمانوں میں  
فساد رہتا ہے۔ انکے نزدیک بڑا گناہ شرک ہے (خدا کے ساتھ کسی طرح دوسرے کو  
شریک کرنا) مشرک وہ ہے جو مرکب شرک کا ہو۔ سب مسلمان عیسائیوں کو  
مشرک کہتے ہیں اور وہابی سوا سے اپنے اور سب مسلمانوں کو مشرک جانتے ہیں کیونکہ



وہی سے شفاعت کی امید رکھتے ہیں ولیوں سے مروین مانگتے ہیں زیارتوں کو جانتے ہیں علیٰ ہذا القیاس اور ناجائز کام کرتے ہیں۔ تقویتہ الایمان میں لکھا ہے کہ دین میں دو باتیں لازمی ہیں۔ خدا کو خدا اور نبی کو نبی جانتا۔ اور بنیاد ایمان کی دو چیزیں ہیں توحید اور سنت کی پیروی۔ دو بڑی غلطیاں جسے بچنا چاہیے شرک و بدعت ہے۔ چونکہ یہ لوگ بدعت کو (یعنی نئی بات نکالنے کو) بڑا عیب جانتے ہیں۔

اس واسطے اول سے ترقی کی امید دشوار معلوم ہوتی ہے۔ شرک چار قسم کا ہوتا ہے۔ شرک العلم۔ یعنی خدا کے علم میں غیر وہ کو شریک کرنا۔ شرک التصرف۔ خدا کی قدرت میں غیر وہ کو شریک کرنا۔ شرک العبادت۔ غیر خدا کی بندگی کرنے یا خدا کی بندگی میں اور وں کو شریک کرنا۔ شرک العادت ایسی زمین کرنی جسے سوائے خدا کے دوسروں پر بھروسہ ہوئے۔ دیکھو تقویتہ الایمان اول قسم یعنی شرک العلم کی سیطرہ شرح کی ہے کہ انبیاء و اولیاء غیب کی باتیں جب تک کہ خدا اور پیر ظاہر نہ کرے نہیں جانتے ہیں چنانچہ بعض شرار نے (ایک دفعہ) بی بی عائشہ پر تهمت لگائی۔ نبی علیہ السلام ربخیدہ ہوئے اور جب تک کہ خدا نے خبر نہ دی معاملہ کی حقیقت پر مطلع نہ ہوئے۔ اس واسطے یہ جاننا کہ نجومیوں اور ریالوں اور ولیوں میں غیب دانی کی قدرت ہے یا نہیں شرک ہے۔ اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں کہ ہم غیب کی باتیں جانتے ہیں مثلاً تقدیر کی باتیں بنانے والے اور فال نکالنے والے اور خوابوں کی تفسیر بیان کرنے والے اور زیورہ جو الہام پانے کا اقرار کرتے ہیں سب جھوٹے ہیں۔ پھر اگر کوئی سچاے خدا کے کسی ولی کا نام لے یا مصیبت کے وقت اسے پکارے۔ یا دشمن پر حملہ کرتے وقت اس کا نام لے یا نام لیکر پکارے یا اس کا خیال باز دھسے۔ یہ شرک العلم ہے۔

دوسری قسم شرک التصرف ہے کہ خدا کی قدرت میں دوسرے کو شریک سمجھے جو کوئی

خدا کے ساتھ کسی دوسرے کی شفاعت کی امید رکھے وہ شرک ہے۔ جن لوگوں نے سوائے اُسکے دوست پکڑے ہیں یہ گمراہ ہیں اور انھیں عبادت نہیں کرتے مگر اسلئے کہ ہمیں خدا سے نزدیک کرین اللہ اُنکے (اور مومنوں کے) درمیان اوس چیز کی بنا جس میں کہ وہ فحشاء فیہ ہیں افسات کرے گا۔

(سورہ رعد آیت ۴) شفاعت تین طرح ہو سکتی ہے مثلاً بادشاہ کے سامنے کوئی مجرم نظر آہو اور وزیر اوسکی شفاعت کرے بادشاہ اوسکے رتبہ کا لحاظ کر کے مجرم کو چھوڑ دے۔ اسی شفاعت ابو جہت (رعایتی بخشش) کہتے ہیں۔ لیکن خدا کی نسبت یہ گمان کرنا کہ اوسکے کوئی ایسا رتبہ والا ہے جسکے کہنے سے گنہگار کو معاف کر دے شرک ہے۔

دوسرے ملکہ یا شاہزادے مجرم کی شفاعت کرین۔ بادشاہ اوسکی محبت کے سبب سے اوسے معاف کر دے اوسے شفاعت المحبت کہتے ہیں۔ لیکن خدا کی نسبت یہ سمجھنا کہ اوسے کسی سے یہ محبت ہے کہ اوسنے اوسکے سبب سے گنہگار کو چھوڑ دیا محبوب کو اوسکی قدرت میں شریک کرتا ہے اور یہ شرک ہے۔ کیونکہ خدا کی عدالت میں ایسی قدرت غیر ممکن ہے۔ چاہے خدا اپنے فضل سے مقبول بند و نکو حبیب (بمعنی محبوب) اور خلیل (دوست) وغیرہ خطاب دے لیکن بندہ آخر بندہ ہے۔ غلامی کی حدود سے قدم باہر نہیں لیجا سکتا۔ نہ بندگی کے مقام سے تجاوز کر سکتا ہے۔ تیسرے بادشاہ خود مجرم کو بخشنا چاہتا ہے لیکن اوسے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں نے بخشد یا تو میرے قانون میں فرق آجا دے گا۔

وزیر بادشاہ کی نیت پاک شفاعت کرنے لگتا ہے۔ اس قسم کی شفاعت جائز ہے۔ اسے شفاعت بالاذن (اجازت پاک شفاعت کرنے) کہتے ہیں۔ اور اسی قسم کی شفاعت کی قدرت حساب کے روز محمد صاحب کو ہوگی۔ وہ اپونے

تزدیک محمد صاحب کو بالفعل یہ قدرت نہیں ہے اگرچہ اور مسلمانوں کا عقیدہ بالفعل یہی ہے  
 وہابی اس سبب سے اور مسلمانوں کو شرک بہ شرک تفرقہ کہتے ہیں اور اپنے عقائد کی تائید  
 میں ان آیات کو دستاویز گردانتے ہیں اوسکے سامنے بجز اوسکے اذن کے اور کون شفاعت  
 کر سکتا ہے۔ (سورہ بقرہ ۲۵۵) کہہ دی کہ جمیع شفاعت خدا کی ہے اور آسمان اور زمین سب  
 اوس کا ملک ہے۔ (سورہ زمر ۲۶-۲۷) وہابی یہ کہتے ہیں کہ جہاں کہیں قرآن یا احادیث میں کسی نبی یا رسول  
 کی نسبت شفاعت کا کچھ ذکر آیا ہے وہ اسی قسم کی شفاعت مراد ہے۔

تیسری قسم شرک کی یہ ہے کہ سوائے خدا کے دوسرے کی بندگی کے ارادہ سے سجدہ  
 کرنا۔ اسمین ادلیاء کے مزاروں کا طواف بھی داخل ہے۔ سجدہ کرنا۔ سر جھکانا۔ ہاتھ  
 باندھ کر کھڑا ہونا۔ کسی کے نام پر روپیہ صرف کرنا۔ یا کسی ولی کی تعظیم کے واسطے روزہ رکھنا  
 یا حاجی بنکر کسی ولی کی زیارت کو جانا۔ اور استہین اوسکا نام لیکر بچا کرنا شرک  
 العبادت ہے۔

قبروں پر غلاف چڑھانا۔ یا دعا مانگنا۔ یا کسی پتھر کو بوسہ دینا کسی مزار کی دیوار سے  
 ٹھنیا سینہ رگڑنا۔ علیٰ ہذا القیاس جائز نہیں۔ اسمین بزرگوں کی قبروں پر جانے  
 کی جسکا عام رواج ہو گیا تھا اور بعض اور رسوم متعلق حج مکہ کے سخت مذمت ہے۔  
 کل رسمیں جنکی اس جگہ مذمت ہے شرک فی العبادت میں داخل ہیں۔

چوتھا شرک رسوم توہمات کا جاری رکھنا جیسے استخارہ (تسبیح کے دافون پر  
 پڑھ کے ہدایت طلب کرنی) شگون ٹیک یا بد کو مانتا۔ دافون کو سعد یا نحس جاننا۔  
 اس قسم کے نام رکھنا جیسے عبد البنی (نبی کا غلام) اور علیٰ ہذا القیاس۔ فی الحقیقت  
 ایسے رسوم کی مذمت کرنے سے اور اونہیں شرک گرداننے سے وہابیوں کو اور  
 مسلمانوں سے روزمرہ لڑنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ تعویذ اور

گنہ دار اور نجوسیوں کی ماننے والی کوئی قوم نہیں ہے۔ پہلی اور چوتھی جیسے شرک اعلم اور شرک العادت میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر میں غیب دانی کا عقیدہ ہوتا ہے۔ اور دوسری میں عمل کرنے کی عادت ہوتی ہے۔

نبی کی یا علی کی یا اماموں کی قسم کھانا ایسی تعظیم ہے جو صرف خدا کو سزاوار ہے۔ اس واسطے یہ شرک فی الادب ہے۔

دوسرے عام عقیدہ جس سے وہابی انکار کرتے ہیں یہ ہے کہ اور مسلمانوں کے نزدیک حج کرنے اور نماز اور ورد اور فاتحہ اور قرآن پڑھنے کا اور مراقبہ کرنے کا اور خیرات دینے کا اور اور کار خیر کا ثواب مردوں کو پہنچ سکتا ہے اور وہابیوں کے نزدیک ان کاموں کا ثواب مطلق نہیں پہنچتا ہے۔

وہابیوں کے عقائد مذکورۃ الصدر کی تفصیل سے ثابت ہے کہ وہ لوگ توحید کو سخت کپڑے پہن۔ کلمہ لا الہ الا اللہ (سوائے خدا کے کوئی معبود دوسرا نہیں) نفس حقیقت ہے۔ بالآخر مسلمان خدا کی حقیقت سے بہت دور پڑے ہیں۔ خدا کی ایوبیت کے انکار کرنے سے انہوں نے ایک ایسا معبود قرار دے لیا ہے جو کرم و محبت میں کم اور قہر و غضب میں زیادہ ہے۔ سب کام اپنی خوشی سے کرنے والا اور کل طریقوں میں بے پروا اور بے نیاز ہے۔ مسلمان خدا کا بیٹا ہونے سے غلام بننا پسند کرتا ہے۔ وہابی ان سب باتوں پر جو مسلمان کے پہلے رکن ایمان سے نکلتے ہیں بہت زور دیتے ہیں۔ میں اس بارہ میں پاگلہ بول صاحب کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ وہ وہابیوں سے خوب واقف ہیں۔ اور ان کی نسبت تعصب کا گمان بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ جو عبارت ان کے بیان کی ہے۔ وہ بھی ذری طویل ہے لیکن اس کا دیکھنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا بلکہ درحقیقت اس کل مضمون کو پڑھنا چاہئے جس کو ہم نے

نقل کیا ہے۔ اور وہ عبارت یہ ہے۔

سوائے خدا کے کوئی خدا نہیں ہے یعنی بجز خدا کے کوئی دوسرا مبود  
 بندگی کے الٰہی نہیں۔ عربی میں اس کے معنی بہ تحقیق اسی قدر ہیں  
 لیکن مسلمان اس سے دو باتیں بھی مراد لیتے ہیں۔ اول کا مقصور نہ صرف  
 اس سے اس امر کا انکار ہے کہ خدا تبار کی ذات یا تشخیس میں کثرت اور  
 جمعیت کو مطلق دخل نہیں اور نہ صرف اس بات کا استقرار ہے کہ وہ  
 جو نہ دالہ ہے نہ مملود ہے اور اسکی ذات پاک معجزہ و مطلق وحدت ہے۔ بلکہ  
 الفاظ مذکورہ سے عربی میں اور عربوں میں علاوہ معنی سبق الذکر کے یہ مراد  
 بھی ہوتی ہے کہ خدا کی ذات بزرگ اور برتر سارے جہان کی خود مختار محض  
 اور قادر محض اور فاعل محض ہے۔ باقی ملکات عام اس سے کہ وہ  
 روح ہوں یا جسم عقل حیوانی یا انسانی حکمت سے ہوں یا احسناق  
 سے تمام حرکات و سکنات افعال و ارادہ اور قابلیت اور استعداد  
 میں اس کے قدرت کی محل ہے۔

پس اس چھوٹے سے جملہ میں اس سارے مذہب کا خلاصہ ہے جسے اس  
 سبب سے کہ کوئی بہتر نام مجھے نہیں ملتا ہے اگر ہمہ اوست کہا جاوے تو غیر مناسب  
 نہ ہوگا۔ ہر فعل میں جو اس کے مطلق قدرت اور نشان حاضر و ناظر سے متعلق ہو محض  
 اکیلا ہے۔ اسکی قدرت کسی قاعدہ یا قانون باحد کے محکوم نہیں وہ اپنی مرضی سے  
 جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ اسکی قدرت میں چاہو کوئی شریک ہو تو نہیں  
 جو قدرت اور فعل بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے وہ سب اوسیکہ اسکی  
 خوشی بھی ہے کہ اسکی مخلوق ہمیشہ اس کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار

اور اسکی الوہیت کا اقوال کرتی رہے۔ اور اسکی باندی اور عزت سے کچھ  
 سیکونین ہونچتا ہے۔ اسے سواسے اپنی مرضی اور حکم کے کچھ سروکار نہیں۔ نہ  
 اسکا کوئی بیٹا ہے نہ صاحب ہے نہ شیر ہے نہ اپنی ذات سے کسی چیز کا محتاج  
 ہے نہ اسے اپنے مخلوق کی کچھ پروا ہے۔ یہی سب ہے کہ اپنی شان بے نیازی  
 سے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ بالگیر یو صاحب کی کتاب دربارہ عرب جلد اول  
 فقہ ۳۶۹۔

بالگیر یو صاحب کے نزدیک خدا کی عبودیت کی نسبت ایسا میال مکر وہ اور نفاق  
 پر ہے لیکن وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن کے مختلف کے ذہن و طبیعت کا صحیح آئینہ ہے  
 اور صاحب کے عقائد و حقیقت ایسی ہی تھے اور صحیح معتبر احادیث و روایات اور عالم  
 مسند و ن کی تفسیرون سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ ہر بیچ اس میں شک نہیں کہ بالگیر یو صاحب  
 بین دو ضروری اوصاف اسلام کی باتیں بیان کرنے کے واسطے موجود تھے ایک تو یہ  
 راہ عربی زبان سے خوب واقف تھے دوسرے ادن ادن لوگوں سے راہ و رسم رکھتے تھے  
 جان لہ میرا تجربہ ہوتا ہے اس کے۔ دسے میں یہی کہتا ہوں کہ بالگیر یو صاحب کے  
 بیان سے مخالفت کرنے کی بجائے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔

اللہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض آدمی اس قدر اچھے ہوتے ہیں کہ اتنا اچھا ان کا دین نہیں  
 ہوتا بلکہ خود ہی بھی ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتے تھے۔ اسلام کی بعض باتیں اچھی  
 بھی ہیں لیکن کل کا نفس و مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا جس سے کوئی ایسی راہ  
 نہیں نکل سکتی ہے جو زمانہ بزمانہ نیکی کی ترقی کا موجب ہو۔

عربوں میں ایک کہاوت ہے کہ جیسا معبود ویسا ہی عابد بالگیر یو صاحب کی کتاب  
 جلد اول صفحہ ۳۷۲

پس پہلی عقائد کی طرف مسلمانوں کی بازگشت جس سے بعضوں کو ترکی کی اصلاح کی  
 اُمید پڑتی تھی۔ صرف یہی ہے کہ اونکی ترقی کو روکنا اور اسی حالت میں چھوڑ دینا کیونکہ اسلام  
 کی ذات ایسی ہے کہ او میں ترقی ممکن نہیں اور اس واسطے وضع ہوا کہ ایک حال پر  
 رہے اپنے خدا کی مانند بنے اور اول رکن ایمان کے مانند بیان اور وہ سب لوازم  
 جو حقیقی زندگی میں ان کے واسطے محض غیر ممکن۔ کیونکہ حقیقی زندگی درحقیقت محبت اور  
 رفاقت اور ترقی کا نام ہے۔ اور ان سب سے قرآن کا خدا معز ہے۔ کل ترقی  
 اور ایجاد اور تغیر اس سے ممنوع ہے۔

محمد ابن عبدالوہاب ذہن کے رسا اور طبیعت کے ذکی تھے انھوں نے ہزار برس  
 کی تاریکی بعد ایسی آنکھ سے جو عقاب کی مانند دوربین تھی۔ یہ دیکھا کہ مسلمانوں نے  
 دین میں بہت سی باتیں بٹھا دی ہیں۔ تعلیم کی بے بہا نعمت اسے حاصل تھی  
 اور یہ جان سکتا تھا کہ تغیر (یعنی بدعت) ترقی اسلام کے مخالف ہے۔

پہ تحقیق البتہ اسکی لیاقت کی دلیل تھی لیکن اسکی قابلیت اور علم کا نتیجہ کیا ہی  
 افسوس کے لائق تھا یعنی اپنے دین و ملت کا متبع ہو کر ترقی کی کل اُمیدوں کو روکنا  
 اور اسلام کے منشاء کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ اچھے مسلمانوں کو  
 کرنا چاہئے تھا وہی اس نے کیا لیکن اس کے اس کام سے اسلام کی ترقی کی اُمید  
 رکھنی ایسی بات ہے جیسے کوئی جو اس مذہب سے خوب واقف ہے کبھی یقین  
 نہیں کرے گا۔

پس خلاصہ وہابیوں کے عقائد کا یہ ہے کہ سوائے ان کے اور سب مسلمان شرک  
 میں اتباع سنت نبوی کی بڑی تاکید کرتے ہیں۔ زیارات کو توڑتے ہیں لیکن مکہ کی  
 حجر اسود کے واسطے سفر حج کے فرض ہونے پر اسرار کرتے ہیں۔ تسبیح کا استعمال

اونکے بیان گناہ ہے لیکن اوکھلیوں پر خدا کے ننانوے نام گنا بڑا ثواب ہے۔

وہابیت سے افسان کے طور و طریق میں سختی اور بے تندی آجاتی ہے سوائے  
سماری کے اور سب نقاشی سنگتراشی اور فن موسیقی کی تحصیل اونکے یہاں  
ناجانزہ ہے۔

اسمعیل نے ایک حدیث معتبرہ اپنے مطلب کی مؤید سمجھ کر نقل کی ہے وہ یہ ہے  
کہ میں نے ایک شطرنج خریدی جس پر کچھ تصویریں بنی تھیں بنی دروازہ میں آکر کھڑے ہو رہے  
اور چہرے سے ملالت کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ اچھا اللہ کے رسول (توبہ کرتی ہوں  
میں خدا کی اور اوسکے سامنے) مجھے کیا قصور سرزد ہوا جو آپ اندر زمین داخل ہوتے  
تب آپ نے فرمایا کہ یہ شطرنج کیسا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ بھی آپ کے بیٹھنے اور آرام  
کرنے کو خریدی ہے۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ تصویروں  
کے بنانے والے سے کہے گا کہ اسمین جان ڈال اور وہ نکر سکیگا پھر اوسے سزا دے گا  
جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں او میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا ہے۔ ایک حدیث  
ابن عباس سے منقول ہے اوسکا یہ مطلب ہے کہ نبی علیہ السلام صورتوں کو قاتلوں  
کے مان اور باپ کا خون کرنے والوں کے برابر بتلاتے تھے، ”وہابی ان سب باتوں کو  
پسند کرتے ہیں پس ایسے مفید اور مفرح فنون کے ممنوع قرار دینے سے وہابی آپکو  
بقاعدہ ریاکار بنانا چاہتے ہیں۔ بیخبر متعین ملت کے اور سمجھوں کے دلون میں اونکے  
ایسے عقائد کی تحقیر اور نفرت بڑھ جائیگی۔ اور جہان کیمیں اوسکا تابو ہو سکتا تو اس کے  
زور سے اپنے عقائد کو منواتا۔

وہابیوں کا مذہب بھی وحقیقت ایک طرح کی اصلاح ہے اور اسلام کی حالت  
دریافت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اور طرفوں میں اصلاح کی کوششیں نہیں اور



ہمیشہ ایسی کوششیں ہوتی رہیں گی لیکن جب تک قرآن و سنت سے اس دنیا کے معاملات کی اصلاح ہو کرے گی۔ تب تک نئی روشنی اور تہذیب کی ترقی غیر ممکن ہے۔ پس اسلام کی یہ تاثیر جو ترقی کی مانع ہے عیسائی کو اپنے دین کے پھیلانے میں اس سے بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اسلام کا ایک حال پر رہنا ہی بہت سے ملکوں کی بربادی کا موجب ہے۔ اس سے تعلق رکھنا ایسا ہے جیسے زندہ کا تعلق مردہ سے اور جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام دین عیسوی کی بہن ہے۔ وہ سراسر ایسی نادانی ہے جنکو نادانی میں کچھ غدر کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سب مسلمان یکدل اور متفق الذہب نہیں۔ دوسرے باب میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کوئی سیدھا مذہب نہیں بلکہ اس کے اصول نہایت دقیق اور پیچ در پیچ ہیں۔

(۱) ایک کتاب دربارِ روم میں سلطنت کے ایک ہوشیار مصنف سٹرنفلڈ نے جو طرفہ داری سے خالی نہ تھے بالعموم یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس زیادہ اور کوئی بات دھوکہ کی نہیں کہ عیسائی کلیسیا کو شغف سمجھیں عیسائی کلیسیا کی نسبت یہ بات دھوکہ کی ہو یا نہ ہو لیکن اسکا میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اسلام یہ بات بخوبی صادق آتی ہے۔ دنیا کے کسی حصہ میں ایسا پوشیدہ افرقہ اور اختلاف اور یہ اعتقادی نہیں ہے جیسے کہ ان ملکوں میں ہے جہاں کہ سرسری طور پر دیکھنے والے کو نہایت اتفاق اور یکسان عقیدہ قرآن پر اور اس کے مصنف پر معلوم ہوتا ہے۔ پانگلیر لوصاحب کی کتاب دربارہ عسرب جلد اول صفحہ ۱۰۔

# ضمیمہ باب سوم

## در باب تائب

ایشیا ٹاک سوسائٹی کی کتاب میں مرزا محمد علی خان کے بحری سفر کا عجیب حال چھپا ہوا ہے۔ مرزا سوسائٹی ایران کی طرف سے کچھ عرصہ تک پاس (دار السلطنت فرانس میں) غیر رہے تھے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں فارس سے ہندوستان کو جاتا تھا تو شاہراہ میں ایک وہابی سے اتفاق ملاقات کا ہوا۔ جسکے پاس ایک رسالہ ادس فرقہ سے بنی (مولانا محمد امجدی) کی تصنیف تھی۔ اس شخص نے مرزا محمد کو رسالہ کے اصل کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ میں اسکا خلاصہ اس ضمیمہ میں درج کرتا ہوں۔ اس کتاب میں اصل عبارت یسے عربی بھی موجود تھی۔ میں نے نفس مطلب اخذ کیا ہے عربی کی عبارت کو چھوڑ دیا ہے۔ بہت پرستی کے خلاف پردہ مضمون بہت دلچسپ ہے اور وہ اس طرح بیان میں جاتا ہوں کہ خدا رحیم ہے اور ابو خنیفہ کا طریق ملت ابراہیمی ہے۔ جب تو نے یہ جان لیا کہ خدا نے اپنے بندوں کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ اوسکی بندگی کریں تو یہ بھی جاننا چاہئے کہ بندگی و عبادت اکیلے خدا کو ہونی چاہئے۔ اسی طرح لازماً زمین جب تک کہ طہارت اوسکے ساتھ نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکوں کے واسطے زمین لائق ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں حالانکہ اپنی جانوں کے ساتھ کفر کے گواہی دیتے ہیں۔ یہ لوگ ناپید ہوئے عمل ادا کرنے اور

اگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (سورہ ۱۷۹)

جو لوگ کہ سواے خدا کے دوسرے کی بندگی اس اُمید پر کرتے ہیں کہ جو کچھ صرف خدا کے اختیار میں ہے وہ اونسے حاصل ہو۔ وہ مشرک ہیں اور انکی عبادت رایگان بائگی اوس شخص پر یا وہ کون گمراہ ہے جو خدا کے سواے اوس چیز کو پکارتا ہے جو قیامت کے دن تلک اوسکو جواب نہ دیکے۔“ (سورہ اخاف ۲۶ و ۲۷) بلکہ جب قیامت کا دن آویگا تو وہی لوگ اونسے دشمن ہو جاویں گے۔ اور انھیں کافر بناویں گے اس سبب سے کہ انھوں نے غیر خدا کی بندگی کی ہو۔“ اور جنکو تم پکارتے ہو سواے خدا کے۔ وہ ایک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھارا پکارنا نہیں سنیں گے اور اگر سنیں گے تو جواب تمھیں نہیں دینگے اور قیامت کے دن تمھارے اس شرک کو نہیں مانیں گے۔ (سورہ فاطرہ ۳ و ۴ و ۱۵)

جو کوئی یا نبی اللہ یا اے ابن عباس یا اے عبدالقادر جیلانی یا کسی اور بزرگ کا نام پکارے اور یہ اُمید رکھے کہ ان بزرگوں کے کہنے سے خدا ہماری مشکلیں آسان کر دیگا وہ شخص کافر ہے اور قتل کرنے کے قابل ہے۔ اوسکا مال جو چاہے لوٹ لے کچھ نہ ہو نہ ہوگا۔ مشرک چار طرح کے ہوتے ہیں۔

اول وہ خیر نبی نے جہاد کیا تھا۔ یہ کافر خدا کو جان کا پیدا کر نیوالا اور تمام جانداروں کا رازق اور دانائی سے سب پر حکومت کرنے والا جانتے ہیں۔ کہ کون تمھیں آسان اور زمین سے رزق دیتا ہے اور وہ کون شخص سننے اور دیکھنے کا مالک ہے اور کون شخص زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون کام کی تدبیر کرتا ہے پس البتہ کہیں گے اللہ (سورہ یونس ۳۲) اس قسم کے شرک کا دریافت کرنا مشکل ہے لیکن اونسے ظاہر میں بھی ضلالت کے افعال سرزد ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی پسند کے معبودوں سے رجوع کرتے ہیں اور

انہیں کی بندگی کرتے ہیں۔

دوسرے وہ مشرک ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم انہیں اس واسطے پکارتے ہیں کہ خدا سے ہماری سفارش کریں۔ لیتے جو کچھ ہمیں مطلوب ہے وہ خدا سے طلب کرتے ہیں لیکن بزرگوں کو صرف وسیلہ گردانتے ہیں۔ (سورہ یونس ۱۹ و ۱۰)

تیسرے وہ مشرک جو صرف ایک بت کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں یا وہ لوگ ہیں جو بت سے بتوں کو چھوڑ کر صرف ایک بزرگ یا بنی جیسے عیسیٰ یا ادنیٰ مان مریم ہے معتقد ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ملائکہ ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں ادن کی نسبت ہے۔ (سورہ ۱۷ و ۵۹)

اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی نے بت پرستوں میں اور مشرکوں میں کچھ فرق نہیں کیا ہے بلکہ سب کو مشرک اور کافر بتایا ہے اور خدا کے دین کے مضبوط کرنے کو اپنا جہاد کیا ہے۔

چوتھے وہ ہیں جو مصیبت کے وقت، اسے خدا کی بندگی کرتے ہیں اور آسائش کے زمانہ میں غیر دین سے رجوع کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی مشرک ہیں مثلاً (سورہ ۲۹ و ۶۵) ہمارے زمانہ کے مشرک اور کافر اگلوں سے بھی بدتر ہیں۔ ہمارے جمع مشرک مصیبت کے وقت بھی غیر دین کو پکارتے ہیں اور ادن سے امداد چاہتے ہیں۔

بنی کے زمانہ میں مشرک ایسے لازم نہیں تھے جیسے اس زمانہ کے ہیں وہ مصیبت کے وقت خدا سے رجوع کرتے تھے۔ یہ ایسے سخت ہیں کہ مصیبت اور آسائش دونوں حالتوں میں سوائے خدا کے اپنے دلیوں سے مدد چاہتے ہیں اور اور انہیں کی بندگی کرتے ہیں۔

# چوتھا باب

## ایمان کے بیان میں

مسلمانوں نے ایمان کی تعریف اس طرح پر کی ہے کہ زبان سے اقرار اور دوسے تصدیق کرنا۔ کہتے ہیں کہ ایمان خوف ورجا کے درمیان رہتا ہے اور وہ دو طرح سے ہے۔

ایمان مجمل اور مفصل۔ ایمان مجمل یہ ہے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کہ اھو یا سمعا بہ وصفاً تہ و قبلت جمیع احکامہ ایمان لاتا ہوں خدا پر جیسا کہ وہ ہے اور

او کے ناموں پر اور عفتوں پر اور او کے سب احکام کو قبول کرتا ہوں۔ ایمان مفصل

یہ ہے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَصَلَّائِكَتہ و کتبہ و رسلہ و الیوم و القدر خولہ و قساکہ من اللّٰہ تعالیٰ و لا یبعث بعد الموت

ایمان لاتا ہوں خدا پر اور او کے فرشتوں پر اور او کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں

پر اور آخرت کے دن پر اور اس بات پر کہ ٹھہرانا نیکی و بدی کا سب خدا کی طرف

سے ہے اور اس بات پر کہ موت کے بعد جی اٹھنا برحق ہے۔ وہی ایمان مجمل

اور مفصل ہیں۔ ہر مسلمان کو اس پر ایمان لانا ضرور ہے۔ ایمان کے پختہ کرنے کو اور کام

بھی ضرور ہے یعنی (۱) کلمہ طیب سوائے خدا کے کوئی دوسرا معبود بندگی کے لائق

نہیں اور محمد خدا کے رسول ہیں (۲) صلوٰۃ یعنی ہر روز پانچوں وقت کی نماز (۳) روزہ

تیس دن کے روزے رمضان کے (۴) زکوٰۃ۔ یعنی خیرات میں۔ (۵) حج مکہ کو

جاننا۔ اسباب میں اصول ایمان کا بیان ہے۔ احکام دین کا بیان دوسرے باب میں ہے

آخدا۔ اصول ایمان سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ خدا کی ہستی پر اوراد سکی وحدت پر اور  
 او کی سب صفاتوں پر ایمان لانا چاہیے اور اسی ایمان کے احکام میں، نیکوئی اور  
 واقع ہونے سے میت سے فرق ہو گئے ہیں۔ اس باب میں عمر خ طریکی تین جو پیرامونی  
 ہیں ان سے تھوڑی سی وقیفیت حاصل کرنی اسلام کا صحیح حال جاننے کے واسطے  
 ضرور ہے۔ لہذا ایک بنی کی معجز کتاب رسالہ برخیوی سے اس مضمون کی بحث کو شروع  
 رہوں۔ شرقی علوم کے عالم مسٹر گارکن دی تا سے نے اسے ایسا معتبر سمجھا ہے  
 کہ اپنی کتاب در باب قرآن میں اس رسالہ کا ترجمہ یہی نقل کیا ہے محمد البرخیوی صفات  
 کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

(۱) حیات یعنی زندگی ہے۔ اکیلا ذی اسے برتر پرستش کے لائق ہے۔ نہ اس کا  
 کوئی ساتھی ہے نہ شریک ہے اور انکی ذات اور ان عیون و نقصون سے پاک ہے جو آدمی  
 بن ہوتے ہیں نہ اس سے کہیںے جہا ہے نہ وہ کسیکو جنتا ہے۔ وہ کسیکو نظر نہیں آتا ہے  
 اور انکی کوئی شکل و صورت اور رنگ نہیں اور نہ وہ کٹ سکتا ہے یا بٹ سکتا ہے اور سکی  
 ہستی کی کچھ ابتدا اور انتہا نہیں ہے۔

وہ خیر تغیر ہے چاہے تمام عالم کو ایک دم میں ناپید کر دے اور خوشی ہو تو ایک لحظہ  
 میں چہر پیدا کر دے اس سے کچھ مشکل نہیں ہے۔ مہی کا پیرا کرنا سا تو ان آسمان کا بنانا اس کے  
 نزدیک سب برابر ہے۔ جو کچھ واقع ہوتا ہے اس سے نہ اس سے کچھ فائدہ پہونچتا ہے نہ نقصان  
 اگر تم کافر ایمان لاوین اور پرہیزگار ہو جاوین تو اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ ایس طرح اگر سب ایماندار  
 کافر ہو جاوین تو اس کا نقصان نہیں ہو۔

(۲) علم ہے۔ وہ سب چیزوں کو خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ آسمان کے اوپر ہوں یا  
 زمین کے اندر خوب جانتا ہے۔ درختوں کی ایک ایک پتی کی اور گیہوں کے ایک ایک دانہ

اور ریت کے ذرہ کی گنتی اسے معلوم ہوتی ہے۔ جو کچھ گذر چکا ہے اور جو کچھ گذرنے کو ہے سب اس کے علم میں ہے۔ جو کچھ آدمی کے دل میں ہے اور جو کچھ اس کی زبان پر جاری ہوتا ہے سب اسے معلوم ہے۔ وہی اکیلا سواے اون لوگوں کے جس پر اس نے ظاہر کی مین غیب کی سب باتیں جانتا ہے۔ سو و نسیان اور خطا و غلطی سے پاک ہے اس کا علم قدیم ہے۔ یعنی یہ علم اس کی ذات کے بعد نہیں حاصل ہوا ہے بلکہ ہمیشہ سے ہے

(۳) قدرت ہے۔ وہ قادر مطلق ہے اگر چاہے مردوں کو جلادے پتھروں کو گوہاں دے اور درختوں کو رخسار کی طاقت دے آسمانوں اور زمینوں کو ناپید کر دے اور وسیع ہزاروں آسمان اور زمین سونے اور چاندی کے بنا کر کھڑے کر دے کسی شخص کو دم بھر میں پورب سے پچھم اور پچھم سے پورب یا ساتویں آسمان تک پہنچا دے اس کی قدرت قدیم یعنی ازل سے ہے اور اب تک رہے گی یعنی اس کی ذات کے پچھے اس کی قدرت نہیں ہو۔

(۴) ارادہ ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے وہ کسی کام پر مجبور نہیں ہے۔ ہر چیز بھلی یا بُری اس دنیا میں اس کی مرضی سے ہے۔

مومن کا ایمان اور دیندار کا اتقا سب اس کی مرضی سے ہے۔ اگر وہ اپنے ارادہ کو بدل دے تو کوئی مومن ایماندار اور کوئی دیندار پرہیزگار نہ رہے بے ایمانوں کی بے ایمانی اور شریروں کی بیدینی سب اس کے ارادہ سے ہے۔ اگر اس کا ارادہ ہو تو بے ایمانی اور بیدینی نہیں رہ سکتی ہے۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں سب اس کے ارادہ سے ہوتا ہے جو کچھ اس کے ارادہ میں نہیں ہے وہ نہیں ہوتا ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ خدا کیوں نہیں چاہتا کہ سب ایمان دار ہو جاویں تو ہم یہ جواب دینگے کہ اس کے ارادوں اور فطروں میں ہمیں دم مارنے کی مجال نہیں۔ جو چاہے کرے خود مختار ہے۔ کافروں کے

پیدا کرنے اور انکو اوسی حالت پر رہنی دیں سانپوں اور کچھوؤں اور سٹوروں کے بنانے میں خلاصہ یہ ہے کہ کل بڑے کاموں میں خدا کی حکمت ہے جسکو وہی جانتے ہیں ہمہ اوسکا جتنا لازم نہیں ہمیں اوسکا یقین لانا ضرور ہے کہ خدا کا ارادہ قدیم ہے اوسکی ذات کے لئے نہیں ہے۔

(۵) سچ ہے۔ وہ سب آوازیں سنتا ہے خواہ نجی ہوں یا اونچی۔ وہ بدوں کا نون کے سنتا ہے کیونکہ اوسکی کوئی صفت آدمی کے مانند نہیں ہے۔

(۶) بھر ہے۔ وہ سب چیزوں کو دیکھتا ہے۔ تا آنکہ شب تاریک میں سیاہ پتھر پر کالی چوٹی کے قدم کو بھی دیکھتا ہے۔ پھر بھی اوسکی آدمیوں کی سی آنکھیں نہیں ہیں۔

(۷) کلام ہے۔ وہ کلام کرتا ہے لیکن آدمیوں کی طرح زبان سے نہیں۔ اوسنے اپنے بعض بندوں سے بغیر وساطت کلام کیا۔ وہ موسیٰ سے ہم کلام ہوا اور محمدؐ صاحب سے شب معراج کو اوسنے کلام کیا اور بعضوں سے بوسیہ جبریلؑ کے کلام کرتا ہے اور یہی معمولی طریقہ نبیوں کو اپنے ارادے سے مطلع کرنے کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام اور قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

انھیں ہفت صفات الیہ یعنی خدا کی سات صفیتیں کہتے ہیں۔ تعداد صفات میں اسے کا اتفاق ہے جو علم اور صفات کی نسبت انسان کو حاصل ہو سکتا ہے اوسکی اصلیت و وسعت میں اختلاف ہے۔ مثلاً بعض کہتے ہیں کہ اول خدا کا علم حاصل کرنا چاہیئے لیکن امام شافعی اور معتزلہ کہتے ہیں کہ پہلے وہ خیال حاصل کرنا چاہیئے جس سے خدا کا علم آوے

خدا کے علم کے یہ معنی ہیں کہ جہاں تک انسان کی سمجھ رسائی کرے وہاں تک اسکی وجود کی اور اوسکے صفات ثبوتی و عدمی کی حقیقت دریافت کرے۔ خدا کی وحدت



بمقابلہ تعداد کے نہیں ہے بلکہ مطلق وحدت ہے۔ کیونکہ ایک جو عدد ہے وہ اعداد میں  
 اول ہے جسے دوسرا بھی لازم ہے۔ لیکن خدا کا کوئی دوسرا نہیں ہے۔  
 وہ بے ہمتا ہے کوئی اور اسکی مانند نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اور اسکا شریک نہیں۔ کیونکہ اگر  
 آسمان یا زمین میں خدا کی مثل اور بھی مہیود ہوتا تو البتہ دونوں برباد ہو جاتے۔  
 (سورہ ۲۱ و ۲۲)

خدا کے جسم نہیں کیونکہ جسم کو حدوث لازم ہے خدا ان دونوں سے مبرا ہے اگر ایسا نہ  
 ہوتا تو اسکی ذات قائم بالغیر اور محتاج دوسرے کی ہوتی۔ اسکی ذات کھٹنے اور بٹنے سے  
 پاک ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جب تک کل اجزاء ترکیب نہیں پاتے تب تک وہ وجود  
 نہوتا۔ اور اسکا وجود موقوف ہوتا اجزاء پر یعنی ایسی چیز پر جو اس کے سوا ہے۔

علماء دقیق جزئیات میں پڑنے کی سخت ممانعت کرتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جیسے  
 سورج کے سامنے نظر کام نہیں کرتی ہے۔ اسی طرح سمجھ بھی خدا کی حقیقت دریافت  
 کرنے سے حیران ہے۔ بنی نے فرمایا کہ ماعرفناک حق معرفتک یعنی جو حق تیرے پہچاننے  
 کا ہے وہ ہم نے نہیں پہچانا۔ اور مسلمانوں کو یہ نصیحت دی کہ خدا کی بخششوں کو سوچو اسکی  
 حقیقت مت دریافت کرو۔ بہ تحقیق وہ تمہاری طاقت سے باہر ہے، خلیفہ ابو بکر نے  
 فرمایا ہے کہ اسکی معرفت کی جستجو میں محو ہو جانا عین معرفت ہے۔ اور اسکی حقیقت  
 کی جستجو کرنی شرک ہے۔ (شرح عقائد جامی ۲۷۲-)

لیکن جو لوگ مسلمان کے الہیات سے واقف ہیں او کو معلوم ہو گا بنی کے حکم کی اور  
 خلیفہ کے آگاہ کرنے کی کچھ پروا نہ کی یعنی خدا کی حقیقت پر اسے زنی کی۔

ابتداء سے زمانہ کے مسلمانوں نے اور اصحاب نے اور تابعین نے خدا کی ذات و  
 صفات کی تحقیق کو جائز نہیں رکھا۔ بنی پہچانتے تھے کہ لوگوں کے حق میں یا نہیں ہے

وہ جن نے نجات کی راہ صاف بتا دی اور (خدا کی نسبت) یہ تعلیم دی کہ کہہ خدا اکیلا ہے  
الذی پاک ہے نہ وہ جنما ہے کسیکو نہ کسی نے اسکو جنما ہے۔ اور اسکی مانند کوئی نہیں  
ہے۔ الوہیت کے امرارین عرف اسقدر جاننا وہ جنین کافی تھا۔

خدا کی ذات انسان کی سمجھ سے نہایت برتر ہے۔ وہی اپنے آپ کو نوب جانتا ہے۔  
اسواسطے آدمیوں کو اپنی تحقیق پر اکتفا نہ رکھنا اور بنی سکے فریاضے پر عمل کرنا چاہیے جو  
اعت کو اسقدر غریزہ رکھتے تھے کہ امت خود اپنے آپ کو اسقدر غریزہ نہیں رکھتی تھی۔

اور جو کچھ انکے حق میں بہتر تھا اسے اسے زیادہ جانتی تھی۔ جو کچھ وہ جنین ماننا اور عمل  
میں لانا چاہیے وہ سب بتا دیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ عقل کو بیکار چھوڑنا نہ چاہیے۔ لیکن  
خدا کی صفات میں عقل کو دخل دینا ہرگز نہیں مناسب ہے (۱)۔

یہ مسئلہ منقسم ہے اصول اور فروع پر۔ (جڑوں اور شاخوں پر) اصول میں داخل وہ  
تعلیم ہے جو خدا کی نسبت ہے۔ اور فروع میں وہ باتیں ہیں جو اصول کے ماننے  
سے لازم آتی ہیں۔ سنی عالموں کا عقیدہ یہ ہے کہ عقل کو صرف فروع میں دخل دینا چاہیے  
کیونکہ اصول کی بنا قرآن و سنت ہے اور میں عقل کو دخل دینا نہیں چاہیے صرف  
عمل کرنا چاہیے۔

فروعات میں اختلاف اسے واقع ہونے سے مباحثوں کی نوبت اصول تک  
پہنچتی جن سے علم کلام کی بنا پڑے۔ میں قبل ازین باب تفسیر قرآن میں آیات محکمہ اور  
متشابه (آسان و دقیق) کے معنی کا فرق بتا چکا ہوں۔ لیکن یہ فرق خاص  
اون آیات۔

ہیں ہے کہ آیا محکلات سے ہیں یا مشابہات سے۔ اس واسطے متوتری سی تفصیل اسکی بھی  
منقول ہے۔

سورہ آل عمران آیت ۵ کے ترجمہ پر بڑی بحث ہے۔ وہی ہے جسے اوتاری تھیں  
کتاب اوسین بعض آیتیں پکی حکم بن سو جڑیں کتاب کی اور دوسری بن کئی طرف ملتی  
موجھلے دل پھرے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اوسکے دُھب دایوں سے۔

تلاش کرتے گمراہی اور تلاش کرتے اونکی کل بھجانی اور اونکی کل کوئی نہیں جانتا سوا  
اللہ کے۔ اور جو مضبوط علم والے ہیں سو کہتے ہیں اوسپر ہم یقین لائے۔ سب کچھ ہمارے  
رب کی طرف سے ہے۔ اور سمجھا کے وہی سمجھتے ہیں جنکو عقل ہے۔ اسجگہ صاف بتا دیا  
ہے کہ آیات تشابہ کے معنی سواے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا ہے۔

(۲) یہ کہ عقل مند آدمی اگرچہ اوسکے معنی نہیں سمجھتے لیکن اون سب کو یقین جانتے ہیں  
مگر بہت سے علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ پر وقف نہیں چاہیے فی العلم پر ہے۔ تو اوسکے  
نزدیک اوتی آیت کے معنی یہ ہونگے اور اونکی کل کوئی نہیں جانتا سواے خدا کے  
اور اوسکے جو مضبوط علم والے ہیں وہ کہتے ہم یقین لائے اسپر کہ سب کچھ الخ پر وقف  
کے ذریعہ بدجانے سے جس سے ظاہر ہے کہ مضبوط علم والے آیات تشابہ کی حقیقت  
جانتے ہیں۔ اسلام میں اختلاف مذاہب کا پیدا ہو گیا ہے۔

پچھلی قرات سے اون سب باتوں کے تحقیق کی صورت نکلتی ہے جنہیں اگلے  
مسلمان اپنی سمجھ سے باہر جانتے ہیں۔

اغاز اسلام میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سواے آیات محکلات اور خالص اخبار کے  
اور سب آیتیں مشابہات سے ہیں۔ یعنی کل آیات جنہیں صفات الہیہ اور وجود ملائکہ  
اور جنکجا اور طور و حال کا۔ اور زمانہ قیامت کا اور اوسکے آثار کا اور بالعموم۔

اور ان سب باتوں کا جو انسان کے ردِ مرقہ کے تجربہ سے باہر ہیں ذکرِ بڑا وہ سب تشابہات ہیں۔  
لوگ یقین جانتے تھے کہ تشابہات میں یہی نہیں ہو کہ کسی قسم کی بحث اور نیز نہیں چاہیے بلکہ ان کو  
منع سمجھنے اور اوپر عمل کرنے کی کوشش ہی نہیں درست ہے ابن عباس ایک صحابی کہتے ہیں  
کہ آیات تشابہات پر یقین الّا ضرور ہے لیکن اوپر کا رہند ہونا چاہیے۔

ابن جبر سے ایک دفعہ کہنے قرآن کے منع لکھنے کو پوچھا۔ آپ نے نہایت ناراض ہو کر  
کہا کہ میرے آٹھے، پھر کارہجہ اناس سے بہتر ہے ابنِ خلیفان جلد اول صفحہ ۵۶۵ بی بی  
عائشہ نے کہا کہ اون لوگوں سے پرہیز کرو جو قرآن کے معنی پر بحث کرتے ہیں کیونکہ وہ وہی  
لوگ ہیں جنکی طرف خدا نے اپنے کلام میں اشارہ کیا ہے جنکے دل پھرے  
ہوئے ہیں۔

پہلی قرأت کو اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین اور اکثر مفسرین نے اختیار کیا تھا۔  
بالمعموم شمس الدین اور ازروے شہادت امام فخر الدین رازی کی (سنہ ۵۴۴) فرقہ شافعی  
کے لوگ ابھی بھی اسے رکھتے ہیں۔

اور جو لوگ اسکے مخالف راے رکھتے ہیں یعنی جو والراسخون فی العلم پر واقف لازم  
قرار دیتے ہیں وہ مجاہد (ضجون نے سلمہ معین قضا کی) اور ربیع بن انس اور بعض  
اور مفسرین ہیں متکلمین بالمعموم اخیر قرأت کو اختیار کرتے ہیں (تفسیر فیض المکریم ص ۲۵) اور انکی محبت

(۲) مسلمان مصنفوں کے نزدیک متکلمین میں فرق ہے ایک تو مقدمین کہلاتے ہیں دوسرے متاخرین مقدم  
ہیں جبکہ ایسا ذکر ہے خالص دینی غیثوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن اگر وہ متاخرین نے جو مسئلوں کے  
درمیان یونانی حکمت کے ردِ جاپاسنے سے پیدا ہوا بہت سے مسائل حکمیہ کو اختیار کر لیا اور ان مسائل  
کو اپنی دین کی باتوں سے ملانا چاہا یا مابھی صاحب کی کتاب حکمت یونان مروجہ عرب صفحہ ۳۲۰)۔

جس بات کو آدمی جانتا نہ ہو اسے کیونکر یقین کرے گا مخالف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس جگہ خدا نے یہی تو تعریف کی ہے کہ بغیر سمجھے یقین لاتے ہیں اس پر تنکلیں یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر قرآن لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کو نازل ہوا تھا تو پھر اس کی کل آیات حکامات کیوں نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ عرب و قسّم کی فصاحت تسلیم کرتے تھے ایک تو یہ کہ الفاظ اور خیالات کو ایسے صاف اور سیدھے سادے طرز پر ترتیب دینا کہ اس کے معنی فوراً ظاہر ہو جاویں۔ دوسرے زبانِ مجازی میں کلام کرنا۔ اگر قرآن میں دونوں طرز نہوتے تو مرتبہ اور وقت مدعی کی کہ اب ہے یعنی اس کی عبارت اور معانی دونوں پختہ اور کمال فصاحت اور بلاغت رکھتے ہیں وہ وقت نہ ہوتی (تفسیر فوز الکرم ۲۵۰۲) اس کے اس اسل اختلاف کو سمجھ کر صفات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حیات اور علم اور قدرت اور ارادہ صفات لازمی ہیں کیونکہ ان صفات کے بغیر اور صفات کا وجود غیر ممکن ہے پھر صفات سمع اور بصر اور نطق صفات ثبوتی ہیں کیونکہ ہونا نقص کا موجب ہوتا۔ اسی طرح بعض صفات سلبیہ بھی ہیں مثلاً خدا کی کوئی صورت نہیں ہے زمان و مکان سے محروم نہیں ہے کوئی اس کا شریک اور مثل نہیں ہے۔

علیٰ ہذا القیاس۔

بیٹھنا اوٹھنا اور ترنا۔ منہ ہاتھ۔ آنکھ وغیرہ رکھنا۔ ایسے افعال ہیں جو موجودات ذی جسم سے تعلق رکھتے ہیں اس واسطے مستلزم نقص و حدوث ہیں اور علانیہ مناقص مسئلہ تنزیہ ہیں جس کے مطابق خدا تعالیٰ فی حد ذاتہ کیسی طرح اپنے مخلوق کے مماثل نہیں البتہ یہ ایک مشکل تھی لیکن چاروں بزرگ اماموں کا یہی حکم تھا کہ ایسے معاملات میں پڑنا مشرعیّت کے خلاف ہے کیونکہ اس قسم کی سب باتیں تشابہات سے ہیں۔ امام خمینل اور دیندار قدس اسلام کی پیروی کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم کتاب اور

سنت پر یقین لاتے ہیں اور تشریحات کی خواہش نہیں رکھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ خداے تعالیٰ کو کسے اور کسے مخلوق سے اور کسی مخلوق کو اس سے کچھ مناسبت نہیں ہو سکتی (دبستان ۲۱۸) امام شافعی کہتے تھے کہ جو آدمی ایسے معاملت کی تفتیش کرے چاہیے کہ اس کی مشکلیں باندہ کے تسخیر کی جائیں اور یہ اعلان اس کے روبرو کیا جائے کہ تمہوں نے قرآن و احادیث کو جرح نکالنے اور تکلمانہ بحث کرنے کے واسطے چھوڑ رکھا ہے اور انکی یہی سزا ہے، امام حنبل لیتے ہیں کہ جو کوئی قرآن کے اس عبارت کو کہ میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے پڑھتے وقت ہاتھ ہلاوے و اس کے ہاتھ قطع کرنے چاہئیں اور جو کوئی محمد صاحب کی اس حدیث پر کہ میں کا دل رحمان کی دونوں انگلیوں کے بیچ ہے، اور انکی اوٹھا دے تو اسکی اور انگلیاں قلم کرنی چاہئیں۔ جب الترمذی محمد صاحب کے اس قول کو دریافت کرتے تھے کہ خدا سب سے نیچے کے ساتویں آسمان پر اور انھوں نے کہا تھا کہ اور ناظر سے طریق اور ترسنے کا معلوم نہیں ہے۔ اس پر یقین لانا فرض ہے اور اسکی نسبت کچھ پوچھنا (یا تحقیق کرنا) سخت بدعت ہے، لیکن اس قسم کی کل کوششیں جو بحث، تحقیق کے رونے کے واسطے کی گئیں بے سود ہوئیں اور باوجود سخت مخالفت کے، و تفتیش سے باز نہ رہے۔ معتزلہ صفاتیوں کے بڑے مخالف تھے۔ وہ صفات کے قدیمی ہونے سے منکر تھے۔ اور کہتے تھے کہ قدیم ہونا خدا کی ذات واحد کا میں وصف ہے اور بافرض اگر تسلیم کریں کہ کوئی صفت قدیمی ہے تو چونکہ صفات متعدد اور کثیر ہیں) متعدد اور کثیر وجودوں کا قدیم ہونا لازم آوے گا۔ اور انہیں صفات سمع و ابصر و نطق سے بھی انکار تھا۔ کیونکہ یہ سب حادثات سے ہیں جو ذی جسم کو لاحق ہوتی ہیں۔ یہ سمجھتے تھے کہ صفات الہیہ بمنزلہ اختراعات ذہنی کے ہیں جو خدا کی ذات میں کوئی حقیقی وجود نہیں رکھتے ہیں۔ مسلمانوں میں معتزلہ بڑے

محقق لینے آزاد راے لوگ تھے۔ ابتدا میں فرقہ کی اس طرح ہوئی۔ الحسن نامی ایک معروف عالم بصرہ کی مسجد میں ایک روز بیٹھے تھے اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی کہ آیا کوئی مومن جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو کافر ہو جاتا ہے یا نہیں۔

خارصون نے کہا (صفحہ ۶۷ دیکھو) کہ ہاں کافر ہو جاتا ہے۔ اور سنیوں نے اس سے انکار کیا اور یہ کہا کہ اگرچہ گناہ کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے لیکن اس سبب سے کہ اس کا عقیدہ درست تھا نہیں ہوتا۔ (ابن خلیفان جلد ۳۴۳۴) ایک طالب علم واصل ابن عطاء جو ششہ کو مدینہ میں پیدا ہوئے تھے (اوٹھ کر کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ جو مسلمان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ دونوں کے درمیان میں ہے یہ کہہ کر اسی مسجد کے کسی اور جگہ جا بیٹھا جہاں کہ اس کا دوست عمر ابن عبیدہ اور بعض آ کے شامل ہو گئے اور بحث ہونے لگی اسی اثنا میں ایک عالم فتاویٰ نامی داخل مسجد ہو کر انکی طرف آیا اور فریق الحسن سے اٹھیں جدا دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ معتزلہ ہیں۔ ابوالحسن نے اٹھیں فوراً اپنے مدرسہ سے خارج کر دیا واصل نے اپنا ایک مدرسہ (بامسک) علیحدہ قائم کیا اور انکی وفات کے بعد عمر ابن عبیدہ قائم مقام ہوا۔

واصل کا یہ عقیدہ تھا کہ مومن باوجود گنہگار ہونے کے مستوجب ایسی سزا کا نہیں ہے جو کافر کو ہونی چاہیے۔ اور اسی طرح مراتب سزا کے بحث کو چھڑانے سے انسان کی جوابدہی اور اختیار محض کے مسئلہ پر بھی بحث کی راہ نکل آئی اس سے بہت جلد اسکے اور دیندار عالموں کے درمیان سے مسئلہ تقدیر پر اور پھر الہام پر اور قرآن کے تفسیر اور اسکے قدیم ہونے پر اور صفات الہیہ پر جھگڑا پیدا ہوا۔ واصل کے معتقدوں نے حق امامت کو منجانب اللہ ہونے سے انکار کیا اور یہ قرار

دیکھ مومنوں کو اختیار ہے کہ متفق ہو کر کسی لائق آدمی کو خواہ وہ نسل قریش سے ہو۔ یا غیر قریش سے اپنا امام مقرر کریں۔ اصول منطق اور مسائل حکمت سے احکام دین کو تطبیق دیکھائی تھی۔

مشتراستی کی تحریر کے مطابق معتزلہ کے عقائد اس طرح ہیں۔

خدا قدیم ہے اور اسکی ذات قدیم ہے۔ اور محض وجود صفات قدیمہ سے (اور سطر چہرہ) کہ اسکی ذات سے علحدہ ہوں) انکار محض ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ علم اور حیات اور قدرت اور اسکی ذاتیات میں سے ہیں اور اسکی ذات کے اجزاء ہیں۔ اسکی ذات سے جدا اور صفات قدیمہ نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو لازم آوے گا کہ قدیمی ذاتیں متعدد اور کثیر ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا کا علم انسان کی سمجھ میں اور سب قدر آسکتا ہے۔ جیسا کہ اور کسی چیز کا علم آسکتا ہے۔ لہذا جو جہانی خدا کو نہیں دیکھ سکتی ہے اور سوائے اسکی ذات کے ہر چیز حادث و فانی ہے۔ اور نکاد دعویٰ یہ بھی ہے کہ عدل انسان کے سب کاموں کی جزا اور اصل ہے اور انکے نزدیک عدل احکام عمل سے اور ان احکام کے نتائج سے سراسر مناسب ہے۔

پھر انکا عقیدہ یہ بھی ہے کہ افعال انسان کے واسطے کوئی ایسا قانون یا شرع نہیں ہے جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ تک رہے۔

الہام الہی جنہر افعال انسان کا بند و بست موقوف ہے (ترقی عقل و ایجاد کے نتائج ہیں) جس شریعت سے اوامر اور نواہی و عدے اور وعید خدا نے بتائے ہیں وہ بھی بتدریج حد میں کو پہنچے ہیں اور اسکے ساتھ معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو نیک کام کرتا ہے ثواب پاتا ہے اور جو برے کام کرتا ہے مستوجب عذاب ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کل علم عقل سے حاصل ہوتا ہے اور عقل ہی سے اسے حاصل



ہونا چاہیے اس کے عقیدہ میں نیکی اور بدی کی تمیز عقل ہی پر موقوف ہے اور بغیر عقل کی  
 نیکی اور بدی کی تمیز غیر ممکن ہے اور خدا کی نعمتوں کی شکر گزاری کو بھی کسی قانون کے  
 مشتمل ہونے سے پیشتر ہی عقل نے ہم پر واجب کر دیا ہے۔ وہ یہ بھی دعویٰ کرتے  
 ہیں کہ انسان خود مختار محض ہے۔ وہی خود فاعل خیر و شر ہے اور اسی کے مطابق اچہ کہ جڑا  
 یا سزا پاوے گا۔

خلفاء عباسیہ یعنی مامون اور متھم اور واثق کے ایام خلافت میں (۱۹۵ھ)۔  
 ۲۳۱ھ) شہر بغداد میں معتزلہ کا بڑا رسوخ دربار میں رہا۔ عہد عباسیہ میں قدیم عرب  
 کی جماعت بالکل جاتی رہی اور فارسی ملک کے اعلیٰ ضیاء پر ممتاز ہوئے اور عرب  
 کے مسائل کی جگہ فارسیوں کے مسائل نے رہ پائی۔ سنی عالموں کو بڑی ایذا میں  
 پہنچیں۔ اون ایذاؤں کا حال بعد ازین لکھا جاوے گا۔ خلیفہ واثق نے آخ الامم زہری  
 اختیار کی۔ ایک روز کسی سن آدمی کو بقید گران اس کے حضور لائے۔ قیدی نے  
 یہ درخواست کی کہ احمد ابن داؤد معتزلی سے (جو عدالت محقق کا افسر تھا) چند سوال کرنے  
 کی اجازت لمجاوے۔ چنانچہ وہ درخواست منظور ہوئی اور دونوں کے درمیان  
 یہ گفتگو ہوئی۔ اول۔ قیدی نے کہا کہ۔ اسے احمد متہارہ عقیدہ کیا ہے۔ احمد نے  
 کہا یہ سراسر عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے اس سے لازم آتا ہے کہ یہ مسئلہ  
 بلاشبہ دین کا جزو لازمی ہے کیونکہ دین کو بغیر اسکے کس میں کہہ سکتے ہیں  
 احمد نے کہا البتہ۔ آیا۔

رسول اللہ نے یہ بات لوگوں کو سکھائی ہے یا انہیں اپنی عقل پر چھوڑ دیا ہے۔  
 آیا خدا کے رسول اس مسئلہ سے واقف تھے یا نہیں پھر ان وہ واقف تھے پھر تم ایسی  
 مسئلہ کو جس کے اختیار کرنے میں خود رسول اللہ نے لوگوں کو اونکی مرضی پر چھوڑ دیا تھا پھر

کیون منواتے ہو۔ احمد نے اسکا کچھ جواب نہیں دیا۔ تو اس بڑھے نے واثق کی طرف متوجہ ہو کے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اب میری ایک بات تو ثابت ہو گئی۔ او۔ پھر احمد کی طرف مخاطب ہو کے کہا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ آج کے دن اس دین کو تمہارے واسطے بخشے گا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا اور میری خوشی ہے کہ اسلام تمہارا دین ہو۔ سورہ۔ ۵۔ ۵۔ لیکن تمہارے کہنے کے بموجب جب تک اس مسئلہ کو اختیار نہ کریں کہ قرآن مخلوق ہے۔ اسلام بخشہ نہیں ہوتا۔ تو اب کسکا کہنا زیادہ اعتبار کے لائق ہو گیا تھا کہ جو کہتا ہے کہ اسلام کو تمہارے واسطے پورا کیا۔ یا تمہارا جو اس کے مخالف کہتی ہو۔ احمد نے اسکا بھی کچھ جواب نہیں دیا۔ بڑھے نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اب میری دوسری بات بھی ثابت ہو گئی۔ پھر اس بڑھے نے احمد سے کہا کہ خدا نے کلام مجید میں فرمایا ہے اے رسول جو کچھ تجھے پر میرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے پہنچا دے کیونکہ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تبلیغ رسالت مطلق نہ ہوگی۔ اس کے تم کیا نہ لیتے تو آیا یہ مسئلہ جسے تم مومنوں میں رواج دینا چاہتے ہو۔ رسول نے بتایا تھا یا نہیں احمد نے کچھ جواب نہ دیا خاموش ہو رہا۔ تو بڑھے نے بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کے عرض کی کہ یہ میری تیسری دلیل ہو اور پھر محمد کی طرف پھر کے بولا کہ آیا نبی کو اس مسئلہ سے جسے تم پھیلانا چاہتے ہو باوجود واقع ہو چکے سکوت اختیار کر لینا منصب تھا البتہ یہ ادھین منصب تھا اور آیا البوکرا اور عمر اور عثمان اور علی کو بھی یہی منصب تھا۔ ان ادھین بھی تھا۔ اسپر قیدی بولا کہ اے امیر المومنین اگر خدا اس آزادی سے جو اس نے اپنے بنی اور اصحاب کو عطا کی تھی یہیں محروم رکھتا ہے۔ تو وہ درحقیقت ظالم تھا۔ خلیفہ کو یہ بات پسند آئی اور بڑھے کو فوراً رہائی دی۔ اور ان ایذاؤں کا جو سنیوں کو مدت سے سہنی پڑتی تھیں خاتمہ ہو گیا۔ اور سنت کی تقلید سے بچنے کی کوششیں بھی جاتی رہیں۔

(۱) دوسرے خلیفہ متوکل نے کہ پڑا جابر و ظالم تھا پڑانی و نیداری کہ پھر رواج دیا۔ اوسے فتویٰ جاری کر دیا کہ مسئلہ مخلوقیت قرآن کا محض باطل تھا اور سیحیون اور یہودیون اور شیعون اور معتزلون پر بڑا تشدد اختیار کیا۔ سب سے پہلے یہ آفت احمد ابن داؤد پر آئی بیدینی اور آزادی بالکل دور ہو گئی۔ لیکن معتزلون کا اخراج کامل اس خلیفہ کے عہد میں نہیں ہوا بلکہ چند مدت کے بعد ابو حسن العسری کے عہد میں ہوا (۳۲۰-۳۴۰) باوجودیکہ بغداد کی حکومت سے معتزلون کا اخراج ہو چکا تھا لیکن بصرہ میں اب تک بکثرت رہتے تھے وہاں ایک روز یہ واقعہ ہوا کہ ایک عالم معتزلہ ابو علی الجبائی نیکو شاگردوں کو درس دے رہا تھا کہ الاشعری نے استاد سے عرض کیا کہ تین بھائی تھے جن میں ایک سچا مومن اور صالح اور راست باز تھا دوسرا کافر۔ شریر۔ گمراہ تھا اور تیسرا نابالغ تھا تینوں نے قضا کی۔ تو اوں کا کیا حال ہوگا۔ الجبائی نے کہا کہ جو بھائی نیک تھا بہشت میں اعلیٰ مقام پاویگا اور کافر و زرخ۔ من جاویگا۔ اور بچہ بھی نجات پائے ہوؤں میں ہوگا۔ الاشعری نے کہا اگر نابالغ اپنے نیک بھائی کی جگہ جانا چاہے تو پہنچ سکیگا۔ الجبائی نے جواب دیا کہ نہیں۔ اوس سے کہا جاویگا کہ تیسرا بھائی اس سبب سے اس درجہ پر پہنچا کہ اوسے خدا کی اطاعت بہت لگی اور تو نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ الاشعری نے کہا عرض کیجئے کہ اگر وہ نابالغ کہے کہ

(۱) ۱۲۸- تمام مباحثے جو اس زمانہ میں واقع ہوئے اور نظام طلب سمجھنے کے واسطے حالات خلفائے اور مسلمانوں کی علوم حکمت سے کہ یہ قدر واقع ہونا ضرور ہے خلفائے حالات اس میں کتاب دربارہ خلفاء و انبیا و میں مندرج ہیں۔ مسلمانوں کی علوم حکمت کی نسبت اس باب کے تحت میں مثنیٰ کیجئے کہ لکھا ہے۔

کہ کچھ میرا تصور نہیں تھا۔ تو ہی نے مجھے زندہ نہیں رکھا نہ ایسا موقع دیا کہ تیری اطاعت  
 بجا آئے۔ اچبانی نے کہا کہ اس وقت خدایہ کہنا مجھے معلوم تھا کہ میں تجھے زندہ رکھتا تو  
 تو باؤمان ہوتا اور درخ میں جاتا۔ میں نے تیرے حق میں بہتر کیا۔ الاشعری نے کہا  
 افس کیجیے اگر کا فہجانی اس وقت یہ کہتا کہ اسے رب العالمین اگر تجھے اس کا حال معلوم  
 ہوتا تو میرا بھی ضرور معلوم ہوگا۔ تو نے اس کے حق میں بہتری کی اور میرے حق میں نہیں  
 کی (ابن خلیفان جلد ۲ ص ۶۶۹) اچبانی اگرچہ اپنے شاگرد سے ناراض تھا مگر ساکت  
 ہوا اور اشعری کو یقین ہو گیا کہ معتزلوں کا یہ مسئلہ کہ انسان مختار محض ہے باطل ہے۔ بلکہ  
 خدا نے بغیر سبب کے بعضوں کو رحمت کے واسطے اور بعضوں کو عذاب کے واسطے مخصوص  
 کیا ہے۔ غرض کہ اس مسئلہ میں اوستاد سے مختلف ہو کر اور بہت سی باتوں میں اختلاف  
 کا لئے لگا۔ اور بہت جلد اس نے یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ قرآن مخلوق نہیں ہے یہ واقعات  
 یوم حسدہ کو جامع لبصرہ میں گذرا۔ ممبر پد بٹھیکر باواز بلند پکارا۔ جو مجھے جانتے ہیں سو جانتے  
 ہیں لیکن جو نہیں جانتے ہیں اسے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ابن اسماعیل الاشعری ہوں  
 میں قرآن کو مخلوق بتاتا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ ہماری آنکھیں خدا کو نہیں دیکھیں گی۔  
 اور اپنی برائیوں کے فاعل ہم آپ ہی ہیں۔ اب میں نے حق کی طرف رجوع کیا ہے۔  
 ان عقائد کو ترک کرتا ہوں۔ اور مغزوں کی شرارت کا اظہار اور استیصال چاہتا ہوں  
 ابن خلیفان کی کتاب جلد ۲ ص ۸۲۸) پھر اس نے متکلمانہ طریقے جاری کر کے اپنا سلک  
 علامہ قائم کیا جو سنیوں سے ملتا ہے۔ اشعریوں کے مسائل صفاتیوں سے ذری  
 مختلف ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱ خدا کی صفات اس کی ذات سے جدا ہیں لیکن وہ ایسی جدالی نہیں ہیں جس سے  
 خدا و مخلوق کے درمیان کچھ مشابہت یا مناسبت ہو سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کی

صفات نہ عین ذات نہ غیر ذات ہیں نہ اویھن خدا کی ذاتیات سے کہہ سکتے ہیں نہ اس سے جدا تصور کر سکتے ہیں۔ نیچے کسی چیز سے اویھن کچھ مشابہت نہیں دیا جاسکتی اور (۲) خدا کا ارادہ واحد اور قدیم ہے جس سے تمام چیزیں منہر و شمر۔ مفید و مضر پیدا ہوتی ہیں۔ جو کچھ انسان کی تقدیر میں ہے وہ سب دنیا کے ظہور سے قبل لوح محفوظ پر ثبت ہو چکا تھا۔ یہاں تک یہ لوگ صفاتیوں سے متفق ہیں لیکن اس لیے کہ انسان کی جوابدہی اور اختیار میں بھی فرق نہ آوے یہ کہتے ہیں کہ او سے ارادہ الہی کی تحریک دینے کی قدرت ہے لیکن اس تحریک سے کوئی نئی بات جو خدا کے ارادہ میں نہ ہو پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو اس کی حکومت و مالکیت میں فرق آ جاوے گا وہ کہتے ہیں کہ خدا نے پہلے سے یہ مقرر کر دیا ہے کہ جب کبھی آدمی اچھا یا بُرا کام کرنے کی نیت کرتا ہے تو اسی وقت اوس نیت کے موافق خدا اس کے اسباب پیدا کر دیتا ہے پس بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے اپنے ارادہ سے کیا حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہوتا ہے۔ ایسے کام کو کسب اس سبب سے کہتے ہیں کہ خدا کے خاص پیدا ہونے والے فعل سے حاصل ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ کام جلب منفعت اور دفع مضرت کے واسطے بتایا گیا ہے اس واسطے خدا کی نسبت اس کا استعمال ہو سکتا ہے ابو بکر البطلانی شاگرد الاشعری کہتا ہے کہ نفس اوس فعل کا یعنی عین فعل خدا کی قدرت سے ہوتا ہے لیکن ماننا یا نہ ماننا اوس فعل کا جیسی بندگی کرنا یا حرام کاری کرنا اوس کے اوصاف میں سے ہے جو انسان کے اختیار و قدرت سے ہوتا ہے۔

امام الحرمین (۴۷۴-۴۸۹ھ) یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انسان کے فعل اوس قدرت کے سبب سے ہیں جو خدا نے آدمی کو عطا کی ہے۔

ابو اسحاق الاشعری کہتے ہیں کہ جس چیز سے دل پر اثر پہنچتا ہے یا کسی فعل کی رغبت پہنچتی ہے وہ خدا و انسان کی قدرت کا مجموعہ ہے۔

(۳) وہ کہتے ہیں کہ خدا کا کلام ازلی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی منسوب ہے کہ قرآن کی قرأت جو اس کلام کے اظہار کے واسطے استعمال کیجاتی ہے مخلوق ہے۔ تفسیر مختصر یہ کہ اس قرآن میں (۱) وہ کلام قدیمی ہے جو خدا کی ذات میں زمانہ کے وجود کے قبل موجود تھا۔ (۲) وہ کلام ہے جو آواز و جروت سے مرکب ہے اس آواز ذکر کو وہ لوگ مخلوق کہتے ہیں غرض کہ الاشعری نے اس سے منکر ہو کر انسان کے عقل سے خیر و شر کا علم حاصل کر سکتا ہے معجزوں کے خاص عقائد سے اعراض کیا۔ جو کہ خدا نے بتایا ہے آدمی کو چاہیے کہ بے حجت اور سے قبول کرے۔ عقل کو دخل نہ دے اور سے کوئی منصب نہیں ہے کہ افعال الہیہ کو قواعد عقلی سے جو آدمیوں پر موثر ہیں، جانچے۔ آدمی کی عقل نہیں کہہ سکتی کہ عقیدے میں نیکی کا بدلہ یا بدی پر تعذیر ہوگی انسان کو ہمیشہ خدا کے سامنے بندگی کا اظہار چاہیے اور میں یہ عقل و علم نہیں کہ حکیم علی الاطلاق کی حکمتوں کو آزمائے۔ آدمی نہیں کہہ سکتا کہ گنہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں خدا مالک مطلق ہے جو چاہے کرے وہ کسی قانون یا قاعدہ کا پابند نہیں ہے۔

سوائے اسکے صفاتیوں کے عقائد میں اور بہتری تجزیات میں جنکی تفصیل فصول سمجھ کر ظہر انداز کرتا ہوں۔

تشابہی وہ لوگ ہیں جو آیات تشابہ کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کے اور اس کے مخلوق کے درمیان ایک قسم کی مشابہت ہے۔ اور یہ کہ خدا میں امکان ایسی حرکت کا ہے جو محدود بالمكان ہو مثلاً چڑھنا اور اترنا وغیرہ

ذالک ان صفات کو وہ لوگ صفات ظاہری کہتے ہیں۔ محسوسی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا جسم رکھتا ہے۔ او نہیں بعض اوسکے جسم کو محدود اور بعض غیر محدود سمجھتے ہیں۔ تجربی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ انسان محض بے اختیار ہے خیر و شر جو کچھ انسان سے سرزد ہوتی ہے وہ سب خدا کرتا ہے۔ پس یہ لوگ معتزلوں کے عین مخالف ہیں جنہیں بقابلہ جبر یوں کہتے ہیں یعنی اوہیں قدرت سے انکار محض ہے۔ اور کہتے ہیں کہ خیر و شر سب انسان کی طرف سے ہے۔ غرضکہ اس قسم کی اور جزئیات ہیں جنکے ذکر کی چند ان غرورت نہیں ہے۔ سینوں کو اشعری کے عقائد سے اور شیعوں کو معتزلہ سے مناسبت ہے۔

صفات کے متعلق اسماء کی بحث بھی ہے جو خدا کے ذکر میں استعمال کیے جاتے ہیں کل فرقے اس پر متفق ہیں کہ حسی اور حکیم اور قدیر اور سمیع اور بصیر۔ پورے والا غیر ذالک ایسے اسماء ہیں جنکا اطلاق خدا پر ہو سکتا ہے۔ لیکن سینوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ اسماء توصیفی ہیں یعنی انکا استعمال موقوف ہے حکم پر یعنی خدا کے اظہار و صف میں ایسے کسی نام کا استعمال اس وقت تک جائز نہیں ہے۔ جب تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا حکم اوسکے جواز میں نہ ہو۔ خدا کو شافی کہنا درست ہے لیکن طبیب کہنا درست نہیں ہے حالانکہ معاذ و نون میں چند ان فرق نہیں ہے۔ اسکا سبب صرف یہی ہے کہ طبیب کا لفظ قرآن یا احادیث میں خدا کی نسبت کمین نہیں آیا ہے۔ اس طرح خدا کو عالم (جاننے والا) کہنا جائز ہے لیکن یا عاقل (یعنی حکیم و دانایا) کہنا درست نہیں ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر قرآن یا احادیث میں کوئی کلمہ کسی صفت کی تعریف میں آیا ہے تو اوس اسم صفت سے جو کلمہ صفت بنے گا اوسکا اطلاق خدا پر جائز ہے۔

اگرچہ قرآن و حدیث میں بعینہ وہی مکرر آیا ہو۔

انقرابی (۵۵۰-۵۵۱) مہجری میں جنکے دلائل و لال نے شرقی ملکوں میں مسلمانوں کے فلسفہ کو ناپید کر دیا تھا کہتے ہیں کہ جو اسماء ذاتی شیعہ میں مبین آئے ہیں اگر اہل فلسفہ کی بزرگی ظاہر ہوتی ہو تو انکا استعمال محض اظہار و صفت کے واسطے چوہہ مضائقہ نہیں ہے لیکن ذات کی نسبت ہرگز اطلاق نہیں کر سکتے۔ چونکہ خدا فارسی زبان کا لفظ ہے اور قرآن و حدیث میں کہیں نہیں آیا ہے اس سبب سے اوپر یہی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اسکا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ خدا ہم معنی واجب الوجود کے ہے اس واسطے تا وقتیکہ اسم ذات نہ سمجھا جاوے استعمال جائز ہے۔

در شرح عقائد جامی (۶۳۲) پس عام عقیدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسماء مریدہ زبان جو ہم معنی اللہ کے ہیں انکا استعمال ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ نام کافروں کی زبان سے نہ لے ہوئے مثلاً ایشور، بیشور وغیرہ والک جائز نہیں۔ لیکن جو اسماء قرآن و احادیث سے ثابت ہیں وہ سوائے لفظ اللہ کے ۹۹ ہیں۔ انہیں اسماء حسنہ (۲) اچھے نام کہتے ہیں لیکن علاوہ انکے بہت اور الفاظ ہم معنی ہیں جنکا استعمال از روئے اجمال درست ہے مثلاً ثمان مراد رحیم کے اور ثمان۔ بمعنی منت نہندہ کے۔ تفسیر بحر میں لکھا ہے کہ خدا کے تین ہزار نام ہیں۔ جن میں ایک ہزار فرشتوں کو اور ایک ہزار نبی کو معلوم ہیں۔ باقی رہے ایک ہزار وہ اس طرح پر منقسم ہیں کہ تین سو توریت میں اور تین سو زبور میں اور تین سو انجیل میں اور ۹۹ قرآن میں آئے ہیں اور ایک ایک پوشیدہ ہے

(۲) اور اللہ کے ہیں سب نام خالصے سوا اسکو بکار وہ کہہ کر اور چہرہ و اندکھو کج راہ چلتے ہیں انکو سکے ناموں سے (سورۃ اعراف، آیت ۱۷۹) —



صفات باری کے اثبات حقیقت کو آیات ذیل پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ثبوت حیات میں یہ آیتیں وارد ہیں۔ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ زندہ ہے۔ ہمیشہ قائم رہنے والا (سورہ ۲۵۶ و ۲) وہ کل علیٰ الحی الذی لا یموت۔ اور بہرہ و سار کھادیں زندہ پر جو نہیں مرتا۔ سورہ ۲۵۔ ۶۰۔

(۲) ثبوت علم میں۔ الم تر ان اللہ تعلم ما فی السموات و ما فی الارض۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ (سورہ المجادلہ۔ ۵۸ و ۵۹) عندہ مفاتیح الغیب لا یظہر الا ہوا الخ۔ اور اوسکے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں سوائے اوسکے اور کوئی نہیں جانتا اور جانتا ہے جو کچھ جگہل اور دریا میں ہے۔ اور کوئی پتہ ایسا نہیں کہ تیسرے وہ جانتا ہو۔ اور کوئی دانہ نہیں گرتا ہے ادا عیری زمین میں اور نہ تیرا ورنہ کوئی خشک جو کتاب میں نہ ہو۔ (سورہ النعام و ۵۹)

(۳) قدرت لو شیا اللہ الذی سبج اور اگر اللہ چاہے اونکے کان اور آنکھیں لیجاوے تحقیق اللہ ہر چیز پر قادر ہے (سورہ بقرہ و ۱۹) ایس ذاک بقادر الخ کیا وہ اسپر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کرے (۵۷ و ۶۰) خدا ہر شے پر قادر ہے۔ (۳ و ۱۵۹)

(۴) ارادہ۔ فقال لما یرد کرنے والا ہے جو کچھ چاہے۔ (سورہ بروج ۱۶) اور اگر چاہتا اللہ البتہ اکٹھا کرنا اونکو اور ہدایت کے (سورہ النعام ۳۵) پس مگر ادا کرتا ہے اللہ جسکو چاہے اور راہ دکھاتا ہے جسکو چاہے اور کرتا ہے اللہ جو چاہے سورہ النعام (۳۲ و ۴۴)

چونکہ اس صفت کو ایمان (مفصل) سے جسمین تقدیر کا بیان ہے خاص تعلق ہے۔ اسوائے جو کچھ ارادہ مختلفہ اوسکی نسبت میں اونی تفصیل موقع پر کی جاوے گی

یہ چاروں صفات جو قرآن میں بالصراحتہ مذکور ہیں اول کے وجود میں اختلاف آراء مطلق نہیں ہے۔ البتہ اوکلی فعلیت اور طریق وجود میں اختلاف ہے۔

اول صفاتیوں کا پُرانا مسئلہ یہ ہے کہ صفات الہیہ قدیم یا ہر میں ذات میں۔  
دوسرے معزلیوں کے عقیدہ میں یہ ہے کہ صفات قدیم نہیں ہیں۔

تیسرے اشعرلوں کے نزدیک صفات قدیم ہیں لیکن ذات سے ستا ہیں۔

باقی رہے تین صفات سمع۔ وبصر۔ و لطف۔ سو انکے نسبت بھی بڑا اختلاف

ہے پہلے وہ صفات کے وجود پر قرآن کی آیات ذیل سے استدلال کرتے ہیں۔

انہو السمع العظیم تحقیق وہی ہے سنا اور جانتا سورہ و خان ۵۔ لا تدرك الابصار

وہو يدرك الابصار۔ اسکو نہیں پا سکتے آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو۔ سورہ

الغاثم۔ ۱۰۳۔

بٹھنا۔ اوٹھنا۔ وغیر ذالک ہاتھ۔ منہ۔ آنکھیں۔ ملے بذا القیاس اسے

الفاظ میں کہ انکے استعمال معانی مختلفہ سے (جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں) صفاتیوں

میں متعدد و تفریق ہو گئے ہیں۔

امام غزالی کہتے ہیں کہ وہ اپنے تحت ہر ایسے طور سے بٹھنا ہے جیسے او سے آپ ہی

بیان کیا اور وہ آپ ہی اسکا مطلب سمجھتا ہے۔ اور اسکا بٹھنا ایسا ہے کہ کوئی ادراک

یا عقل نشست و مکان کا اس تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ یہ عقیدہ اشعرلوں کا ہے

لیکن اشعرلوں کے اور ادون کے درمیان میں جو محسوس کی غلطی میں پڑے ہیں ایک

اور فرقہ ہے۔ مقلدین امام حنبل کہتے ہیں کہ یہ الفاظ ادون صفات پر دلالت کرتے ہیں

جبکہ امکان خدا کی ذات میں ہے مثلاً خدا اپنے تحت پر بٹھا ہے کٹے یہ معنی ہیں

کہ اوس میں بٹھنے کی قدرت ہے اور کا قول ہے کہ ہم الفاظ کے حقیقی معنی قائم رکھتے

ہیں اور مجازی معنی لینے درست نہیں جانتے۔ کیونکہ عبارت کے صریح معنی سے  
 احسنہ از کرنا اور نئے معنی گڑبٹنا ایسا فضل ہے کہ اوس سے وحی کے وقت و اعتبار میں  
 کا احتمال ہے۔ دوسرے ہماری یہ مجال نہیں کہ اوسکے کام کو سمجھ سکیں یا سمجھا سکیں  
 کیونکہ یہ لکھا ہے اور نہیں اوسکے جوڑ کا کوئی، (اخلاص ۱۱۲) "یس کشمہ شے"  
 اوسکی طرح کا سا کوئی نہیں ہے (شوری ۹) "اللہ کی قدر نہیں سمجھے جیسے اُسکی  
 قدرت ہے" (ج ۲۔ ۳۷) اس امر کے ثبوت میں کہ خدا کے رہنے کی جگہ زمین ہے  
 یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ابن حکم نے جب چاہا کہ ایک لونڈی کو جسکا نام سوہوار بنت  
 آزاد کرے بنی سے اس معاملہ میں اصلاح پوچھی۔ آپ نے اس لونڈی سے بلا کر  
 پوچھا تو جانی ہے کہ خدا کمان ہے اوسنے کہا کہ آسمان میں اس پر آپ نے فرمایا یہ عورت مہینہ  
 اس پر آزاد کرنا چاہو مسفر کہتے ہیں کہ اوسکی ازادی کا باعث یہ نہیں تھا کہ خدا کو ایک جگہ میں بندھ لایا جاتی تھی بلکہ  
 اس سبب کہ اوسنیان الفاظ کو فطری معنی میں استعمال کیا۔ شیعہ کے نزدیک حرکات سکناات وغیرہ کو  
 خدا سے منسوب کرنا سراسر غلطی ہے کیونکہ یہ صفات مستلزم جسمیت کو ہیں۔ اونکا یہ  
 عقیدہ بھی سنیوں کے خلاف ہے کہ خدا کو کبھی کوئی دیکھ نہیں سکیگا کیونکہ دیکھنے میں  
 وہ شے آتی ہے جو محدود بالمكان ہو۔

ساتویں صفت کلام۔ ہے۔ اسپرڑی بحث ہے جو قرآن کی اصلیت سے  
 متعلق ہے کیونکہ کلام کے معنی حجر دگو یا مٹی اور کلام کے نہیں ہیں بلکہ وحی اور نیز  
 جو طریقے تبلیغ احکام اور اخبار کے ہیں سب کلام کے مفہوم میں داخل ہیں۔  
 امام غزالی لکھتے ہیں کہ خدا سے قائلے کلام قدیمی سے جو اوسکی ذات میں ہے بولتا ہو۔  
 اور امر وہنی اور وعدے و وعید کرتا ہے۔ اوسکے کلام کو مخلوق کے کلام سے کچھ مختلف

نہیں۔ نہ وہ مرکب ہے ایسی صوت سے جو اجسام کے اتصال اور ہوا کے صدمہ سے پیدا ہوتی ہے۔ نہ وہ ایسے حروف ہیں جو لبوں کے وصل اور زبان کی حرکت سے سرزد ہوں۔ قرآن و توریت اور انجیل و زبور ایسی کتابیں ہیں جنہیں خدا نے اپنے رسولوں پر نازل کیا ہے اور قرآن درحقیقت اون قرأتوں سے جو کتابوں میں مندرج ہیں پڑھا جاتا ہے اور دلوں میں رکھا جاتا ہے۔ بائبل اور اس تثلیث سے کہ خدا کی ذات میں ہے ممکن التفریق، التقسیم نہیں حالانکہ وہ ان میں اور کچھ غریب منتقل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح موسیٰ نے بھی خدا کا کلام بلا صوت یہ حرف سنا تھا۔ اور نیزاؤنیار اللہ بھی خدا کی ذات کو بغیر وساطت کسی شے یا حادثہ کے دیکھتے ہیں سب سنی مسلمان عالم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا درحقیقت کلام کرتا ہے۔ معجزہ کو اس سے انکار ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا متکلم اس معنی سے ہے کہ الفاظ و اصوات کا پیدا کرنے والا ہے۔ قرآن کے قدیم ہونے کے مخالف وہ لوگ یہ اعتراض وارد کرتے ہیں۔ (۱) یہ کہ زبان عربی میں لکھا گیا ہے۔ نازل ہوا ہے۔ پڑھا جاتا ہے۔ سنا جاتا ہے۔ اور لکھا جاتا ہے اور یہ کہ موضوع معجزہ کا تھا اور قسم جس پر ہے اور بعض آیات بعض سے منسوخ ہیں۔

(۲) اوسین اخبار کا بیان بزمان ماضی ہے اگر قرآن قدیم ہوتا تو زمانہ استقبال استعمال کیا جاتا۔

(۳) قرآن میں اوامر و نواہی کا ذکر ہے پس اگر قدیم ہی ہے تو امور کون تھے اور نصیحت کسے دیکھی تھی۔

(۴) اگر قدیم سے موجود ہے تو چاہیے کہ اب تک رہے اور ازل سے موجود ہوا اور طرح کر لوگوں پر اس کے احکام کا بجالانا بافضل واجب ہے ایسی عبتائیں ان میں سب احکام

کا بچانا اور شریعت کے ظاہری رسوم کا قائم رکھنا واجب ہو۔

(۵) اگر قرآن قدیم ہے تو لازم آوے گا کہ دو وجود قدیم ہیں۔ جس محل پر یہ اعتراض پیش کیے جاتے ہیں ابتداء اعتقادات اسلام سے اسے چندان تعلق نہ تھا۔ اداہل میں سے نفس ایک اسے بھی لیکن معتزلوں کی مخالفت میں ان سمجھوں نے جو چاہتے تھے کہ نیکو اور شہور کیے جاویں نہ صرف قرآن کے قدیم ہونے کا اقرار کیا بلکہ جو کچھ وہ حق سمجھتے تھے اسکی حفاظت میں جان سے بھی دریغ نہیں کیا۔ معتزلوں نے یہ دعویٰ کر کے کہ قرآن وحی غیر متلوینے اسکا مطلب الہامی ہے نہ کہ الفاظ۔ قرآن کو نکتہ چینی سے خالی نہ چھوڑا۔ سنی مسلمانوں کو یہ بات برداشت سے باہر تھی حالانکہ سلمہ عمری بن خلیفہ مامون نے یہ فتویٰ جاری کیا تھا کہ جو کوئی قرآن کے قدیمی ہونے کا دعویٰ ہوگا میدنی اور الحاد کا لازم ہوگا۔ چھ برس بعد اسکے امام احمد ابن حنبل کو اسی بات پر سخت تعذیر دیکر مقید کر دیا کہ اوہ خون نے خلیفہ کے قبول حکم سے روگردانی کی تھی۔ جب شافعی کے نامی شاگرد ابوبتی کو خلیفہ کے حکم سے تعذیر دینی تو اسنے اپنے دل کی چٹائی کو ایک برجستہ دلیل بیان کی قاہرہ سے بغداد تک اوہیں لے گئے اور یہ کہا گیا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقبال کرے اور جب اسنے انکار کیا تو بغداد میں قید کر دیا۔ جہاں کہ موت کے دن تک مقید رہے۔ الیرج ابن سلیمان کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ النبی ایک اونٹ پر سوار تھا گردن میں طون چوبین اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں بیڑیوں سے طوق تک بوبے کی ایک زنجیر بندھی تھی جس میں ۲۵ سیر وزن کا ایک اڑانہ لگا تھا جس سے جنبش نہیں ہو سکتی تھی جب اسے گرفتار کر کے لئے جاتے تھے تو یہ الفاظ زبان سے جاری تھے۔

خدا سے ہمارے ہمارے عالم کو کون سے پیدا کیا پس اگر کلمہ کن مخلوق ہے تو ایک مخلوق نے

دوسری مخلوق کو پیدا کیا را بن خالقان جلد ۴ ص ۴۲۰ اس جگہ البیوی نے اس آیت کی  
 طرہ اشارہ کیا ہے کہ اوسکا حکم یہ ہے جب چاہے کسی چیز کو۔ کہے اور سکون ہو۔  
 ہو جاوے اس ۳۹-۸۲) جس طرح البیوی نے اوسے پیش کیا ہے، اسی طور سے  
 شیون کے نزدیک قرآن کے اثبات قدامت کی مشکوک دلیل ہے جب زمانہ بدلا تو جو لوگ  
 اسکے مخالف راے رکھتے تھے قتل کیے گئے امام شافعی نے بغداد میں ایک منسب  
 عالم حفص سے اسی امر خاص پر غلی الا طعان مباحثہ کیا۔ شافعی نے قرآن کی یہ آیت نقل  
 کر کے لکھا: "انے فرمایا ہو جا۔ اور وہ ہو گیا۔ پوچھا کہ آیا خدا نے کل شیئ کو تہ نہیں پیدا  
 کی حفص نے کہا کہ ہاں اس پر شافعی نے کہا کہ "اچھا اگر قرآن مخلوق تھا تو لفظ کن  
 تو ضرور ہی مخلوق ہونا چاہیے، حفص ایسے سرچ و واضح دلیل سے انکار  
 نہ کر سکا۔ پھر شافعی نے کہا کہ "تمہارے عقیدہ کے موافق کل اشیاء  
 کو مخلوق نے خلق کیا ہے جو بڑی غلطی اور کھلی بیدینی ہے، حفص نے یہ شکر سکوت  
 اختیار کیا اور شافعی کی گفتگو سے سامعین ایسے متاثر ہوئے کہ حفص کو گمراہ اور مرتد  
 سمجھ کر قتل کیا پس اشعریوں کے عقائد نے جو صفات الہیہ کی نسبت تھے  
 اس طرح پھر غلبہ پایا۔ مشرکوں کا زور گھٹ گیا۔

اس کا سبب ظاہر ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ دین کی باتوں میں اپنی عقلوں  
 پر منحصر کرتے ہیں اور ہدایت ایزدی سے تمتع نہیں اٹھاتے ہیں اون کا

۱) بجز بحث کی کتابوں کے اور کہیں معزہ کا نشان نہیں تھا سو یہ کتابیں برباد کر دی گئیں۔ اس واسطے  
 اب کوئی نشان اس خلاف کا جو معزہ اور فریق اسلامی کے درمیان تھا باقی نہیں رہا اس پر جواب  
 کی کتاب اور بارہ خلفاء بغداد ۴۷۶

اکثر یہی حال ہوتا ہے چنانچہ ان میں بہتری حق حق کرنے والے تھے جنہیں بطون سے کچھ سروکار اور نورانی سے کچھ بہرہ نہ تھا۔

اسلام کی سختی سے مخالفت پر مجبور ہو کر عقل کو اپنا مرشد خاص بنایا چاہتے تھے اور جو لوگ ان میں عالی طبع اور بلند ہمت تھے ان میں قہر نہ تھی کہ جس دین کے اتباع کا اقرار کرتے تھے اوس میں تصرف و اصلاح کو دخل دیتے مگر اس میں شک نہیں کہ ایک زمانہ میں یہ بہت بڑی تحریک تھی جس سے حقیقت اسلام کے بدل جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ تاریخ اسلامی میں یہ زمانہ جو نمبر ۱۰ یا ۱۱ کا اس امر کے ہے کہ اسلام کے سخت احکام کی بیزاریاں اور قیود جو روایات کے ازدیاد و قوت و اعتبار سے تدریجاً بڑھ گئی تھیں ان کے توڑنے کی اور ان قیود سے آزاد ہونے کی سعی کی جاتی تھی بڑی تہذیب و ترقی کا زمانہ تھا خلفاء کا دار الخلافہ بغداد کا رو بار اور آبادی اور خوش فطری میں ضرب القتل تھا لیکن یہ سب ترقی بیشتر خاندان فارس سے یعنی آل برکی کی بدولت تھی جنہیں سے ایک شخص خلیفہ ہارون رشید کا وزیر تھا ہارون کی شہرت اور سکے حالات ذاتی کے اعتبار سے محض نا درست اور غیر واجب ہے۔ یہ درست ہر کہ وہ علم کا سر پرست تھا۔ اور اس کی سلطنت وسیع تھی اور بہت سی فتوحات ان کے عہد میں ہوئیں اور عرب کا عروج و اقبال حد کو پہنچ گیا تھا۔ لیکن با این ہمہ ترشہ اور خود راے اور بیرحم حاکم اور ہمہ جہت ایسے عیش و عشرت میں کہ فساد و سخت الزام کے لائق تھا۔ شرابخواری اور فسق و فجور کی گرم بازاری تھی۔ لہذا وجہ سے ہمیشہ سروکار تھا۔ یہ حالت مسلمانوں کے اوس عہد حکومت کی تھی جسے اگر کمال عروج کا زمانہ نہیں تو بڑے عروج کا زمانہ ضرور سمجھنا چاہیے لیکن کسی نیکو کا استقرار یا خوبی کا ایجاد جو اسلام سے ہو سکتا ہے اس کے واسطے یہ عہد بھی کمال نعمتات سے تھا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو کچھ

خوبی یا جہ و جلال انصافاً اس عہد سے منسوب ہو سکتا ہے وہ درحقیقت اس اشارے سے تعلق رکھتا ہے جس میں سیدنی اور تہرہ کو بغداد میں خاص غلبہ اور دہنداری اور ایماندار کی کو ضعف عام تھا اور علوم و فنون اور تہذیب کی ترقی اس زمانہ میں سنیوں کے سبب سے یا ان کے موافق نہیں بلکہ مخالف تھی۔

۲۔ ملائکہ۔ البرخوی نے اسکی نسبت اس طرح لکھا ہے کہ ہمیں اس امر کا اعتراف ضرور ہے کہ خدا کے پاس فرشتے ہیں جو اس کے حکم پر چلتے ہیں اور اس سے کشتی نہیں کرتے۔ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ مرد ہیں نہ عورت۔ بعضے خدا کے تخت کے پاس رہتے ہیں یہ اس کے پیام بھیج جانے والے ہیں۔ ہر فرشتہ کا کام جابا ہے اور کچھ زمین پر رہتے ہیں اور کچھ آسمان پر۔ بعضے کھڑے رہتے ہیں اور بعضے ہمیشہ سے سرسبز ہیں اور بعضے خدا کی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں چننا ایسے ہیں کہ آدمیوں پر مسلط ہیں اور ان کے پاس کتاب اعمال رہتی ہے جس میں آدمیوں کی نیکی و بدی لکھا کرتے ہیں۔ بعضے ملائکہ ملویل انعامت اور بڑی قدرت والے ہیں۔ ان میں سے ایک جبریل ہیں جو ایک ساعت میں آسمان سے زمین پر آجاتے ہیں اور ایک بارو سے پہاڑ کو اٹھا سکتے ہیں۔

ہمیں عزرائیل پر ایمان لانا چاہیے جو مرتے وقت آدمیوں کی جان نکالتے ہیں اور اسرافیل پر بھی ایمان لانا چاہیے جو صور منہ سے لگائے کھڑے ہیں اور منتظر ہیں کہ حیوے خدا کا حکم ہو اس وقت چھو نکدیں۔ اور حجب اس کا حکم ہو گا تو ایسی وحشت ناک آواز سے چھو لکھیں گے کہ سب جاندار مر جائیں گے (سورہ۔ ۲۹۔ ۶۸۔ ۶۹) یہی روز قوت کا آغاز ہو گا اور چالیس برس تک سب مردے پڑے رہیں گے۔ پھر خدا تعالیٰ اسرافیل کو حلا و بکھا اور وہ دوبارہ ایسا صور چھو لکھیں گے کہ اسکی آواز سے سب



مردے جی اوٹھیں گے (فرانسیسی کتاب دربارہ اسلام) البرخیوی کی اس تحریر میں چوتھو  
مقرب فرشتے نیکائیل کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ تمام مخلوقات کی حاجتوں کو  
دیکھتے رہتے ہیں۔ مینہ برساتے ہیں۔ درخت اکاٹتے ہیں اور اناج پیدا کرتے ہیں  
اور جو کچھ آدمیوں اور جانوروں اور پتھلیوں وغیرہ کو ضرورت ہوتی ہے مہیا کرتے رہتے  
ہیں۔ جبرئیل کی خاص خدمت یہ ہے کہ مبیون کو خدا کے پیام پہنچاتے ہیں۔ شہیدانِ حق  
سخت قوتوں والا۔ سورہ نجم آیت ۵ میں انکرن کے نزدیک انھیں کی نسبت آیا ہے۔  
اور خدا کے مقرب فرشتوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون ہے  
کہ شبِ معراج کو نبی نے دیکھا کہ جبرئیل کے ۴ سو بازو تھے اور اذکارِ قدس قدر دراز تھا  
کہ ایک شانہ سے دوسرے شانہ تک جتنا بوند تھا اگر اسے تیز پرواز پر بند قطع کرنا چاہتا  
تو پانسویس درکار ہوتے۔ کہتے ہیں کہ تمام مخلوقات میں ۹ حصے فرشتے ہیں اور ایک  
حصہ باقی اور مخلوق ہے فرشتے نور سے بنے ہیں جس فرشتہ کا جو مرتبہ ہے مقرر ہی ہر  
بڑھتا گھٹتا نہیں ہے۔ اور جسے جو مرتبہ خدا نے دیا ہے اسی پر وہ خوش ہے۔ انھیں  
سواۓ خدا کی معرفت و محبت کے اور کچھ خواہش نہیں۔ جو کچھ اس کا حکم ہوتا ہی بجالاتے  
ہیں اور اسے یہ کہہ جو کوئی ہے آسمان وزمین میں اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں  
بڑی نہیں کرتے اس کی بندگی سے اور نہیں کرتے کاہلی۔ یاد کرتے ہیں رات اور  
دن۔ نہیں ہلکتے نہ (انبیاء ۱۹) وہ سب کے سب معصوم ہیں گناہ نہیں کرتے  
شرح عقائد جامی صفحہ ۱۱۲) یہ صحیح ہے کہ فرشتے آدم کا پیدا ہونا نہیں چاہتے تھے جس سے  
احتمال ہوتا ہے کہ ان کے خلوص عقیدت میں کمی تھی اور خدا پر کامل ہر دہ نہیں رکھتے  
تھے۔ مگر یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے اس کا مقصود خدا کی مخالفت نہ تھی بلکہ اپنے دلوں  
کے شکوک رفع کرنا چاہتے تھے۔ مثلاً جب خدا نے فرشتوں سے کہا کہ تم مجھ کو بنانا ہے

زمین پر ایک نائب۔ بولے ریختے فرشتے کیا تو رکھے گا اوسین جو شخص فساد کرے وہاں  
 اور خون بہا دے در حالیکہ ہم پڑھتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک  
 ذات کو، خدا نے کہا: مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے، یہ سچ ہے کہ ابلیس نافرمان  
 تھا لیکن نافرمانی کے بعد فرشتہ بھی نہیں۔ ۱۔ بلائین کی قسم سے ہو گیا تھا اور  
 جب کہا ہے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کر پڑے مگر ابلیس جن کی قسم کرتا سنو نکال دیا  
 اپنے رب کے حکم سے ۱۸ رکعت ۱۸۸ و نیز دیکھو البقرہ ۳۲۔ فرشتے خاص  
 مواقع پر بصورت انسان ظاہر ہوتے ہیں لیکن عموماً نظر نہیں آتے ہیں۔ ابرہہ نام  
 عقیدہ ہے کہ جانہ فرشتوں اور بھوتوں کو دیکھتے ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ  
 جب تم مرغ کو بانگ دیتے سہو تو رحمت مانگو۔ اس سبب سے کہ جب اوستے فرشتہ  
 نظر آتا ہے تو بانگ دیتا ہے اور جو گدھے کو رینگتے سہو تو لا حول پڑھو اور نفوذ باللہ کہ  
 کیونکہ وہ بھوت کو دیکھ کر چلاتا ہے ”فرشتے آدمیوں کے گناہ بھی بخشواتے ہیں (شوری ۴۲)  
 ۳۱) میں آیا ہے اور فرشتے پاکی بولتے ہیں ساتھ خوبون اپنے رب کے اور گناہ بخشواتے  
 ہیں زمین والوں کے ”بعض فرشتے بندوں کی نگہبانی کرتے ہیں“ اوسکے واسطے پھر  
 دے جو آگے سے اوپر مجھے سے خدا کے حکم سے اوسکو بچاتے ہیں (عدد ۱۳-۱۲) کیا تم کو کفایت  
 نہیں کرتا ہے کہ تمہارا رب تمکو مدد بھیجے تین ہزار فرشتوں سے جو آسمان سے اترے  
 یٰ اٰیہ۔ (آل عمران ۱۲) وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تہنیز گویاں بھیجتا ہے تا آنکہ  
 جب پہونچے تم میں کسی کو موت تو ہمارے قاصد (رسلنا) اوسکی جان نکال لیتے ہیں  
 قصور نہیں کرتے (الغالم ۶۱) حدیثوں میں آیا ہے کہ خدا نے ہر آدمی پر دو فرشتے  
 دیے اور رات کے نگہبانی کو مامور کیے ہیں ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں  
 رہتا ہے۔ مگر بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ دانتوں میں رہتے ہیں اور آدمی کی زبان

اڈکا قلم ہے اور عتاب دہن اونکی سیای ہے (شرح عقائد جامی صفحہ ۱۸۷) وہ آدمیوں کے کاموں کو دیکھتے بھالتے رہتے ہیں اور نیکی و بدی جو کچھ ہوتی ہے لکھ لیتے ہیں۔

انہیں معقبات یعنی پہرے والے کہتے ہیں اور کرنا کا تہن (بزرگ لکھنے والے) بھی انہیں کا نام ہے۔ قرآن میں انکی طرف اشارہ ہے "آیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اڈکا بھید اور شورہ مین جانتے۔ کیون نہیں۔ اور ہمارے جیسے ہوئے اون کے پاس لکھتے ہیں (زخرف ۵۲ - ۸۰) آٹھ فرشتے ایسے بھی ہیں جو خدا کے تخت کو کھانے رہتے ہیں۔ اور فرشتے اوسکے کنارہ ان پر ہیں اور اوسدن اپنے اوپر تیرے رب کا تخت آٹھ شخص اٹھا دینکے (افاق ۷۱) اڈیس فرشتے دوزخ پر مقرر ہیں۔

اسپر ۵۱ شخص مقرر ہیں اور ہنیں بحر فرشتوں کے اور کسیکو دوزخ کا نگہبان نہیں مقرر کیا ہے (المذہم ۷۰) خدا نے اپنے بندوں کے واسطے ایک خاص انتظام کیا ہے جس سے شیطان اچھی طرح نہیں بھکانے پاتا جا بر مغربی لکھتے ہیں کہ شیطان اگرچہ اور سب صورتیں اختیار کر سکتا ہے لیکن خدا کی یا کسی فرشتہ کی یا کسی نبی کی صورت نہیں بن سکتا ہے ورنہ انسان کی نجات میں بڑا خطر رہتا کیونکہ جب چاہتا کسی نبی یا بزرگ کی صورت بنکر لوگوں کو گمراہ کرتا اور جب کبھی کوئی ایسی صورت بننا چاہتا ہے تو آسمان سے آگ نازل ہو کر اوسے بھگا دیتی ہے۔

ہاروت ماروت کا قصہ کسیقدر قابل لحاظ ہے خصوصاً اس سبب سے کہ اوسکو فرشتوں کی بحث معصومیت سے تعلق ہے۔ جو لوگ رسول خدا کے منکر ہیں اونکے ذکر میں قرآن نے خبر دیتا ہے "اور پیروی کرتے ہیں علم کی جو پڑتے تھے شیطان سلیمان کی سلطنت میں اور سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کیا اور لوگوں کو سحر سکھاتے تھے اور جو کچھ دو فرشتوں ہاروت ماروت پر بابل میں اوترا (وہ سکھاتے تھے) مگر یہ دونوں

سیکو نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو آزمائش ہیں۔ سو تو کافر مت ہو،  
 البقرہ-۱۰۲ اس مقام سے صاف ظاہر ہو کہ فرشتے سحر سکھاتے تھے جسے سب بڑا جانتے  
 ہیں۔ مفسر اس معنی پر متفق علیہ نہیں ہیں۔ مگر یہ قصہ اس طرح ہے کہ جب حقوق بنی  
 کے عہد میں فرشتوں نے آدمیوں کو بُرے کام کرتے دیکھا تو جناب باری میں عرض کی کہ اے  
 رب آدم اور اسکی اولاد جسے تو نے زمین پر اپنا نائب مقرر کیا ہو نا فرمانی کرتے ہیں۔  
 خدا نے اسکے جواب میں یہ فرمایا کہ اگر میں تمکو دنیا میں بھیجوں اور ثنوت اور فتنہ تم میں  
 پھیلے تو تم بھی گناہ کرنے لگو۔ فرشتوں نے اسکے خلاف گمان کیا تو خدا نے اونے  
 کہا کہ اچھا تم اپنے درمیان سے دو شخص چن تو جو اس امتحان میں پورے اور ترین چنانچہ  
 انھوں نے ایسے دو فرشتے جو عبادت اور محبت الہی میں نہایت مشہور تھے چن لئے۔ اور خدا  
 نے ان میں ثنوت و غفہ ڈال کر کہا کہ اچھا جاؤ آج تمام دن جدھر چاہو زمین کی سیر  
 کرو آدمیوں کو فساد سے روکو۔ شرک سے بچو۔ زنا مت کرو۔ شراب نہ پیو۔ اور ہر شب  
 کو اسم اعظم پڑھ کر آسمان کو واپس آ جا یا کرو۔ جذبت انھوں نے ایسا ہی کیا لیکن آخر کار  
 ایک حسین عورت مسماۃ زہرہ نے اوھیں بہکا دیا۔ ایک روز وہ عورت ان کے  
 پاس جام شراب لائی۔ اس پر ایک فرشتہ بولا کہ خدا نے اسکے پینے کو منع کیا ہے۔  
 دوسرے نے کہا کہ خدا غفور الرحیم ہے۔ چنانچہ دونوں نے شراب پیکر زہرہ کے شوہر کو  
 مار ڈالا اور اسے اسم اعظم بتا دیا اور آپ سخت گناہ میں مبتلا ہو گئے۔ اسکے بعد انھوں  
 نے دیکھا کہ اسم اعظم ہی یاد سے جاتا رہا۔ جسکے سبب سے حسب معمول آسمان پر جانے  
 سے معذور رہے یہ کیفیت دیکھ کر بہت گھبرائے اور حقوق سے شفاعت کے مستدعی ہوئے۔  
 پتی نے جناب باری میں عرض کی تو یہ حکم ہوا کہ اوھیں اتنا اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہیں دنیا  
 میں عذاب سہیلین چاہیں عقیقہ پر رکھیں۔ اوھوں نے آخرت کے عذاب سے دنیا

کی تفریر کو غنیمت جانا اور جب ہی سے چاہ بابل میں اولٹے لٹک رہے ہیں بعضہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے آکر آگ کے ذرے لگائے اور یہ کہ اُنکے خشک لبوں کے عین اوپر سے ایک تازہ چشمہ نکلا ہو جو ہمیشہ جاری رہتا ہو۔ وہ عورت اسم اعظم کے ذرے سے تیار ہوئی بعض کہتے ہیں کہ شہاب ثاقب ٹبکی بجتی جیسا کہ اب وجود نہیں رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ زہرہ اُسکو کہتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہو کہ قاضی عیاض اور امام فخر الدین رازی (۶۰۶-۵۴۴ ہجری) قاضی ناصر الدین بیضاوی (۶۹۱-۶۲۰ ہجری) اور اکثر متکلمین اس قصہ کے صحت سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب ذشتے گناہ سے پاک ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہو کہ اس سے وہ مشکل جو خود قرآن سے ہاروت ماروت کی نسبت پیدا ہوئی ہے۔ دفع نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتے ہیں کہ جو شخص خود ایسے عذاب میں مبتلا ہو وہ کیا سمجھ سکا ہو گا۔ دوسرے آدمیوں کو ایسی خوفناک جگہ پر جانے کی جرأت کب ہو گی اور عورت کی نسبت کل قصہ کو سراسر لغو جانتے ہیں نہ صرف اس سبب سے کہ وہ ستارہ جیسا کہ نام زہرہ ہے زمان آدم سے اول پیدا ہوا تھا بلکہ اس سبب سے کہ یہ امر خلاف قیاس ہے کہ جو شخص ایسا شد گنہگار اور شریر ہو وہ ایسا مرتبہ پاوے کہ ہمیشہ کو آسمان کا منور تارا ہو جاوے مگر چونکہ وہ مفسر تھے اس مشکل کا حل کرنا اونپر لازم تھا اس واسطے وہ اس طرح لکھتے ہیں کہ سحر بہت بڑا فن ہے خدا کو چاہیے تھا کہ اوسکے جاننے کا اختیار آدمیوں کو دیتا۔ جسکے جاننے کا اختیار خدا نے آدمیوں کو دیا ہو۔ انبیاء کا مرتبہ ایسا نہیں تھا کہ لوگوں کو ایسی باتیں سکھاتے جو یقیناً مفرتیں۔ اسی واسطے دو فرشتے نازل کیے گئے اور اب سب آدمی معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء اور عجائبات ساحران میں جو کچھ فرق ہے بخوبی جانتے ہیں۔ ہاروت ماروت بھی لوگوں کو جادو سکھانے سے اول منع کرتے تھے اور جو کوئی اُنکے پاس آتا تھا اس سے کہتے تھے کہ ہم تو آزمائش میں تو کا فرمت ہو، بعضہ کہتے ہیں

یہ ہودیون کی روایت بزبان نجاری ہو حسین و فرشتوں سے عبارت عقل و علم ہے  
 اور عورت سے خواہشات نفسانی اور عورت کے عروج آسمان سے مراد موت ہے۔  
 لیکن محدثوں کا بڑا گروہ اس تاویل کو نہیں قبول کرتا ہر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قصہ  
 صحیح حدیث سے ثابت ہو اور اسناد بھی درست ہو بخملاہ اولیٰ علماء کے ثبوتی یہ رائے ہے  
 ہند کے نام اس جگہ درج کیے جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ امام ابن قسطل ابن مسعود۔ ابن  
 ابن عباس۔ حافظ عسقلانی۔ (تفسیر فیض الکریم صفحہ ۵۸) وغیرہم۔ جلال الدین سیوطی  
 نے تفسیر درر منثور میں سب احادیث بہ ترتیب نقل کی ہیں اور اگرچہ انکی تفصیل میں  
 قدرے اختلاف ہو لیکن نفس مطلب اس روایت سے مطابق ہو جو میں نے نقل کی  
 ہے۔ محدثین اہل کلام کے اعتراضوں کا جواب اس طرح دیتے ہیں فرشتے بیگناہ استواریت  
 ہیں جب تک حالت ملکوتی میں رہیں۔ اور ہاروت ماروت باوجود مقید ہونے کے  
 سحر سحر سکتے تھے کیونکہ اس مطلب کے واسطے دو ایک کلمے کافی ہوتے ہیں اور  
 یہ کہ بعضوں کو ایسی جگہ سے کچھ باک نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو قیاس چاہتا ہے  
 کہ فرشتوں نے شیطان یا جن کی وساطت سے سکھا دیا ہو۔ اور زہرہ کی نسبت  
 یہ سمجھتے ہیں کہ روشن تارے کی صورت میں منقلب ہونا اسکی نیکی کا صلہ تھا کیونکہ اسم اعظم  
 سکھنے کی آرزو ایسے ثواب کا کام تھا جس سے اسکی کل بدی معدوم ہو گئی۔ اور زہرہ  
 تارے کی پیدائش کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ علم نبوت کے مسائل کا وجود اولیٰ تحقیقات  
 پر ہو جو بعد طوفان کے ان فن کے عالموں نے کی تھیں اور یہ جنوں کے عہد کا قصہ  
 ہو جو نوح سے پہلے دنیا میں گزرے ہیں۔ غرض کہ اس قسم کی بحث چلی جاتی ہے  
 اور بڑے بڑے فاضل اور عالم اس قصہ کو صحیح جانتے ہیں۔ مگر نیکر و فرشتے ہیں  
 ڈرونی صورت سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے جو قبر میں ہر مردہ کے پاس جا کر

آزاتے ہیں کہ آیا خدا پر اور اس کے رسول محمد صاحب پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں۔ موت کے مڑوے عالم برزخ میں رہتے ہیں۔ برزخ اُس مقام کا نام ہے جو اس دنیا کے اور اُس جہان کے درمیان واقع ہے۔ جہان کی قیامت تک انسان کو جگہ میگی رنگیل الایمان صفحہ ۱۹) قبر کا لفظ جب ایسے موقع پر استعمال کیا جاوے تو اس کے یہی معنی میں کافر اور گنہگار مسلمان عالم برزخ میں تکلیف اوٹھاتے ہیں۔ سچے مومن جو فرشتوں کو خوب جواب دیتے ہیں۔ راحت پاتے ہیں۔ بعضوں کے نزدیک فرشتوں کا ایک گروہ اسکام پر نامور ہے جنہیں سے بعض کو منکر اور بعض کو نکیر کہتے ہیں اور چونکہ ہر شخص پر زندگی میں دو فرشتے اعمال لکھنے والے مسلط رہتے ہیں دو دینوں سے مڑوے کے آزمائے کو مقرر ہوتے ہیں۔ نابالغوں کی نسبت رائے کا اختلاف ہے لیکن اکثرین کا عقیدہ یہ ہے کہ مومنوں کے لڑکوں سے سوال ہوگا مگر خود فرشتے ہی انھیں بتا دیں گے کہ اس طرح کہیں۔ ہمارا رب اللہ ہے اور ہمارا دین اسلام ہے اور نبی ہماری محمد صاحب ہیں۔ کافروں کے لڑکوں کے سوال کیے جانے کی نسبت کچھ رائے نہیں دی ہے۔ ابو صیفہ کو لڑکوں کے عذاب کی نسبت بھی تامل تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کے لڑکے اعوان میں رہیں گے جو دوزخ و بہشت کے درمیان ایک مقام ہے۔ اور بعض کا گمان یہ ہے کہ بہشت میں سچے مسلمانوں کے غلام ہوں گے۔ فرشتوں سے علیحدہ ایک اور قسم کی مخلوق ہے جنہیں جن کہتے ہیں آدم کے وجود سے ہزاروں برس پہلے پیدا ہو چکی تھی اور بچے آدم کو کھنکھاتے سنے گاری سے اور جنوں کو اُس سے پہلے لون کی آگ سے بچنے بنایا، جبر ۲۶-۲۷) وہ کھاتے اور پیتے ہیں اون کے اولاد ہوتی ہے اور موت بھی اون کو لگی ہے اگرچہ اون میں اکثر سیکڑوں برس جیتے ہیں۔ ان کے سکونت کے خاص جگہ کوہ قاف ہے۔ یہ ایک سلسلہ پہاڑوں کا ہے

جسے لوگ سمجھتے ہیں کہ محیطِ عالم ہے۔ انہیں بعض مسلمان اور بعض کافر ہیں۔ کافروں کو نظر ہوگی۔ البتہ ہر فرنگ میں دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے (سورہ بقرہ ۱۲۰) سورہ  
 جن میں جو بہتر دین سورت ہو جنوں کے اسلام لانے کا ذکر ہے اور وہ آیت ہسبین یہ ذکر  
 بہت بڑی ہر اس سبب سے بنے نقل نہیں کی ہو جن آسمان کی باتیں سننا چاہتے  
 ہیں۔ (دیکھو سورہ جن ۳۸) ”اور تھے اُسکو ہر شیطان مردود سے بچا رکھا“ مگر جو چوٹی  
 سے سن گیا، (حجرہ ۱۸) جن سلیمان کے تابع تھے اور اُسکی اطاعت کرتے تھے۔  
 (سورہ ص ۳۴) جنوں کے ایک عفریت نے سلیمان سے کہا۔ میں لا دیتا ہوں  
 تجھ کو اُس سے پہلے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور میں اوس پر زور کا مقبر ہوں  
 (نمل ۲۷-۲۹) آخرت کے دن جنوں سے بھی حساب لیا جاوے گا۔ امام ضیفہ کو  
 امین شک تھا کہ آیا مسلمان جن خدا کے یہاں نیکی کا بدلہ پاوینگے یا نہیں البتہ  
 جو جن کافر ہیں اُن پر عذاب ضرور ہوگا۔ حدیث میں جنوں کی تفریق اس طرح ہے  
 (۱) جان (۲) جن (۳) شیطان (۴) عفریت (۵) مرید۔ لوگوں نے اپنی طرف سے  
 بہت سے قصے جنوں کی نسبت بنائے ہیں اور اگرچہ عقلمند مسلمانوں کو ان عجیب بیانات  
 پر شک ہو۔ تاہم یہ اعتقاد ایسا حکمی ہے کہ جب تک قرآن پر ایمان ہو جنوں پر بھی یقین  
 رکھنا ضرور ہے۔ جو لوگ اس ضمن کو اور زیادہ جاننا چاہتے ہیں اور یقین مناسب  
 ہو کر لین صاحب کی کتاب دربارہ مصریوں زمانہ حال کے دیکھیں کہ امین ایک بات نہایت  
 عجیب جنوں پر بھی ہے۔

(۱) جب سے تاریخ کی ابتداء ہے اُس وقت سے کو قاف، دونوں مذہب قوموں یعنی یونانیوں  
 اور مشرقیوں کے نزدیک علم جغرافیہ کی حد تھی (برائس صاحب کی کتاب سسلی بہ ماوراء القاف  
 والارارات صفحہ ۲۸)۔



۳۔ کتب۔ البرخیوی لکھتے ہیں کہ۔ اس بات پر ایمان لانا ضرور ہے کہ خدا کی کتابیں جبرئیل کے وسیلہ سے نبیوں کے پاس دنیا میں پہونچیں اور وہ کتابیں بجز انبیاء کے اور کسی پر نہیں اور ترین قرآن محمد صاحب پر جزوا۔ جزوا۔ ۲۳ برس کے عرصہ میں نازل ہوا۔ تو یہ موسیٰ پر اور انجیل عیسیٰ پر اور زبور داؤد پر اور صحائف انبیاء پر نازل ہوئے مگر کتب الہیہ متعدد ہیں ۱۰۴ ہیں۔ قرآن جو سب سے اخیر میں ہوا ہے اسکی پیروی تا قیامت چاہیے اسمیں کیسے طرح کا نسخ و تصرف نہیں ہو سکتا ہے۔ اگلی کتابوں کے بعض احکام قرآن منسوخ ہو گئے ہیں جنکی پیروی نہیں چاہیے۔ اکیسویں کتابیں آسمان سے بہ ترتیب ذیل نازل ہوئی تھیں۔ آدم پر دس۔ شیث پر پچاس اور لیس پر تیس۔ ابراہیم پر دس موسیٰ پر توریث (پانچ کتابیں) داؤد پر زبور عیسیٰ پر انجیل محمد صاحب پر قرآن۔ اکیسویں کتابوں کو جتنے نام جدا جدا نہیں ہیں صحف انبیاء و نبیوں کی کتابیں کہتے ہیں قرآن کے متعدد نام ہیں۔ فرقان۔ فرق کرنے والا حق و باطل میں قرآن شریف اور قرآن مجید (بزرگ قرآن) المصحف بمعنی مخصوص کتاب کہتے ہیں کہ قرآن توریث و زبور و انجیل و سب کا خلاصہ ہے (شرح عقائد جامی صفحہ ۱۸۰) اسوا سطلے مسلمانوں کو ان کتابوں کے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فارس کا نامی شاعر شیخ سعدی بوستان میں لکھتا ہے۔ یتیمے کو ناکر وہ قرآن درست بکتب خانہ چند ملت لبشت۔ ایسے یتیم کہ ہنوز پورا قرآن نہیں اوترنے پایا تھا کہ بہت سے مذہبوں کو منسوخ کر دیا۔ لیکن دنیا و عالموں پر یہ عقیدہ ہو کہ قرآن نے سب کو منسوخ کر دیا ہے۔

(۱) شرح عقائد جامی صفحہ ۱۸۰۔ منسوخ شد ملا و ملا کتابا۔ یعنی از روئے ملاوت اور کتابت و ملاوت منسوخ ہو تکیس الامان صفحہ ۶۴ میں آیا ہو کہ دین وے نسخہ جمع ادیان است۔ یعنی انہا سب دینوں کا نسخہ کر دیا ہے۔

کہ سید احمد خاں صاحب اور مسلمانوں کو جو ایسا کہتے ہیں جاہل و نادان بتاتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔  
 مسئلہ جو کچھ ہو مگر اور کتب الہامی قرآن سے مرتبہ میں کسرت ہیں۔ انجیل میں نقص و اخبار بہت  
 ہیں۔ سرت مسیح کا اصل کلام جو آسمان سے نازل ہوا ہو الہامی ہے۔ یہی صورت انبیاء  
 علیہم السلام کی نسبت ہو۔ مگر یہ قاعدہ ہو گیا ہے کہ کل کتاب کو بنی کے نام سے موسوم کرتے  
 ہیں عام اس سے کہ آسکا مضمون محض احکام ہوں یا اشہیں قصص و اخبار ہی ہوں  
 لیکن یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ جو مکاشفات اور الہامات ہمارے بنی پر ہوئے ہیں ان سے

(۲) تفسیر تیسرے الکلام مصنفہ سید احمد صاحب نجم اللہ جلد اول صفحہ ۲۶۸۔ یہ تفسیر اردو میں ہو لیکن مصنف  
 انگریزی زبان کے فائدہ کیواسطے انگریزی میں اسکا ترجمہ کیا ہے۔ جو لوگ اس بات کو مسلمانوں کے عقائد کا جز سمجھتے ہیں  
 کہ ایک ترجمہ سرت کی نسخہ ہو سرت غلطی پر ہیں۔ ہمارا عقیدہ نہیں ہے کہ توریت کو زبور نے اور زبور کو انجیل نے  
 اور انجیل کو قرآن نے منسوخ کیا۔ ہمارے یہاں ایسا کوئی مسئلہ نہیں اور اگر کوئی جاہل مسلمان اسکے خلاف دعوے  
 کرے تو محمول کیا جاوے گا کہ وہ اصول و عقائد اسلام سے واقف نہیں۔ عالم سید نے اسکا آزاد و منٹ مسلمان کا قاعدہ قرار  
 کیا ہے لیکن اردو انگریزی سے مختلف ہے اگر اردو کا لفظی ترجمہ کیا جاوے تو اس طرح ہوگا۔ اب سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ اس بات  
 کو مسلمانوں کے عقیدہ کا جز سمجھتے ہیں کہ زبور کے آنے سے توریت اور انجیل کے آنے سے زبور اور قرآن کے آنے سے  
 انجیل منسوخ ہو گئی۔ اس خیال سے کہ انجیل کوئی نقص تھا۔ وہ سرت غلطی پر ہیں۔ جن فقرہ پر میں نے خط لکھا  
 ہے وہ انگریزی میں بالکل نہیں ہے جس سے کل عبارت کا مطلب بدل جاتا ہے۔ پہلے نے ہم مذہبوں کے سامنے  
 سید صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب میں منسوخ تو ہو گئیں لیکن اس سبب سے نہیں کہ انجیل کو نقص تھا۔ چونکہ کسی  
 مسلمان کا عقیدہ نہیں کہ کتاب آسمانی ناقص ہے اس واسطے یہاں پر سید نے نسخ کی محض حقیقت بیان کی اور  
 سید زبور کے نزدیک دینا پر ہیں اس بارہ میں ہندی مسلمانوں کے آزاد فریق کا سردار یعنی سید برصو  
 ہی ترجمہ کرتے ہیں جیسا کہ کوئی سخت متعصب مسلمان ہو سکتا ہے ۱۲



مولوی یہ کہتے ہیں کہ یہودیوں اور مسیحیوں کی کتابیں گمراہی ہیں یعنی ان میں تحریف واقع ہوئی  
 ہے۔ تحریف کے معنی ان کی اصطلاح میں بدل ڈالنے کے یا کسی چیز کو حق سے پھرنے  
 کے ہیں۔ تحریف دو طرح ہو سکتی ہے۔ تحریف معنوی یعنی معنی الفاظ کو بدل ڈالنا  
 دوسرے تحریف لفظی۔ خود الفاظ کو بدل ڈالنا۔ اکثر مسلمان تحریف لفظی کے قائل  
 ہیں اس واسطے ان کے نزدیک لازم نہیں ہے کہ انہی کتابوں کو نکوجا بجا قرآن میں ذکر ہے  
 پر نہیں۔ یہودیوں پر تحریف کا الزام قرآن کی اس آیت کے بموجب ہے۔ اور انہیں  
 ایک گروہ میں جو زبان عہدِ کریم کے پرستے ہیں تاکہ تم جانو کہ وہ کتاب میں ہے  
 حالانکہ وہ کتاب میں نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کا کلام ہے حالانکہ اللہ کا کلام  
 ہے اور اللہ پر جانکر جو بٹھے بولتے ہیں (آل عمران ۷۵) تمام قدیم مفسرین آیت سے  
 تحریف معنوی ثابت کرتے ہیں یعنی جن یہودیوں کی طرف اس جگہ اشارہ ہے وہ یا کو کتاب  
 مقدسہ کی عبارت پڑھ کر غلط معنی بتاتے تھے یا ایسی عبارت پڑھتے تھے جو تب  
 مقدسہ میں نہیں ہوتی تھی۔ اور کہتے تھے کہ ہم اسی کتاب میں سے پڑھتے ہیں۔  
 اسکے یہ معنی نہیں کہ کتاب کے متن کو بدل ڈالتے تھے۔ مگر یہ امر مسلمانوں  
 کے ترک عمل کے واسطے عذر کافی نہیں ہے اس جہت سے متاخرین  
 یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تحریف لفظی واقع ہوئی ہے غرض کہ مسئلہ تحریف پر کامل بحث  
 ہو چکی ہے اور سید احمد صاحب تبیین الکلام فی تفسیر التوراة والا انجیل میں قدیم  
 مذہب کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں (تبیین الکلام مصنفہ سید احمد صاحب)  
 ہی ایس آئی ص ۶-۹۵۔

تہ۔ بی۔ محمد البرخوی کہتے ہیں کہ اس بات پر ایمان لانا ضرور ہے کہ خدا نے نبی بھیجے  
 ہیں۔ آدم پہلے نبی ہیں اور تمام آدمیوں کے باپ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آدم

محمد صاحب کے درمیان بہت نبی گذرے ہیں محمد صاحب خیر البشر اور انکی امت خیر الامم  
 اگلے نبیوں میں ہر نبی مع کتاب یا بغیر کتاب کے مخصوص گروہ کے پاس بھیجا گیا لیکن  
 محمد صاحب تمام جن دالہ کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور یہ شریعت دنیا کے ختم ہونے  
 تک قائم رہے گی اور آپ کے معجزات کثرت سے ہیں۔ آپ نے اپنی اولاد کو  
 پانی جاری کیا۔ چاند کے دو ٹکڑے کئے۔ جانوروں اور درختوں اور پتھروں نے  
 گواہی دی کہ تو نبی برحق ہے۔ اور اس بات پر بھی ایمان لانا چاہئے کہ ایک رات میں  
 مکہ سے مسجد اقصیٰ (یعنی یروسلیم) پہنچے اور وہاں سے آسمان پر گئے۔ بہشت و دوزخ  
 کی سیر کی۔ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے اور صبح کے قبل پھر مکہ کو واپس آ گئے آپ  
 کے بعد کوئی اور نبی نہیں آوے گا کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔  
 جو انبیاء خدا نے اپنی باتیں بتانے کو بھیجے ہیں اور انکی تعداد مندرجہ حدیث میں اختلاف  
 ہے لیکن اکثر دوا لک کے قریب بیان کی جاتی من بیخلفہ اونکے ۲۵ کا نام بھی قرآن میں  
 آیا ہے اور ان میں بھی ۶ مخصوص اقطاب سے ممتاز ہیں۔ آدم صلی اللہ علیہ و آلہ  
 و سلم۔ بنی امیہ۔ خدا کے بنی ابراہیم خلیل اللہ۔ خدا کے دوست۔ موسیٰ کلیم اللہ خدا کے کلام  
 کرنے والے۔ عیسیٰ روح اللہ خدا کی روح۔ محمد رسول اللہ پیغمبر خدا انھیں انبیاء  
 اولوالعزم (صاحب ارادہ) اس سبب سے کہتے ہیں کہ وہ اپنی امتوں کے  
 سردار تھے اور خدا تعالیٰ کے روز خدا انھیں اجازت دیکر کہ اپنی امت کی شفا  
 کریں۔ یہ سب نبیوں میں بزرگ اور عالی مرتبہ تھے (تکمیل الایمان صفحہ ۵۵) نبیوں  
 کے مراتب میں فرق ہے۔ چنانچہ بقرہ ۲۵۴ میں آیا ہے کہ ان رسولوں میں  
 ایک کو ایک پر برتری دی کوئی ہے کہ اس سے اللہ نے کلام کیا اور انہوں کے  
 درجے بلند رکھے اور عیسیٰ مریم کے بیٹے کو صریح نشانیاں دین اور روح پاک

سے اوسے زور دیا "انبیاء اولوالعزم کے مراتب اس ترتیب سے ہیں۔ نوح و عیسیٰ۔  
 موسیٰ۔ ابراہیم۔ اور سب میں خاص محمد صاحب ہن جنکی نسبت رسول اللہ خاتم النبیین  
 آخر اب ۳۳۔ ۴۰ میں آیا ہے۔ ایک حدیث سے آپکی فضیلت اس طرح ثابت  
 ہوتی ہے آدم کے بیٹوں میں خاص میں ہون آدم کے اور ادن بیٹوں کے  
 سوار اور سب انصاف کے دن میرے بھنڈے کے نیچے ہونگے تکمیل الایمان صفحہ ۹۹  
 کہتے ہیں کہ موسیٰ کی شریعت کے احکام بہت سخت اور مسیح کی شریعت کے بہت نرم  
 ہمان تھے لیکن محمد صاحب کی شریعت پختہ ہے کیونکہ اوہیں دونوں وصفت ہیں یعنی  
 یہی ہے اور نرمی بھی اس حدیث کے مطابق کہ "میں ہمیشہ ہنستا ہوں اور مہنسی سے  
 گشتہ کرتا ہوں" کہتے ہیں کہ ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے لیکن محمد صاحب تمام آدمیوں  
 کے واسطے بھیجے گئے ہیں چنانچہ اس قول کی تائید میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔  
 میں تمام آدمیوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ خواہ وہ گورے ہوں یا کالے ہوں اور  
 اور بنی بنجر اپنی قوم کے اور کسی کی طرف نہیں بھیجے گئے" اے محمد بھیجا ہنے مگر محبت  
 تمام عالم کے لئے اس باب میں کہ آیا نبیوں کو فرشتوں پر فضیلت ہے غور اسائن  
 ہے خفیون کے عقائد میں آدمیوں کے بنی فرشتوں کے نبیوں سے بڑے ہیں۔ اور  
 فرشتوں کے بنی اوسط درجہ کے آدمیوں سے بڑے ہیں مگر ادن آدمیوں سے  
 بھر نبیوں کے اور فرشتے کمتر ہیں۔ مغر کہتے ہیں کہ ملائکہ انبیاء سے بڑے ہیں شیون  
 کا یہ دعویٰ ہے کہ دوازدہ امام انبیاء سے زیادہ رتبہ رکھتے ہیں۔  
 جس طرح سے وحی آتی تھی اسکا ذکر باب ماسبق میں ہو چکا ہے لیکن ابن خلدون نے  
 الامام انبیاء پر ایسا دلچسپ بیان لکھا ہے کہ میں اوسکا خلاصہ اس مقام پر درج کرنا  
 مناسب سمجھتا ہوں اور وہ اس طرح پر ہے (ابن خلدون کی کتاب حبلہ اول

صفحہ ۱۹۷-۲۰۵) اگر ہم دنیا پر اور اوسمیں جو مخلوق ہے اوسپر نظر کریں تو معلوم ہوگا کہ اوسمیں  
 پختہ ترتیب - مناسب انتظام - علت معلول کا معقول سلسلہ اور مختلف حالات  
 وجود کا باہمی تعلق اور ایک حالت وجود سے دوسری میں مناسب تغیر پایا جاتا  
 ہے۔ عالم محسوس کے واقعات ایسے وجود ذی ارادہ کی طرف دلالت کرتے ہیں جو  
 بالاصالتہ جسم سے مختلف ہے اور جسے یقیناً وجود روحی سے تغیر کرنا چاہئے۔ یہ فاعل  
 بالارادہ کہ تغیر اوس سے روح ہے۔ ایک جانب کو اس عالم کی موجودات سے اتصال  
 رکھتا ہے اور دوسری جانب ایسے موجودات سے مقترن ہے جو دوسرے  
 محل فضیلت میں واقع ہیں اور جنکے ضروری اوصاف میں خالص تعقل اور صحیح  
 ادراک ہے اور وہ ملائکہ ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آدمی کی روح کو فرشتوں  
 سے مناسبت ہے اور یہ سب باتیں اس رے سے موافق ہیں کہ تمام جہان  
 میں جتنے جاندار ہیں ان سب میں ایک دوسرے کے ساتھ کچھ رشتہ  
 ضرور ہے اور ہر روح کو باہمگر تعلق ہوتا ہے۔ ارواح انسانی تین قسموں پر بشکستہ ہو سکتی  
 ہیں ایک تو وہ روح جو پیدائش سے ایسی کمزور ہو کہ عالم ارواح تک اوسکا  
 تصور نہ پہنچ سکے۔ صرف عالم حس و وہم کی سیر و حرکت پر قانع ہو یعنی اونہیں  
 باتوں تک اوسکی رسائی ہو جو اس وعقل سے دریافت ہوتی ہیں پس ایسی  
 روح طرح طرح کی باتیں سوچتی اور اوپر حکم لگاتی اور جہان تک اوسمیں گنجائش ہے ان  
 تک کام کرتی ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔

دوسری قسم کی ارواح بالطبع ایسی قابلیت رکھتی ہیں کہ خوض و فکر سے اور اک  
 روح تک پہنچ سکتی ہیں۔ اول دلجمعی اور سکون سے خوض و فکر کرتی اور  
 تصور باندھتی ہیں تا آنکہ وجد کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے اس قسم کا حیلین

اولیاء کو ہوتا ہے جھین خدا اپنی معرفت دیتا ہے۔

تیسری قسم کی ارواح میں ایسی قدرت ہوتی ہے کہ اپنے بدنوں سے علیحدہ ہو کر حالت ملکوتی میں پہنچ سکتی اور ملائکہ کے مثل ہو سکتی ہیں۔ ایسی روح کبھی عالم ملائکہ کی سر کرتی اور فرشتوں کو دیکھتی ہے۔ کبھی روح کی باتیں اور خدا کی آواز سنتی ہے۔ ارواح انبیاء اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ ان ارواح کو خدا نے ایسی قدرت بخشی ہے کہ جسم انسانی سے علیحدہ ہو سکتی ہیں اور اسی علیحدگی کی حالت میں انہیں کشف ہوتا ہے یعنی خدا کے لیے اپنی باتیں انہیں بتاتا ہے۔ خدا نے انبیاء کی طبیعتوں میں ایسا خلوص اور قلب میں ایسی صفائی اور عقلموں کو ایسی راستی بخشی کہ ان کا رجحان خواہ مخواہ عالم ارواح کی جانب ہوتا ہے۔ انہیں ایک ایسی دلسوزی اور حرارت حرکت کرتی ہے جو انہیں کے گروہ سے مخصوص ہے اور جب وہ حالت ملکوت سے عود کرتے ہیں تو آدمیوں کو مکاشفات الہیہ سے اطلاع دیتے ہیں اور خدا کے پیغام لوگوں کو پہنچاتے ہیں کبھی یہ کشف بنی کے دل پر بے ترتیبی سے مثل آواز بھینکا ہٹ کے اثر کرتا ہے اور جب ہی آواز موقوف ہو جاتی ہے تو اس پیغام کے مطالب سمجھتا ہے اور کبھی فرشتہ آدمی کی شکل بن کر خدا کا پیغام لاتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے سب اسے حفظ کر لیتا ہے عالم ملائکہ کے سفر میں اور پھر وہاں سے مراجعت کرنے میں اور کشف والہام کا مطلب سمجھنے میں طرفۃ العین کا توقف بھی نہیں ہوتا یعنی ارواح انبیاء ایسی لطافت سے حرکت کرتی ہیں اور ایسی عجلت کے ساتھ خدا سے پیغام لیکر ادن پر

(۱) نص سے ثابت ہے کہ اولیاء کا مرتبہ اوسط درجہ کے آدمیوں سے بڑا ہے۔

سن رکھو جو لوگ اللہ کی طرف ہیں نہ ڈر ہے ان پر نہ وہ غم کھا دیں (سورہ



آگاہ ہو جاتی ہیں اس قسم کے الزام کو وحی کہتے ہیں۔ جبکہ سننے بقول ابن خلدون عجلت یعنی جلدی کے میں اول طریق پیغام پہنچانے کا اسوقت اختیار کیا جاتا ہے جبکہ اسکا لینے والا بنی ہو رسول بنو اور دوسرا طریق رسول کے ساتھ مرعی ہوتا ہے اور رسول اس سبب سے کہ جب تک خاص پایا جاتا ہے عام ضرور پایا جاتا ہے بنی بھی ہوتا ہے محمد صاحب نے یہ کہا ہے کہ بعض اوقات میرے پاس وحی مثل آواز گھنٹہ کے آتی تھی اور میں اُس سے عاجز ہو جاتا تھا۔ اور جب آواز موقوف ہو جاتی تھی تو میں وحی کا مطلب سمجھتا تھا۔ اور کبھی فرشتہ آدمی کی شکل نکبر میرے پاس آتا تھا اور جو کچھ وہ کہنا جاتا تھا۔ میں یاد کر لیتا تھا۔ اور یہ بات کہ بنی کو ایسے اوقات میں صدمہ ہوتا تھا اور وحشت طاری ہوتی تھی سورہ مثل ۳-۵۰ میں اسکی طرف اشارہ ہے۔

”اور کھول کھول پڑھ قرآن کو صاف ہم آگے ڈالیں گے تجھ پر ایک بھاری بات۔“ بنی (جبکہ عاقل و خرد و مکلف ہونا ضرور ہے) کو وحی آتی ہے لیکن تبلیغ احکام الہی کی ادب لازم نہیں ہے۔ رسول جو اوصاف نبوت سے ضرور متصف ہوتا ہے وہ ہے جو لوگوں کو خدا کے پیغام پہنچانے پر مامور ہو۔ عام اس سے کہ اگلے رسوں کے احکام منسوخ کرے یا نہ کرے اور عام اس سے کہ اس کے پاس کتاب یا شریعت جدید ہو یا نہ ہو بعض رسولوں کے ساتھ کتاب و شریعت جدید بھی ہوتی ہے لیکن رسول کی پہچان یہی ہے کہ خدا کے احکام بعینہ لوگوں کو پہنچا دے اور اسی کام کی واسطے مخصوص ہو پس رسول اور بنی میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے جو رسول اور بنی

سہ حروہ ہے جو کمالی غلام بنو آزاد ہو۔  
 سہ مکلف وہ ہے جو کوئی عیب جسمانی یا عقلی نہ رکھتا ہو۔

ضرور ہے لیکن یہ کچھ ضرورتیں کہ جو نبی ہے وہ رسول بھی ہو۔

معصومیت انبیاء کی بحث بھی ایسی ہی ہے کہ مسلمان مالمون نے بڑی غرض فکر کی ہے۔ بنی سلمانوں کا عقیدہ یہ ہے انبیاء معصوم یعنی گناہ سے پاک ہیں بعضوں کے نزدیک بنی اس سبب سے گناہ سے محفوظ اور راہ حق پر قائم رہتے ہیں کہ خدا کا فضل اور بزرگوار رہتا ہے اور یہ عقیدہ اشعریان اور عین گناہ کی قدرت ہی نہیں ہوتی (شرح عقائد جامی صفحہ ۱۲۵) کو اس سے انکار ہے لیکن یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں کوئی وصف ایسا ہوتا ہے جو بدی سے محفوظ رکھتا ہے مگر ان کل ریاضات میں سے کسی کو نفس حقیقت سے کچھ موافقت نہیں انبیاء سے بھی اور آدمیوں کی طرح خطائیں سرزد ہوتی ہیں لیکن سلمانوں میں گناہ کی تفریق ہے بعض گناہ کبیرہ ہیں یعنی بڑے گناہ اور بعض صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ ہیں۔ قتل اور زنا اور خدا کی اور ماں باپ کی نافرمانی یتیموں کو غارت کرنا۔ زنا کی تمہت لگانا۔ جہاد سے بچنا۔ شراب پینا۔ رشوت دینا یا لینا۔ جمعہ کی نماز اور رمضان کے روزوں میں سستی کرنی۔ نا انصافی۔ غیبت۔ بددیانتی۔ قرآن کو پڑھ کر بھول جانا۔ سچی گواہی سے محترز ہونا یا جھوٹی گواہی دینی بڑے سبب جھوٹ بولنا۔ (مراط الاسلام صفحہ ۱۸) جھوٹی قسم کھانی۔ یا سوائے خدا کے دوسرے کی قسم کھانی۔ ظالم حاکموں کی خوشامد کرنی جھوٹا فیصلہ کرنا کم بولنا یا ناپنا جہاد۔ قمار بازی۔ کفار کی رسوم کو پسند کرنا۔ خدا پرستی پر فخر کرنا۔ مردن کا نام لیکر چھپاتی سیٹی۔ ناچنا گانا۔ بجانا۔ موقع پا کر لوگوں کو خدا کے اوامر و نواہی سے متنبہ نہ کرنا حافظ کی تعظیم نہ کرنی۔ ڈارھی منڈانی۔ جب محمد صاحب کمال نام آوے درود نہ پڑھنا۔

(۱) محرم میں شیعہ ایسا کرتے ہیں۔ اوپر اعتراض ہے شیعوں کے نزدیک یہ فعل نیک ہے۔

تکبیل الامیان صفحہ ۱۸) یہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور بغیر واجبی توبہ کے انکی بخشش نہیں  
 صغائر البتہ نیک کام کرنے سے دور ہو جاتے ہیں چنانچہ قرآن میں آیا ہے - اور  
 نماز قائم کروں کروں دو لون سرون میں اور رات کے کچھ گناہوں میں کیونکہ نیکیاں برائیوں کو  
 دور کرتی ہیں (ہود ۱۱-۱۲) اور گناہ انسان سے دو طرح ہو سکتا ہے عدا یا سہو لیکن  
 یہ سب مسلمانوں کا شیعہ ہے کہ بنی سے گناہ کبیرہ نہ عدا ہوتا ہے اور نہ سہو اصفا  
 میں البتہ اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ نبیوں سے نادانستگی میں صغائر کا امکان  
 ہے لیکن وہ صغائر بھی مذمت متعلقہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتے ہیں اور بعض گناہ صغیرہ  
 کو بھی اوس مدت سے محدود کرتے ہیں جو وحی سے قبل گزری ہوگی مگر عام رہے یہ ہے  
 کہ کل جہنمی گناہوں سے پاک ہیں خواہ کبار سے ہوں یا صغائر سے ہوں - اور احیانا اگر  
 کچھ ضعف کے آثار اونسے سرزد بھی ہوں تو منبر لہ ایسے مقصور یا کوتاہی کے متصور ہو  
 ہیں جو گناہ کی حد تک نہیں پہنچتے -

جو دقت کہ خود قرآن سے اس بات میں پیدا ہوتی تھی وہ سب اس سے مسلمان  
 کے نزدیک دفع ہو جاتی ہے - باستثناء یسوع مسیح کے اور سب انبیاء اولوالعزم  
 کی نسبت قرآن میں ایسے افعال کا ذکر ہے جنہیں بہرستی مسلمان کے اور کوئی کچھ عجیب  
 نہیں کہ گناہ سے بقیہ کرے - آدم کی خطا کا سورہ بقرہ ۲۹-۳۷ اور سورہ اعراف ۱-۲۲  
 میں اشارہ ہے - میں عورت ایک ایت کو اس مقام پر نقل کرتا ہوں - بولے اے  
 ہمارے رب سہنے اپنی جان کو خراب کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو ہم  
 نامراد ہو جاوین (اعراف ۲۲۰)

(۱) کہتے ہیں کہ آدم کا گناہ محض فخرش تھی لیکن دنیا کے حق میں بہتری ہوئی اگر آدم بہشت میں رہے  
 تو دنیا آباد نہ ہوتی اور خدا کا کلام کہ نہ پیدا کیا سہنے جن اور انسان کو مگر واسطے بندگی کے - پورا ہوتا

نوح کے گناہ کی قرآن میں کچھ تفصیل نہیں مگر صاف اشارہ پایا جاتا ہے بولایا رب  
 میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ پوچھوں جو مجھ کو ظلم نہو۔ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور  
 رحم نہ کرے تو میں خرابی والوں میں ہوں۔ (بولود ۴۹) سورہ نوح - آیت ۲۹ میں -  
 یہی اسی قسم کی دعا ہے۔ ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا کہ تجھیں تم پوجتے ہو اور تمہارے  
 اگلے باپ دادا (پوجتے تھے) وہ میرے غنیمت میں مگر جہان کا صاحب جسے مجھے بنایا  
 سو وہی مجھ کو سوچھ دیتا ہے اور وہ مجھ کو کھاتا اور پلاتا ہے اور نبی میں بیمار ہوں تو  
 وہی مجھے چنکا کرتا ہے اور وہ جو مجھ کو مارے گا اور پھر جلاوٹ گا اور وہ جو مجھ کو قتل کرے  
 میری قصیر بن انصاف کے دن بخشے۔ (شعراء ۷۵-۸۲) موسیٰ نے جو قبلی کو  
 مارا تھا اسے عمل شیطان سے منسوب کر کے یہ کہنے لگا اے رب میں نے بڑا کیا اپنی جان  
 کا سو مجھ کو بخشے پھر اسے بخش دیا۔ بے شک وہی ہر شے والا مہربان بولا اس  
 رب جیسا تو نے مجھ پر فضل کیا پھر میں کبھی گنہگار دن کا مددگار نہ ہوں گا۔ (قصص ۱۵-۱۷)  
 آیات ذیل میں محمد صاحب کی طرف اشارہ ہے۔ ”سو تو ٹھہرا رہے شک اللہ  
 کا وعدہ ٹھیک ہے بے شک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور اپنا گناہ بخشو“ (سورہ  
 مؤمن ۵۶) مفسر بیضاوی کے نزدیک اس مقام پر گناہ سے عبارت اشاعت  
 اسلام میں ڈھیل اور سستی کرتی ہے۔ اور معافی مانگ اپنے گناہ کیواسطے اور پناہ  
 مردوں اور غورتوں کے لئے۔ (سورہ محمد ۲) اور جو فضل نہ امت کا زید کی زوہر  
 زینب اور مصری لونڈی ماریہ قبطیہ کے ساتھ محمد صاحب سے سرزد ہوا تھا۔ اور  
 جواز کے واسطے بھی مصنوعی وحی خدا کی طرف سے اترتی ضرورتی چنانچہ کل حال  
 کی تفصیل سورہ اہزاب ۳۳- آیات ۲۶-۳- اور سورہ تحریم ۶۶ آیات ۱-۲ میں  
 موجود ہے لیکن یہ دو آیتیں نہایت مفید مطالب میں۔ انا فتحناک فتحاً نبیاً یوسف

ماتقدم من ذنبک و تاخر۔ پہنے تیرے واسطے مرج فیصلہ کر دیا تاکہ خدا تیرے گناہ جو  
 آگے ہوئے اور جو پیچھے رہے معاف کرے۔ (فتح ۱۴۸-۲) یہ صاف نہیں معلوم ہوتا ہے  
 کہ اس جگہ کوئی فتح یا فیصلہ مقصود ہے۔ تفسیر حسینی میں ہے کہ بعض مفسرون کے نزدیک  
 اس سے عبارت فتح مکہ پر فعل ماضی پیشہ گوئی کے طور پر استقبال کے واسطے آیا ہے  
 ماتقدم من ذنبک و تاخر کی تفسیر سطح کی گئی ہے (۱) جو کچھ وحی کے آنے سے پہلے  
 یا بعد گذرا ہو وہ خدا نے معاف کر دیا (۲) فتح مکہ سے پہلے یا بعد جو کچھ ہوا۔ یا (۳)  
 قبل از نزول اس آیت کے (۴) مفسر سلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ماتقدم سے  
 مراد آدم کے گناہ ہیں آدم کے گناہ کو آپ سے اس لیے منسوب کیا ہے کہ گناہ کے وقت  
 آپ صلب آدم میں تھے اور تاخر سے مراد امت کے گناہ ہیں۔ امت کے گناہوں  
 کو بھی آپ سے منسوب کیا اس سبب سے کہ آدم کے گناہ امت کے گناہوں کے پیشرو  
 اور موجب تھے (۵) امام ابوالالبث نے لکھا ہے کہ گناہ گذشتہ آدم و حوا کے ہیں اور  
 جرائم آئندہ امت کے گناہ ہیں یعنی گذشتہ و آئندہ دونوں کو آپ سے اس لیے منسوب  
 کیا ہے کہ گذشتہ آپ کی برکت سے اور آئندہ یعنی امت کے گناہ آپ کی شفاعت  
 سے بخشتے گئے۔ (تفسیر حسینی صفحہ ۳۳۲) غرض کہ قرآن کی ان آیات سے ثابت ہوتا ہے  
 کہ گناہ نبیوں سے سرزد ہوئے اگرچہ مسلمان اون دلائل سے جو قبل ازین بیان  
 کر چکا ہوں اس الزام کو دفع کرتے ہیں خیر جو کچھ ہو سو ہو لیکن یہ تعجب ہے کہ ایک معصوم  
 متنفس انبیاء اولوالعزم ہیں اور ایک بے گناہ نبی مسلمانوں میں بجز یسوع مسیح کو اور  
 کوئی نہیں قرآن میں کوئی آیت نہیں جس میں مسیح کی طرف کسی ایسے چھوٹے گناہ کا اشارہ  
 بھی ہو جسے مسلمان تکلف اور نبیوں سے منسوب کرتے ہیں۔ کوئی آیت نہیں جس میں کسی  
 معافی مانگنے کا ذکر ہو۔ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی معجزات دکھاتے تھے۔ معجزہ

فرق عادت اس سبب سے کہتے ہیں کہ وہ قدرت کے قوانین معجزہ کے خلاف ہوتا ہو۔ معجزہ کسی دینی غرض سے علی الخصوص تصدیق نبوت کی واسطے کیا جاتا ہو اگرچہ محمد صاحب نے قرآن میں کوئی صریح دعویٰ نہیں کیا ہو کہ مجھے معجزہ دکھانے کی قدرت ہو لیکن محمدی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس امر خاص میں و نیز اور امور میں آپ سب نبیوں کی برابر اور بعض سے بڑے تھے اور چند آیات قرآنی بتائیں اپنے دعویٰ کو پیش کرتے ہیں مثلاً شیخ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ آدم کو اگر خدا نے ہر چیز کا نام بتانے کی قدرت دی تھی تو محمد صاحب کو وہی قدرت تھی۔ اور بس آسمان کو اٹھائے گئے لیکن محمد صاحب کو مقام قاب قوسین ملا یعنی شب معراج کو آپ کے اور خدا کے درمیان صرف قاب قوسین یعنی دو کماتوں کا فصل رہ گیا تھا وہاں پیرئیل شدید القویٰ آپ پر ظاہر ہوئے (نجم ۵-۹) اسیل قربانی کو صرف آمادہ ہی ہوئے تھے لیکن محمد صاحب پر شش صد کا وقوع ہوا۔ یوسف کا حسن محدود تھا لیکن محمد صاحب

(۱) بلکہ خلاف اسکے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اونھوں نے معجزہ دکھانے کی قدرت سے انکار کیا اور بولے ہم نہ مانینگے تیرا کما جب تک تو بہانے ہمارے واسطے زمین سے ایک شہر یا ہو جاوے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہانے اُسکی نہریں چلا کر یا رادوی آسمان پر چربیا کر کہا کرتا ہو کڑے کڑے یا بے آوے فرشتوں کو اور اللہ کو ممان الخ تو کہہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا (بنی اسرائیل ۹۲-۹۵) محمد صاحب کہا کرتے تھے کہ اگلے نبی اپنی امت کی طرف بھیجے گئے تھے لیکن میں تمام جہان کی واسطے بھیجا گیا ہوں اور دن نے جو معجزات دکھاؤ وہ نہیں کے زانہ کو مناسب تھے لیکن اسلام کا معجزہ یعنی قرآن ہمیشہ کی واسطے ہی یہ بھی ایک نشانی تصدیق رسالت کو کافی تھی اور کسی نشانی کی احتیاج نہ تھی۔

(۲) کیا ہے نہیں بھول۔ زیترہ اسینہ۔ (۱) حدیث میں آیا ہو کہ بلوغت سے قبل دو فرشتوں نے محمد صاحب کا سینہ چاک کر کے نقطہ سیافہ کمال لیا۔ نیز مت اور عجائبات میں معجزہ کے متعلق ہیں۔

حسن منایت کامل تھا۔ موسیٰ نے پتھر سے پانی نکالا لیکن محمد صاحب نے اپنی اونگلیوں سے پانی جاری کیا۔ یسوع نے سورج چلنے سے روک دیا تھا ایسا ہی محمد صاحب نے کیا۔ سلیمان کی پاس بڑی سلطنت تھی لیکن محمد صاحب کی سلطنت اُس سے بدرجہا زیادہ تھی کیونکہ آپ کے ہاتھ میں زمین کے خزانوں کی کنجیاں تھیں۔ جیسے یوحنا اصطباغی کو خدا نے لڑا کین میں حکمت دی تھی ایسی آپ کو عہد طفولیت میں حکمت و دانائی خدا نے عطا کی تھی۔ یسوع مردود کو زندہ کر سکتا تھا ایسی محمد صاحب بھی کر سکتے تھے۔ علاوہ ان معجزات کے جو معجزات آپ ہی سے مخصوص ہیں وہ یہ ہیں۔ شق تمر اور معراج اور درخت کا آپ کے سامنے چلا آنا اور سب سے بڑا معجزہ قرآن ہر شرح عقائد جامی، شق تمر کا ذکر سورہ قمر آیت امین اس طرح آیا ہو کہ ”پاس آگئی وہ گھڑی اور پہٹ گیا چاند“ امام زادہ کہتے ہیں کہ ابو جہل اور امیک یہودی ایک رات پیغمبر پاس پہونچے۔ ابو جہل نے کہا اے محمد مجھے کوئی نشانی دکھا ورنہ تیرا سر تلوار سے اڑا دوں گا۔ آپ نے انگشت سپاہ سے اشارہ کیا کہ فی الفور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا اپنی جگہ پر قائم رہا اور دوسرا بہت دور چلا گیا۔ یہ نشانی دیکھ کر یہودی تو اسلام لایا ابو جہل نے کہا کہ یہ جادو ہو مگر جب جماعت مسافران سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے اقبال کیا کہ اُس رات ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے تھے۔ (تفسیر حسینی ۳۶۲) مگر بعضوں کے نزدیک اس آیت میں زمانہ ایندہ کی طرف اشارہ ہو کیونکہ چاند کا پھٹنا قیامت کی ایک نشانی ہوگی شب معراج (جس رات محمد صاحب آسمان پر گئے) کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہو کہ ”پاک ذات ہو جو لیگیا اپنے بندے کو راتِ ادب والی مسجد رکھ سے پر لی مسجد تک حسین جہنہ خوبیاں رکھی ہیں رکھا وین اُسکو کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔“

بنی اسرائیل!۔ مسلمان معصفت جو غائب پسند ہیں اُس سب کے کل واقعات کو

جو محمد صاحب سے پیش آئے تفصیل بیان کرتے ہیں۔ جسے مزید تفصیل کی ضرورت ہو عثمانیوں کی درجہ کی کتاب جلد ۹-۱۰ دیکھیں لیکن بعض کہتے ہیں کہ بہ مرت ایک روایا تھا اور اثبات دعویٰ میں ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں۔ یعنی ترتیب دیا اس روایا کو جو صحیح دکھائی دیتی ہے، الغرض تمام سنی مسلمان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ محمد صاحب کے معجزات دکھانے میں تمام انبیاء پر فضیلت ہے۔

۵۔ روزِ محشر اور روزِ آخرت۔ دونوں کا بیان ملا کر لکھا جاتا ہے جو کچھ محمد البریخی نے اس باب میں لکھا ہے اسکا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ اسپر ایمان لانا ضروری ہو کہ قبرین با یقین شن ہو جاو نیکی اور منکر نکیر دیکھو صفحہ ۱۲۵ آکر مردہ سے پوچھیں گے کہ تیرا معبود کون ہو اور تیرے بنی کا کیا نام ہے۔ تیرا ایمان کیا ہے اور قبلہ کہاں ہے تو مومن جواب دیگا۔ اللہ ہمارا معبود ہے اور محمد ہمارے بنی ہیں اور اسلام ہمارا دین اور کعبہ ہمارا قبلہ ہے۔

۲۔ جو علامتیں قیامت کی بنی نے بتائی ہیں سب ظاہر ہوں گی۔ وصال (مہوئے مسیح) کا ظہور۔ عیسیٰ کا آسمان سے نزول۔ امام مہدی کا اور یاجوج ماجوج کا ظہور سورج کا چمچ سے طلوع۔ وغیرہ والک۔

۳۔ سب جاندار مر جائیں گے۔ پہاڑ ہوا میں پرندوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ آسمان سب ناپید ہو جائیں گے چند مدت تک یہی حال رہے گا اسکے بعد خدا تعالیٰ

(۱) موان کی نسبت جو کچھ عقیدہ رکھتا مسلمان کو مذکور ہو وہ یہ ہے کہ محمد صاحب نے عالم روایا میں دیکھا کہ کلمہ کو کچھ دیر و سلیم نام لگی ہوں اور اس روایا میں انہوں نے نہایت بڑی نشانیاں آپ نے حقیقت دیکھیں۔ خطبات احمدیہ خطبہ صفحہ ۳۲) یہ اسے اگرچہ صحیح ہے مگر سنیوں نے نزدیک جتر نہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی اس بات کا قائل ہو کہ آپ کا جسم مکہ سے مسجد اقصیٰ تک یا وہ ایسا ہی کافر ہے جیسے جس قرآن کا منکر کافر ہے اور آپ کے آسمان پر جانے سے اور اس رات کے احوال سے جو احادیث میں مندرج ہے منکر ہو تو وہ فاسق ہو اگرچہ مسلمان رہتا ہے ۱۲۔



پھر دنیا کو درست کرے گا اور مرد و کوجلا و گیا انبیاء اور اولیاء اور علماء و شریعہ اور مومن  
دیکھیں گے کہ اُنکے پاس بہشت کے کپڑے رکھے ہیں اور سوار یاں کھڑی ہیں وہ  
سب کپڑے پہن کر اور گھوڑوں پر سوار ہو کر خدا کے عرش کے سایہ تلے جا کھڑے  
ہونگے بعض آدمی بھوکے اور پیاسے اور تنگے پیادہ چلیں گے۔ مومن دائیں جانب  
کو اور کافر بائیں جانب کو چلیں گے۔

۴۔ وہاں ایک ترازو ہوگی جس میں لوگوں کے بُری اور اچھے اعمال تو لے جائیں گے  
اور جنکا نیکی کا پلہ بھاری ہوگا وہ بہشت کو جاویں گے اور جنکا بدی کا پلہ بھاری ہوگا  
وہ دوزخ میں رہیں گے تا آنکہ خدا اُن پر رحم کرے یا انبیاء اور اولیاء شفاعت کریں  
جو مسلمان نہیں ہیں اُنکی کوئی شفاعت نہیں کریگا اور نہ وہ کبھی دوزخ سے نکلنے  
اور جو مسلمان دوزخ میں جائیں گے وہ دوزخ کی آگ سے گناہوں سے پاک ہو کر  
پھر بہشت میں داخل ہونگے

۵۔ پل صراط۔ جو تلوار سے تیز اور یال سے باریک ہے۔ دوزخ پر کھڑا ہوگا  
سب کو اُس پر سے اترنا پڑیگا۔ بعض اُسے ایسی جلدی ملے کر جائیں گے جیسے بجلی  
جاتی ہے اور بعض گھوڑے کی طرح اور بعض گناہوں کے بوجھ کے سبب سے بہت  
آہستہ چلیں گے اور بعض کٹ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔

۶۔ ہر نبی کے پاس ایک حوض ہوگا جو اپنی اپنی امت کے پیاسوں کو بہشت میں  
داخل ہونے سے پہلے پانی پلاتے ہونگے لیکن خد صاحب کا حوض سب سے بڑا ہوگا ایک  
سرے سے دوسرے تک ایک چھینے کی مسافت ہوگی۔ اُسکا پانی شہتے میٹھا  
اور دودھ سے سفید ہوگا۔

۷۔ بہشت دوزخ و حقیقت موجود ہیں۔ مقبول ہمیشہ بہشت میں رہیں گے

نہ کبھی موت آوے گی اور نہ بوڑھے ہونگے۔ حورین اور عورتیں ان سب عوارض سے  
جوانی جنس کو ہوا کرتی ہیں محفوظ رہیں گی۔ بال بچے مطلق نہیں جنمیں گی بہشتیوں  
کو بغیر محنت و مشقت کے جو چاہیں کھانے اور پینے کو لایگا۔ بہشت کی زمین  
مشک کی اور انیٹین سونے چاندی کی ہونگی۔ کافراور شاپاہین ہمیشہ دوزخ  
میں رہیں گے اور ایسے موٹے سانپوں سے جیسے اونٹ کی گردان اور ایسے  
بچھوؤں سے جیسے خچر اور آگ سے اور گرم کھوتے پانی سے دوزخی سخت ایذا پائیں گے  
اونکے بدن جل کر کوئلہ ہو جائیں گے۔ خدا تعالیٰ پھر انھیں جلاوے گا تاکہ پھر وہی تکلیف  
اٹھاویں ہمیشہ یہی حال رہے گا، اسی قسم کا مزید بیان شرح عقائد جامی سے اخذ  
کر کے بہ ترتیب واقعات ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) نفحات صویر۔ سور کا دوبار پھونکا جانا۔ گریہ واقعہ اس وقت تک نہوگا جب تک  
کہ تمام دنیا میں کفر و بے ایمانی نہ پھیل جاوے۔ نبی نے فرمایا کہ رد قیامت نہیں آوے گی  
جب تک کہ میری امت میں سے بعض فریق مشرک نہو جاوے اور بعض قبروں کو  
نہ پوچھنے لگیں، اور پھونکا گیا نہر سنگا۔ پھر ہوش ہو کر جو کوئی ہر آسمانوں میں اور  
زمین میں مگر حبیب اللہ نے چاہا۔ پھر پھونکا گیا دوسری بار تب ہی کھڑے ہو گئے۔  
(۲) (۲۸) ایک صحابی ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے سور کے ذکر  
میں یہ فرمایا تھا کہ بعد پیدا کرنے آسمان و زمین کے خدا نے سور بنایا اور وہ سور  
اسرافیل کو دیا جو اپنے منہ سے لگائے کھڑے ہیں اور منتظر ہیں کہ جب وقت حکم  
ہو اسی وقت پھونک دیں۔ تین دفعہ سور پھونکا جادیکا (۱) سور پھونکینگے کہ سب ڈر  
جاوینگے دوسرا سور پھونکینگے کہ سب مر جاوینگے تیسری سور سے مردے جی  
اٹھینگے داکثر کا یہ عقیدہ ہے کہ سوائے خدا کی ذات و صفات کے اور کسی کو موت

نہ چھوڑی گی کرامیہ اور بعض اور فریق اس سے انکار کرتے ہیں۔ جسم کا دوبارہ زندہ ہونا  
 قرآن سے صاف ثابت ہے مثلاً پھر اب کہیں گے کون بہکوا دے گا کہ جس نے تمکو پہلی بار  
 بنایا۔ (نبی اسرائیلؑ - ۵۳) کون جلاو گیکہ بڈیاں جب گل گئیں تو کہ جس نے پہلی بار بنایا  
 وہی سب بنانے جانتا ہے (سورہ یٰسّٰ - ۷۹) اور آدمی کہتا ہے کیا جب میں مر گیا  
 پھر جی نکلوں گا۔ کیا آدمی یاد نہیں رکھتا کہ تھے او سے بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز تھ  
 (مریمؑ - ۶۸) ”لوگ کہتے ہیں کیا ہم اوٹے پاؤں پھر آدینگے کیا ہم ہو چکے گلی ہڈیاں ہو  
 ایسا پھر آنا نقصان ہے پھر تو ایک جھڑکی ہو کہ اُسی وقت میدان میں آ رہے، راز مائے  
 ۱۰-۱۲) کیا ایسا شخص یہ قدرت نہیں رکھتا کہ مر دے جلاوے (غیمۃ - ۴۷) جب مر دے  
 جی اوٹھیں گے تو انکا انصاف ہوگا۔ اور منکر کہنے لگے ہم پر وہ گھڑی نہیں آ دیگی تو  
 کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی جو عالم الغیب ہے البتہ آویکی تاکہ انکو جو یقین  
 لائے اور بھلے کام کیے بدلا دے اور جو لوگ دیڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو  
 انکو بلا کی دکھ والی مارے (تہا - ۳-۴) اونکے واسطے بڑا عذاب ہے جو جسدن بعضے  
 منہ سفید اور بعضے سیاہ ہونگے۔ سو جگے منہ سیاہ ہوئے اون سے کہا جاو گیکہ۔ آیا  
 بعد ایمان لائیکے تم کافر ہو گئے۔ سواب چکھو عذاب کفر کرنے کا بدلا۔ اور جگے منہ سفید  
 ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ اسی میں رہ پڑے (آل عمران - ۱۰۲) نبی کو  
 معلوم نہ تھا کہ یہ سب واقعات کس زمانہ میں ہونگے۔ تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کہ کب  
 اُسکا کھڑا ہو مجھے اُسکا کیا علم ہے تیرے رب کی طرف اُسکی پہنچ ہے تو تو ڈر سنائے کو ہو اُسکو  
 جو اس سے ڈرتا ہو راز مائے ۴۱-۴۵) ان آیات سے اور اسی قسم کی اور آیات  
 سے حشر کا ہونا یقیناً ثابت ہوتا ہے جس کسی کو اسپر شک ہو وہ حسب اجمال مومنین  
 کافر ہے۔

معتزلہ عقلیہ ثبوت دیتے ہیں کہ بخت بدن کے عذاب و ثواب کے واسطے ضرور  
ہے سنی بھی اسکے قابل ہیں لیکن اسکی بنیاد عقلی ثبوت یہ رکھنے کو برا جانتے ہیں۔  
(شرح غنائد عامی ۱۸۳) اگر ایون کے نزدیک بدن کے اعضاء مختلفہ درجوں کے  
ملکہ و ذرات خدا وینین جوڑ دیکھا گیا آدمی جانتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیاں جمع نہیں کر  
سکتے ہم قدرت رکھتے ہیں کہ اسکی اونٹلیوں کے پورے تک ٹھیک  
کردین (رقیمہ۔ ۳۴) مگر سنیوں کے نزدیک اس سے باطل نہیں ہوتا کہ  
بدن نہیں گلے گا چنانچہ انکے عقیدہ کی تائید نبی کے قول سے بھی ہوتی ہے  
اور وہ یہ ہے کہ تمام آدمی اذنا پید ہو جاوینگے اگرچہ بدن پہلی حالت پر عود کر گیا  
لیکن اس میں شک نہیں کہ پیدائش کی تجدید ہوگی عالم اسپر متفق ہیں کہ روح کا  
حال در اثنا مرگ جسم کیا ہوگا اسی سبب سے بخت بدن کی نسبت بھی نہیں  
اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ روح کے جی اوٹھنے کی گفتگو بجا ہے کیونکہ وہ  
بدن میں لہسی موجود ہے جیسے کوئلہ میں آگ اس واسطے بخت بدن میں وہ بھی شامل ہے  
بعض کہتے ہیں کہ روح جدا چیز ہے۔ بدن کے ساتھ نہیں مرقی۔ حکمیں اول  
کو ترجیح دیتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی معلوم ہوتا ہے یعنی جو  
بدن جی اوٹھے گا اس میں روح بھی ہوگی۔ علمند اور بیوقوف۔ شیاطین جو پا  
کیرے کوڑے پرند۔ سب حشر کے دن جی اٹھیں گے پہلے محمد صاحب اٹھیں گے  
اور بخت میں بھی پہلے وہی جائیں گے۔

(۲) تطہیر صحائف۔ بخت کے بعد چالیس برس تک آدمی آوارہ پھرتے رہیں گے  
اسی عرصہ میں اعمال نامے اٹھیں دے جائیں گے کہ انا کاتبین کے سبب تو  
ان کتابوں میں ہونگے۔ (صفحہ ۱۱) ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آدمی نکلے اور پریشان

اوٹھیں گے بعضے آوارہ پھرتے رہیں گے اور بعضے چالیس برس تک کھڑے رہیں گے  
 سب کی کاہن آسمان کی طرف ہوگی دراعنانا مون کے انتظار میں ریح کے مارے  
 بدن سے پسینا چھوٹتا ہوگا بخاری اور مسلم سے روایت ہے کہ یہ پسینا ستر گز تک  
 اور بنا گوش تک پہنچے گا۔ پھر خداے تعالیٰ ابراہیم سے کہے گا کہ تو یوشاکیں ابراہیم  
 بہشتی لباس زیب بدن کرینگے۔ پھر خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارے گا اور ایک نہر جو کہ  
 بہت دور ہوگی اکیس وعایت کرے گا جو کوئی ایک اسکا پانی پئے گا پھر کبھی پیاسا ہوگا محمد صلی  
 اللہ علیہ وسلم کہ میں بھی بہشت کا لباس پسند کرتا ہوں کہ اس کے پاس کھڑا ہوگا جہاں موسیٰ  
 میرے اور کوئی کھڑا نہ ہو سکے گا اسوقت خداے تعالیٰ مجھے فرماوے گا جو چاہتا  
 مانگ تجھے دیا جاوے گا اور شفاعت کر تیری شفاعت مقبول ہوگی اور شخص ناراض  
 خدا کے تحت لے نیچے خزانہ غیب سے اتر کر اس کے ہاتھ میں پہنچے گا اور جو آدمی  
 ہے اسکی بری قسمت اسکی گردن سے منہ لگا دی اور قیامت کے دن اس سے  
 لکھا ہوا نکال دکھا دیتے جسے وہ کھانا پادیا پھر لے اپنے لکھے کو۔ تو ہی بس ہے آج کے  
 دن اپنا حساب لینے والا (بنی اسرائیل ۱۵) "حسبکواوسکا لکھا دیتے ہاتھ میں ملا  
 تو اس سے آسان حساب لینا ہے اور وہ اپنے لوگوں کے پاس خوشوقت پھر کر  
 آؤس اور جسے اسکا لکھا بیٹھ کے پیچھے سے ملا وہ موت کو پکارے گا (انشقاق ۱۱) اور جسے اسکا  
 لکھا بائیں ہاتھ میں ملا وہ کتا ہے کس طرح مجھ کو میرا لکھا نکلتا اور مجھ کو خبر نہوتی کہ میرا حساب کتنی (انعام  
 ۲۵) اور یہ بھی لکھا ہے کہ تم گناہوں کو دوزخ میں ڈالنے سے پہلے دہنے کا ہوس پکڑ لینے اور یہ  
 شناخت اس امر کی ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے بے فسوں کے نزدیک پڑوے اپنا  
 لکھا ہے فطری سنہ مراد ہیں اور بعض کے نزدیک مجازی بیان ہے جسکا مطلب عقیدہ ہے کہ اگر  
 اپنے اعمال نظر ہو جاوے۔ جو فطری معنی کے فاعل میں نہ کہتے ہیں کہ ہر مومن اپنے اعمال آپ

پڑے گا اور اس کے نیک اعمال دوسرے پرہیزگاروں کے سون کا چہرہ پڑے دقت نکلتا ہوگا اور کافر کا سیاہ ہوگا۔

(۴) میزان۔ یعنی ترازو۔ اس کا ثبوت قرآن و سنت و اجماع سے ہے اس واسطے کوئی مسلمان اس پر شبہ نہیں کر سکتا۔ سونہ کی زین بھاری ہر من وہی کام لے سکے اور جنگی ملکی ہو میں سود ہی میں جو اپنی جان باریک دوزخ میں رہا کر سکے دالو منوں ۱۰۴۔ سو جسکی تولین بھاری ہو میں تو اسکو من اتنی گدازان ہے اور جسکی تولین ملکی ہو میں تو اسکا ٹھکانا گدھا ہے۔ اور تو کی سمجھا کہ وہ کیا ہے۔ دہکتی آگ ہے (انفار ۵۵)۔  
یہ شمار احادیث اس باب میں وارد ہیں اجماع کو بھی غلبہ اسی طرف ہے کہ ترازو کا وجود حقیقتاً ہوگا اور اس کے پلے وغیرہ بھی ہونگے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کھٹا اعمال تو لے جائیں گے۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ خدا فرما دے گا اے محمد تیری امت میں جن لوگوں سے حساب نہیں لیا ہے وہ بہشت میں داخل ہوں انبیاء اور ملائکہ سے بھی حساب نہیں ہوگا۔ کافر دن سے بھی اس قسم کا امتحان نہیں لیا جاوے گا کیونکہ اونکا حال قبیر امتحان کے بعد موجود رہا ہوگا۔  
گنہگار اپنے چہرہ سے پہچان پڑینگے اور ماتھے کے بال اور پادوں سے پکڑے جائیں گے (سورہ رحمان ۱۰)۔ پس ظاہر ہے کہ مومن اور غیر مومن میں ادھین کے اعمال تو لے جائینگے جنہیں خدا قبول کرے۔ مگر بعض بد دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی کافر کا مطلق امتحان نہیں ہوگا اور یہ آیت بتاؤ اپنے دعوے کے پیش کرتے ہیں سو اسلئے اعمال مٹ گئے۔ پھر نہ کھڑی کرینگے اونکے واسطے قول (کہف ۱۰۵) اسکا یہ اب دیا جاتا ہے کہ اونکے واسطے تول کھڑی نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ تول اونکے نہ ہوتی ہوگی جبکہ اعمال تو لے جائینگے وہ جگہ بہشت و دوزخ کے درمیان ہے جبریل پلہ

کی حرکت کو نگاہ رکھیں گے اور سیکیل ترازو کو دیکھتے ہوئے سٹی اسپر متفق نہیں ہیں کہ ہر قوم کی ترازو علیحدہ کھڑی ہوگی یا یہ کہ سوسنوں کے ہر عمل نیک کیواسطے ایک ترازو الگ ہوگی مثلاً نماز کی الگ اور روزوں کی الگ ہوگی علیٰ ہذا قیاس۔ وہ کہتے ہیں کہ ہا ازیں بصیغہ جمع یعنی ترازو دن کے اسی سبب سے آیا ہے اور اس میں بھی ہے کہ آیا خود اعمال باصالحات تو لے جائیں گے پچھلی راے ایک حدیث سے ہے ترمذی نے بیان کی ہے ثابت ہوتی ہے۔ بنی نے کہا کہ ۹۹ صحائف منقسم ہوتے اور ہر صحیفہ اثنا بڑا ہوگا جہاں تک اینگاہ پھونچ سکتی ہے۔ خدا فرما دے گا اے نبی کیا تجھے اس سے انکار ہے یا فرشتوں نے تیرے ساتھ انصافی کی تیرے شخص کو دیکھا کہ نہیں اے رب۔ پھر خدا کے گا کہ اچھا اب تمہیں غدر ہے وہ کہیں گے اے رب ہمیں کچھ عذر نہیں۔ پھر خدا ایک پارچہ ایسا طائر کرگیا جس پر کلہ لکھا ہوگا اور اس کو ایک پلہ میں رکھو کہ خدا کے گا کہ اس شخص تیرے لئے کچھ بُرائی نہ ہوگی اگر تو صحیفہ اس پلہ میں رکھ دے اور کلہ کو اوٹھا کر دوسری میں رکھ دے کیونکہ پہلا پلہ لکھا تھا عرصہ کہ اس حدیث سے سمجھتے ہیں کہ صحائف بالیقین تو لے جاویں گے لیکن معتزلہ یہ باتوں پر معترض ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اعمال واقعات سے ہیں اور سبکی دگرانی ایسے دو صاف نہیں ہیں جو اوصاف سے منسوب ہو سکیں "کل آیات قرآنی اور احادیث جو اس باب میں وارد ہیں اوں کے نزدیک مجازی ہیں جبکہ انفس مطلب یہ ہے کہ خدا کے دن پورا پورا انصاف ہوگا۔

(دہم صراط۔ اس فقار کے معنی راہ اور سڑک کے ہیں قرآن میں بھی یہ لفظ آیا ہے روز انصاف کی نسبت اس طرح لکھا ہے اور اگر ہم چاہیں اوں کی آنکھیں مٹا دیں پھر راہ چلنے کو دوڑیں (پس ۶۶: ۱۳۴) گنہگاروں کو اور اون کی جوڑوں

(شیاطین) کو اور جو کچھ پوجتے تھے خدا کے سوا انکو جمع کرو پھراؤ اور دوزخ کی راہ  
 (صراط) پر چلاؤ (صافات ۲۳) قرآن میں صراط کو کہیں آپ سے تیسیر نہیں کیا ہوا ہے  
 ایک حدیث اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے بنی کے کہا ہے ایک میں تلوات  
 تیز اور یال سے باریک دوزخ کے اوپر ہوگا اور اس پر سوس کے تیز کاٹنے سے ہوگا  
 جنہیں خدا چاہے گا اور جنہیں وہ کاٹے چھید لیں گے۔ بعضے طرفہ العین میں اور بعضے  
 برق کی مانند رفتار سے اور بعضے تیز گھوڑے کی طرح اوپر سے اور تیز جادو نیلے فرشتے  
 بٹکار نیلے اس رب تو بچا اور محفوظ رکھ بعضے مسلمان بچ جادو نیلے اور بعضے دوزخ  
 میں گر پڑیں گے بٹکار ہی نے بھی اسی قسم کی ایک حدیث بیان کی ہے سب کا فرد دوزخ  
 میں گر پڑیں گے اور ہمیشہ وہاں ہی رہیں گے مگر حیدمت کے بعد جھوٹ جادوین کے  
 معز لہ کو ایسے پل کے وجود سے انکار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم فرض کریں کہ اسکا  
 وجود ہے تو مومنوں کے حق میں بھی تکلیف کا موجب ہوگا یعنی مسلمانوں کو دوسرے  
 اور ترنا پڑ گیا حالانکہ انصاف کے دن مسلمانوں کو کچھ تکلیف نہ ہوگی سستی اسکا یہ  
 جواب دیتے ہیں کہ مومن ادھر سے اس لئے اوتریں گے کہ خوب ظاہر ہو جاوے  
 کہ سطر دوزخ سے بچے اور بہشت کی راحت بچا میں اور نیز اس واسطے کہ کافر  
 و جنہیں ہمیشہ کے واسطے بچا ہوا دیکھ کر منفعل ہوں۔

الاعراف بہشت و دوزخ کے درمیان واقع ہے قرآن میں اسکی تفصیل کی طرح  
 ہے اور دیوار (اعراف) کے سرے پر مرد میں جو ہر ایک کو اس کے نشان سے پہچانتے  
 ہیں اور پکارا جاتا والوں کو کہ تیر سلامتی ہے وہ بہشت میں نہیں داخل ہوئے مگر  
 امیدوار ہیں اور جب اونکی نگاہ دوزخ والوں کی طرف پھرے ہوئے اسے  
 رب ہو کہ دوزخ والوں کے ساتھ مت کر (اعراف ۴۴-۴۵) میل صاف



نے دیا چہ کتاب میں الاعراف کی نسبت جتنی زمین ہیں اور کا طالعہ جو کیا ہے نہایت عمدہ ہے اور وہ اس طرح ہے "مسلمان اس سے العرق بلکہ بیشتر بصبغہ جمع یعنی الاعراف کہتے ہیں یہ لفظ مصدر غفرہ سے نکلا ہے جس کے معنی شناخت اور امتیاز کے اور جدا کرنے کے ہیں لیکن بعض نے اس نام کی وجہ اور کچھ بیان کرتے ہیں یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اس کے سر پر کھڑے ہونگے وہ بہشتیوں اور دوزخیوں کو ان کے مخصوص نشان اور وصفوں سے پہچان لیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ اس لفظ سے عبارت دوزخ ہے جو بلند ہوا اور اونچی اونچی ہو مثلاً بہشت دوزخ کی درمیانی دیوار کہ سطح سے اونچی ہے اور بعضوں کے نزدیک وہ ایک مقام ہے جہاں خاص بندے انبیاء اور شہداء اور وہ لوگ جو نہایت پاکباز ہیں رہا کریں گے اور بعض کہتے ہیں کہ اس مقام پر وہ لوگ رہیں گے جن کے اعمال نیک و بد برابر ہوں گے کیونکہ ایسے لوگ نہ لائق ثواب کے نہ مستوجب عذاب کے ہیں لیکن بقول ان کے یہ لوگ روز آخرت کو کوئی نواب کا کام کر سکیں گے جس سے نیکی کا بدلہ بھاری ہو جاوے گا تب وہ بہشت میں داخل ہوں گے اور بعض سمجھتے ہیں کہ یہ مقام اون لوگوں کا مسکن ہو گا جو بغیر اجازت والدین کے غزا پر گئے ہیں اور شہداء پائی ہے کیونکہ ماں باپ کی نافرمانی کے سبب سے بہشت سے خارج کئے جاویں گے اور شہادت کے سبب سے دوزخ سے محفوظ رہیں گے منقول (از دیباچہ سہ ماہی) اور نیز اس دنیا کی بدنی موت اور روز آخرت کے درمیان فاصل ہے جسے برزخ اور البرزخ کہتے ہیں اور ان کے پیچھے اٹکاؤ ہے جسدن تک اوٹھائے جاویں (المومنون ۲۳-۱۰۲) جب موت آتی ہے تو ملک الموت بدن سے روح کو جدا کرتا ہے جو لوگ نیک ہیں ان کی جان آسائش سے اور جو ترے ہیں ان کی جان سختی و دشواری سے نکلتی ہے۔ اس کے بعد روح عالم برزخ میں پھونچتی ہے (بعض عمیب رائیں جو احوال

روح کی نسبت ہیں اور یحییٰ بن علیؑ کے دیباچہ دفعہ ۵۵ ص ۵۵ میں دیکھو) اجماع سے یہ  
یہ قرار پایا ہے کہ خدا کے بیان شرک کی بخشش نہیں ہوگی۔ خدا کے ساتھ دوسرے  
کے شریک کرنے کو شرک کہتے ہیں۔ مشرک یعنی شرک کرنا والے ہمیشہ دوزخ میں ہیں مگر  
کیونکہ کفر و شرک ایسا سخت جرم ہے کہ اس کی تعذیر ہمیشہ کا عذاب ہے اور شرک دوزخ  
دوزخ کی آگ میں سدا رہیں گے وہ لوگ سب خلق سے بدترین (لیکن الدین ۵)  
تم دونوں ہرناشرک مخالف کو دوزخ میں ڈالو۔ یہی سے انکا نیوالا حد سے بڑھنے والا  
شبہ نکالتا جسے اللہ کے ساتھ اور پوجنا ٹھرایا۔ تو اسکو سخت مار میں ڈالو۔  
۲۲-۲۵) جو مسلمان گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اگر بغیر توبہ کے مریں تو بھی دوزخ میں  
ہمیشہ نہیں رہیں گے کیونکہ ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا (زلزال ۹۹)۔ مسلمان  
یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام لانا بھی عمل نیک ہے اسکا مکمل بھی ضرور ہے گا لیکن  
قبل از انکہ دوزخ میں پہنچنا ایک عمل کی سزا پالے یہ صلہ نہیں ملے گا اس سبب  
سے چند مدت کے بعد عذاب سے رہائی پاوے گا۔ ایمان کامل ہی ہے نہ سچے دل  
سے یقین کرے اور اس کے موافق عمل کرے لیکن اعمال فی نفسہ ایمان نہیں ہیں۔  
اسی جنت سے کیا ہر انسان کو ایمان کامل سے روکتے ہیں لیکن اس سے ایمان  
منالغ نہیں ہوتا۔ اسکا مرتکب کافر ہے بلکہ صرف گنہگار ہے (تیسرا ایمان صفحہ ۴۴) مگر  
کہتے ہیں جو مسلمان دوزخ میں جائینگے وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ان کے نزدیک  
جو مسلمان کبائر کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کے مر جاوے اگرچہ کافر نہیں ہوتا لیکن  
مومن بھی نہیں رہتا اس واسطے اسکو بھی وہی سزا ہوگی جو کافر دن کو ہوتی ہے۔  
یہ عقیدہ ہے کہ محمد صاحب بالفعل بھی ہمارے شفیع ہیں لیکن شفاعت کی طرح  
یہ ہے۔ ایک تو شفاعت کبریٰ ہے جسکی طرف ان الفاظ سے کہ عیسیٰ ان سبب تک

ایک مقاماً محموداً شاید کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب تعریف کے مقام (مقام محمود) میں لے کر  
 مقام محمود سے عبارت دی شفاعت کا مقام ہے جس میں سب لوگ آپ کی تعریف  
 کریں گے (تفسیر حسینی صفحہ ۹۴) زاد المصید میں لکھا ہے کہ مقام محمود سے یہ مراد ہے کہ  
 خدا بنی کو تخت پر بٹھائے گا بعضے کہتے ہیں کہ وہ مقام ہے جہاں کہ آپ کو ایک عالم ملک  
 جس کے گرد سب انبیاء کی فطیم سجالات کو جمع ہوں گے۔ مگر پہلی رائے پر اکثر اتفاق ہے  
 لوگوں کو بڑا خوف ہو گا محمد صاحب فرمادین گے "اے میری امت میں شفاعت کے  
 واسطے مامور ہوا ہوں" پھر وہیں خوف جاتا رہے گا۔ دوسری شفاعت اس قسم کی ہوگی  
 کہ بغیر حساب دے لوگ بہشت میں چلے جائیں گے مگر اس باب میں اختلاف روایات  
 تیسری قسم کی شفاعت اون مسلمانوں کے واسطے ہوگی جو دوزخ میں جانے کے لائق ہیں  
 چوتھی قسم کی شفاعت اون لوگوں کے واسطے ہوگی جو دوزخ میں جانے کے ہوں گے  
 سوائے محمد صاحب کے اور کوئی نبی اس قسم کی شفاعت نہیں کر سکے گا پانچویں قسم کی  
 شفاعت اون لوگوں کی ترقی منصب کے واسطے ہوگی جو بہشت میں ہوں گے۔ معتزلہ کو  
 گنہگار مسلمان کی شفاعت سے انکار مطلق ہے اور اپنے عقیدہ کی تائید میں یہ آیت  
 پیش کرتے ہیں اور اس دن سے بچو کہ کوئی شخص ایک ذرہ کسی کے کام نہ آئے  
 اوسکی طرف سے سفارش قبول نہو اور اسکے بدلہ میں کچھ اور نہ لین اور نہ اون کو مدد  
 پہونچے (بقرہ ۲۸۰) سنی اسکے جواب میں حدیث صحیح پیش کرتے ہیں۔ سیری  
 شفاعت میری امت کے اون لوگوں کے واسطے ہوگی جو کبار کے مرتکب ہیں اگر  
 اس حدیث پر کچھ شبہ وارد کیا جاوے تو وہ کہتے ہیں اس میں مسلمانوں کا بیان نہیں  
 ہے۔ کافر دن کا ہے (تفسیر فیض الکرم صفحہ ۲۵) حضرت انس سے روایت ہے  
 کہ محمد صاحب نے کہا معشر کے روز مسلمان حرکت نہ کر سکیں گے اور سخت پریشانی میں

میں گئے کاش ہم خدا سے التجا کریں کہ ہمارے واسطے کوئی شیخ پیدا کرے۔ جو ہم اس  
 مقام سے نکلیں اور اس سخت تکلیف و برج سے نجات پادیں۔ پھر وہ آدم سے اور  
 اگلے نبیوں سے مدد چاہینگے لیکن وہ سب عذر کریں گے کہ ہم خود کنگار ہیں آخر شمس جو  
 کے پاس جاؤ گے۔ وہ عیسیٰ روح اللہ اور کلہ اللہ اور رسول اللہ کے پاس  
 جانے کو بتاؤ گے۔ عیسیٰ بھی کہیں گے کہ محمد صاحب پاس جاؤ جو خدا کا بندہ ہے جسکے اگلے  
 پہچلے گناہ سب معاف ہو گئے ہیں نبی صاحب کہتے ہیں کہ پھر سلمان میرے پاس  
 آؤ گے اور میں اذن پا کر خدا کے سامنے او کی شفاعت کروں گا (مشکوٰۃ المصابیح کتاب بابا)  
 مسیح کی دوسری آہ بھی آثار قیامت سے ہے۔ عیسیٰ کیا ہے ایک بندہ ہے کہ ہم نے  
 وہ سب فضل کیا اور وہ نشان اس گھڑی کا ہے (زخرف ۴۳-۶۱) قرآن سے یہ پایا جاتا  
 ہے کہ وہ انصاف نہیں کرے گا بلکہ اور نبیوں کی طرح خود انصاف کیا جاوے گا۔ اور ہم نے  
 اونسے یعنی نبیوں سے گاڑھا قرار لیا تاکہ اللہ سچوں سے اونکا سچ پوچھے (یعنی خود انصاف)  
 نبوت کو کس طرح انجام دیا (آخر اب ۴۳ و ۷ و ۸) اور اسلئے آویگا کہ اون یہود کو جو اس  
 شکر تھے بتاؤے اور قیامت کے دن اونکا بتانے والا ہوگا (نساء ۴۰-۱۵۸) اس پر بھی  
 ایمان لانا ضرور ہے کہ پیغمبر کو خدا نے ایک حوض دیا ہے جسے کوثر کہتے ہیں کوثر کا ذکر  
 قرآن کی اس آیت میں ہے۔ ہم نے تجھے کوثر دی ہے (کوثر ۱) بخاری کہتا ہے کہ کوثر کے  
 معنی خیر کثیر کے ہیں جو خدا نے اپنے نبی کو بخشی ہے ابوباش نے سعید سے کہا لوگ بتاتے  
 ہیں کہ کوثر بہشت میں ایک نہر کا نام ہے سعید نے جواب دیا کہ کوثر نہر ہے جس میں خیر کثیر  
 ہے اور اسی راوی سے یہ روایت ہے کہ محمد صاحب نے کہا وہ میرا حوض مرجع ہے  
 اسکا پانی دودھ سے سفید اور مشک سے خوشبودار ہے جو کوئی او میں سے پئے گا

ابرہہ پر یا سا ہوگا۔

بشت میں، ومنوں کے واسطے راحت کے متعدد مذاج ہیں۔ ترمذی سے روایت ہے کہ نبی نے فرمایا۔ بہشت میں ایک سو درجے ہیں جن میں بعض تو ان اٹھ ناموں میں ہونگے جو بہشت کے واسطے معین ہیں۔

(۱) جنت الخلد۔ تو کہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کا باغ (جنت الخلد) بہتر ہے جبکہ وعدہ پر نیز کارون کو ملا (فرقان ۲۵ و ۱۶) (۲) جنت السلام۔ انکو اپنے رب کے یہاں سلامتی کا گھر جنت السلام، ہے (الغائم ۱۲۷) (۳) دارالقرار۔ اور وہ گھر جو بچھلا ہے وہی ٹھہراؤ کا گھر ہے (مومن ۴۰) (۴) جنت العدن۔ اللہ نے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو وعدہ دیا ہے کہ باغوں میں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں اور رہنے کے مستحق۔ مٹانون میں جو باغوں میں ہیں رہا کرین (توبہ ۷۳-۷۴) (۵) جنت المادوی۔ ایک پاس رہنے کی بہشت ہے (نجم ۵۳-۵۴) (۶) جنت النعم۔ بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں (القطار ۱۳) (۷) جنت العلیین۔ نیکوں کا لکھا ہوا علیین میں ہے (الطہ ۳۷) (۸) جنت الفردوس۔ جو یقین لائے ہیں اور جنھوں نے پہلے کام کیے ہیں انکو ٹھنڈی چھائوں کے باغ۔ جنت الفردوس میں ممانی ہے (کہف ۱۰۷-۱۰۸)۔

اکتے ہیں کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں اگرچہ قرآن میں طبقوں کے نام آئے ہیں لیکن یہ نہیں لکھا ہے کہ ہر طبقہ میں کس درجہ کے لوگ ڈالے جاویں گے لیکن مسلمان مفسرین نے اسکی تفصیل کر دی ہے۔

(۱) جہنم۔ جو گنہگار بغیر توبہ کے مرتے ہیں وہ جہنم میں جاؤ گے (۲) زورہ جہین کافر یعنی یہی رہینگے (۳) حطہ۔ ایک آگ ہے جہین یہودی اور بعض کفر و کسبی طہنگے (۴) سعیر جہین شیطا طین اور اسکے ذریعے ڈالی جاوے گی (۵) سقر جہین مجوس اور نیز وہ لوگ رہینگے جو نماز میں غفلت کرتے ہیں (۶) انجیم۔ کھولتا ہوا کڑھاو ہے جہین بہشت بہتر

اور یا عروج با جوج ڈالے جائینگے (۵) تاویہ۔ بے تمناہ کڈا بنے حسین ریاکار رہے۔  
 کہتے ہیں کہ بہشت میں دوزخ سے ایسا طبقہ زیادہ ہے تاکہ علوم ہو کہ خدا کی رحمت  
 عدل سے زیادہ ہے مٹری عالموں نے تمام واقعات متعلق حشر و نشر اور بہشت میں اور  
 دوزخ میں کے حساب کتاب اور آئندہ حالت کی نسبت خوب شرح و بیسٹ سے قلمبند  
 کیا ہے یہاں صاحب نے اوں سب کا خلاصہ ایسی عمدگی سے لیا ہے کہ اس مقام پر  
 فریقہ فیصل کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن و احادیث میں جو کچھ بہشت کی راحتوں کا  
 ذکر ہے وہ سب سنیں گے کے نزدیک حقیقی ہے۔

۶۔ قدر خیر و شر۔ میں نے قبل ازین صفت ارادہ (مندرجہ عنہ) کے ذکر  
 میں مسئلہ تقدیر کی کچھ بحث کی ہے لیکن چونکہ مسلمانوں کی کتابوں میں تقدیر کی باب علیحدہ  
 ہوتی ہے لہذا میں بھی اس مقام پر ایک بحث جداگانہ نہ لکھتا ہوں مگر چونکہ مقام مذکور میں  
 ابرہوی کا کلام صفت ارادہ پر نقل کر چکا ہوں اس جگہ میرے اس بقدر ضرور ہے کہ اہل حق  
 اختصار اونکے کلام سے تقدیر کی نسبت کچھ اخذ کروں۔ اور وہ یہ ہے۔ اوسکا اقرار ضرور  
 چاہئے کہ نیکی و بدی سب تقدیر الہی سے ہوتی ہے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہوگا وہ سب  
 ارادہ میں خدا نے فرما دیا تھا اور لوح محفوظ پر لکھا تھا۔ مؤمن کا ایمان اور متقی کا اتقا

(۱) اگرچہ بعض سدان جنگی عقلیں نہایت طبع ہیں محمد صاحب کے ایسے بیانات کو مجازی سمجھنے  
 ہیں لیکن عام عقیدہ یہی ہے کہ یہ سب باتیں لفظ با لفظ ماننی چاہئے (سیل صاحب کا دیا ہے  
 فصل ۳ صفحہ ۳۷)

(۴۱) سورہ ۹۵ آیت ۲۲ میں اس لوح محفوظ کا ذکر ہے کہ اوپر قرآن لکھا ہے سورہ  
 یس ۳۶ میں آیا ہے کہ آدمیوں کے اعمال اباب کھلی کتاب میں ہے امام شمس کہتے ہیں لکھے ہیں

اور اعمال نیک سب خدا کے علم و ارادہ تقدیر میں تھے جو اسکے حکم سے لوح محفوظ پر لکھے گئے اور انھیں پیدا کیا اور وہ سب اسکی مرضی کے موافق تھیں۔ کافر کا کفر اور فاسق کا فسق اور  
اور اعمال بد جو اس سے سرزد ہوتے ہیں سب اس کے علم و ارادہ اور تقدیر میں تھے اور  
اسی کی طرف سے ہیں لیکن اس سے پسند نہیں ہیں اگر کوئی پوچھے کہ خدا نے جبرائی کو کیوں  
پیدا کیا تو ہم صرف یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہم اسکی حکمت کو پہچان نہیں سکتے،

دوسرے اس بات پر بھی ایمان لانا اور اقرار کرنا چاہئے کہ جو کوئی یہ کہے کہ خدا نیکی و  
ایمان سے خوش اور بدی و کفر سے ناخوش نہیں ہوتا یا یہ کہ خدا کے نزدیک نیکی و بدی  
و دونوں برابر ہیں وہ کافر ہے۔ اس بارہ میں تین مخصوص اور معینی مذاہب ہیں۔

اول جبری۔ وجہ تسمیہ جبر سے ہے جو بمعنی مجبور کے ہے۔ جبری کہتے ہیں کہ انسان محض  
بے اختیار ہے جو کچھ اس سے ہوتا ہے سب خدا کرتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو اول سے  
اس نے حکم دیا ہے (۱) چونکہ وہ حاکم مطلق ہے اس لئے اختیار ہے چاہے تمام آدمیوں کو بہشت  
میں پہنچائے یا دوزخ میں والے۔ یہ فرق شمر لوں گی ایک شاخ ہے جو اکثر باتوں میں اول سے متفق ہے۔

(۱) رسول اللہ نے فرمایا کہ عالم ارواح میں آدم و مرسلے کے درمیان خدا کے سامنے مباحثہ ہوا۔  
حضرت آدم کا مرتبہ زیادہ تھا۔ موسیٰ نے کہا کہ تو وہ آدم ہے جسے خدا نے پیدا کیا اور اپنی روح تجھ میں  
ڈالی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ تجھے سجدہ کریں اور بہشت میں تجھے رکھا اس کے بعد اس قصہ کے سبب  
جو تو نے کیا آدم فرد اس دنیا میں پھینکا گیا آدم نے جواب دیا کہ تو وہ موسیٰ ہے جسے خدا نے نبوت اور کلام  
کے واسطے مخصوص کیا۔ اس نے تجھے بارہ لوہین دین خیر ہر بات کی تفصیل لکھی ہے اس نے تجھے اپنا ستم  
اور اپنے اسرار کا حامل گردانا پسینا و ٹوٹکر میری پیدا ہونے سے کتنی مدت پہلے میل لکھی گئی تھی۔ موسیٰ نے کہا  
کہ پالیس برس پہلے۔ پھر آدم نے پوچھا کہ تو نے میل میں دیکھا کہ آدم نے خدا کی نافرمانی کی۔ کہا البتہ پھر  
تو ایسی بات پر مجھے کیا ملامت کرتا ہے جسے خدا نے میری پیدائش سے ہم برس پہلے لکھ دیا تھا۔

دوسرے قدری ہیں۔ جھین تقدیر آئی سے انکار سب جنگ نزدیک بدی و نا انصافی کو خدا سے منسوب کرنا نہیں چاہیے بلکہ انسان سے چاہیے جو فعل فحش ہے۔ خدا نے اسے فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی قدرت دی ہے۔ اس گروہ کو عموماً گروہ معتزلہ سے سمجھتے ہیں حالانکہ اسکا وجود اس سے قبل ہے کہ اصل نے اپنے استاد حسن کا ساک ترک کیا (صفحہ ۱۲۵) مگر چونکہ اصل نے قدیون کے خاص عالم معبد الجہنمی کے عقائد کی پیروی کی ہے اس واسطے معتزلہ اور قدری و حقیقت ایک ہی ہیں۔

تیسرے اشعری۔ جنکا کچھ احوال قبل ازین بیان کر چکا ہوں۔ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ازل سے خدا کی ایک مشیت ہے اور جو کچھ خدا کرتا ہے یا انسان سے سرزد ہوتا ہے سب اسی کی مشیت کے موافق ہوتا ہے اور جو کچھ اس کے علم و ارادہ میں ہے اور لوح محفوظ پر لکھا ہے وہی ہوتا ہے۔ بھلائی اور بُرائی سب اویسکے حکم سے ہوتی ہے۔ یہاں تک تو انھیں جبریون سے اتفاق ہے اب آگے اتنی اور قید لگاتے ہیں کہ تھوڑا سا اختیار آدمی کو بھی ہے۔ میں اس مسئلہ کی تشریح بیان مندرجہ صفحہ ۱۳۰ میں کر چکا ہوں۔ غرض کہ سنی از روئے عقیدت اشعری ہیں اور از روئے عمل چنپہ جبری ہیں۔ معتزلہ کے عقائد محض الحاد میں داخل ہیں۔ جس ستمی اور سرگرمی سے تقدیر کے مضمون پر مسلمانوں میں بحث ہوئی ہے اس سے زیادہ اور کسی پر نہیں ہونی ہے۔ چند طویل مباحثوں کے خلاصہ مندرجہ ذیل سے امور مختلف فیہ کا حال معلوم ہو جاوے گا اشعری جو اس باب میں سنیوں سے بڑی نسبت رکھتے ہیں عقائد معتزلہ پر یہ اعتراض قائم کرتے ہیں۔

(۱) اگر انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی فعل کا موجب ہے تو چاہیے کہ نتیجہ فعل کے روکنے پر بھی قادر ہو۔



(۲) اگر فرض کیا جاوے اپنے اختیار سے کوئی فعل پیدا کر سکتا ہے تو ضرور ہے کہ افعال کو جانتا بھی ہو۔ پیدا کرنے والے کو چاہیئے کہ کسی فعل اور اختیار میں دوسرے کا محتاج نہوارادہ کے ساتھ علم کی شرط لازمی ہے۔ معتزلہ اس کا خوب جواب دیتے ہیں کہ آدمی کو چلنے سے پہلے راہ کا بعد اؤ گفتگو سے پہلے گلے کی ترکیب دریافت کرنی ضرور نہیں ہے۔

(۳) فرض کرو کہ کوئی آدمی اپنے بدن کو حرکت دینا چاہتا ہو اور خدا یہ چاہے کہ حرکت نہ وقائم رہے اور دونوں کے ارادے معرض وقوع میں آویں تو اجتماع نقیضین کا لازم آوے گا اور اگر وہ دونوں کے ارادے واقع نہ ہوں تو ارتفاع نقیضین لازم آوے گا اور اگر انسان کا ارادہ ظہور میں آوے تو اول کو دوسرے پر ترجیح ہوگی حالانکہ یہ سب خلاف عقل ہے۔

(۴) اگر انسان اپنے اختیار سے کسی فعل کو پیدا کر سکتا ہے تو اس کے بعض افعال کو خدا کے بعض افعال پر فوقیت ہوگی۔ مثلاً اگر آدمی اپنے ارادہ سے ایمان لاتا ہے تو اس کا یہ فعل سانپ بچھوٹوں سے کہ وہ خدا کے افعال میں بہتر ہوگا۔

(۵) اگر آدمی فعل نجات دہی تو فی الفور انسان کا بدن کیون نہیں بنا سکتا کیا ضرورت ہے کہ فضل و ایمان پر خدا کا شکر کرتا ہے۔

(۶) سنی کہتے ہیں کہ سب دلیلوں سے بہتر قرآن کی شہادت ہے۔ ”مجھے ہر چیز نبائی پہلے ٹھہرا کر“ (نور ۵۴-۵۹) اور اللہ نے تم کو اور جو بتاتے ہو او سے بنایا (صافات ۳)

(۹۴) سو کسی کو راہ دی اللہ نے اور کسی پر ثابت ہوئی مگر اسی (نحل ۱۲-۳۴) چونکہ ایمان و اطاعت تقدیر الہی سے ہے اس سبب سے ضرور ہے کہ وہی اوس کا موجب ہو۔

اونکے دل میں ایمان لکھ دیا ہے، (مجادلہ ۵۰-۲۲) وہی بنسائا اور ردلاتا ہے اور وہی ماترنا اور جلاتا ہے، (نجم ۵۴-۴۴) اور اگر اللہ چاہتا سب کو راہ پر جمع کر لاتا (انعام ۳۶)

”اور اگر تیرا رب چاہتا تو تو کو لکڑیاں اور پتھر ڈالتا“ (ہود۔۔۔۔۔ ۱۲۰) جسکو چاہیے اللہ گمراہ کرے اور جسکو چاہیے ڈال دے سیدھی راہ پر (انعام۔ ۳۹) ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی نے فرمایا: ”سب فاعلون اور انکے فعلوں کا فاعل خدا ہے۔ مگر علم اس بڑی بحث کی جانب مخالف اختیار کر کے کہتے ہیں کہ۔

(۱) اگر آدمی اپنے اختیار سے کوئی ارادہ یا کام نہیں کرتا ہے تو پھر خدا کی تعریف کرتی یا اسکا گناہ کرنا دونوں برابر ہیں اور ایمان و کفر اور خیر و شر میں کیا فرق ہے اور اوامر و نواہی اور ثواب و عذاب اور وعدے و وعید سے کیا حاصل ہے اور نبیوں کا آنا اور کتابوں کا نازل ہونا بھی عبث ہے۔

(۲) انسان کے بعض افعال بد میں مثلاً ظلم و شرک اگر خدا ہی نے انھیں پیدا کیا ہے تو یہ معنی ہو گئے کہ ظلم و شرک کو خدا سے منسوب کرنا عین اطاعت ہے۔ شعری اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ احکام و وطرح کے میں ایک تلوین کہ بلا وساطت غیر حکم کرتے ہی ہو گئے۔ کن فیکون اسمین تمام موجودات داخل ہیں اور اس کے بموجب جو کچھ حکم دیا گیا ہے وہ سب ظہور میں آویگا۔ دوسرے امر تشریعی۔ حکم شرع ہے جو انبیاء کی وساطت

(۱) جسوقت کالی تیرے رب نے آدم کی پیٹھ میں سے اذکی اولاد داد۔ اقرأ لکما اودان سے اذکی جانبر کیا میں نہیں ہوں رب تمھارا بولے البتہ ہم قائل ہیں۔ ابن قداس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ خدا نے سب انبیاء و اولیاء کا ایک درجہ بنایا دوسرے میں شہداء کو رکھا۔ پھر نیکو کاروں کا الگ ایک درجہ کیا اور بدکاروں کا الگ۔ فرمانبردار بندوں کا درجہ بنایا اور نافرمانوں کا۔ مثلاً یہودی عیسائی فوجی ہندو وغیرہ کے بھی کئی فرق بنائے۔ پھر جس شکل پر دنیا میں پیدا ہونے کو تھا پہلے سے مقرر ہو چکی تھی اس عبارت سے تقویۃ الایمان کے وہابی مصنف نے سند پکڑی ہے ۱۲۔

سے لوگوں کو پہنچا ہے اور واجب التعمیل ہے اور صحیح تعمیل اور کامل اطاعت میں ہے کہ جو کچھ خدا نے بتا دیا ہے اس پر عمل کرے خدا کے مخفی ارادوں اور پوشیدہ حکمتوں کی تعمیل میں لازم نہیں کیونکہ ہم اس کی مصلحتوں سے آگاہ نہیں ہیں۔

(۳۱) اگر آدمیوں کے افعال تقدیر الہی سے ہیں کہ ان فاعلون کے مطابق خدا کے نام بھی ہوں مثلاً کفر کرنے والا کافر اور ظلم کرنے والا ظالم ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس پس اگر ان کل افعال کا پیدا کرنے والا خدا ہے تو لازم آویگا کہ وہ بھی ایسا ہی ہو حالانکہ اس کی نسبت ایسا کتنا صریح کفر ہے۔

(۳۲) اگر کفر تقدیر الہی سے ہے تو ضرور اس کے ارادہ اور خواہش سے ہے لیکن فی ایمان و بندگی چاہتا ہے اس واسطے ارادہ الہی کے مخالف ہے۔

سنی اس کا جواب دیتے ہیں کہ قدیم سے خدا کے علم میں تھا کہ فلان شخص کافر رہے گا پس اگر نبی خدا کے علم سے واقف ہو کر ایسے شخص کو نجات کا پیغام پہنچاتا تو البتہ بچا ہوتا لیکن وہ خدا کی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا ہے اس واسطے اس کا تم تبلیغ احکام یعنی پہنچانا حکمون کا ہے۔ بر سر سوالان بلاغ باشد و پس چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ نبی کے ذمہ صرف تبلیغ صاف احکام کی ہے۔

(۳۵) معتزلہ ان باتوں سے استدلال کرتے ہیں جنہیں کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا یا تجدید کرنا یا پیدا کرنا وغیرہ لاک آدمیوں کی نسبت لکھا ہے اور اپنے دعویٰ کے مؤید اور موافق بتاتے ہیں اور وہ آئین یہ ہیں اور اقدس ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے تاکہ بڑائی والوں کو ان کے لئے کاہلادے۔ اور بھلائی والوں کو بھلائی سے بدلا دے (نجم ۵۳-۳۲) اور جسے بڑائی کی ہے تو وہی اس کی برابر بدلا دے گا اور جسے بھلائی کی ہے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ یقین رکھتا ہو سو وہ لوگ بہشت میں

جاوینگے۔ مومن (۴۳) سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے جو کوئی چاہے ملے اور جو کوئی چاہے نہ ملے۔ (کف: ۲۱)

اسی طرح جھٹلایا کیئے اسے اگلی تو کہ تم نرے ٹھکل پر چلتے ہو۔ انعام۔ ۱۴۹۔ سچہ بھی اس پر صاف دلالت کرتی ہے، "کل نیکی تیرے ہاتھوں میں ہے اور بُرائی تجھ پر نہیں ہے یعنی بُرائی کو اپنے اوپر لازم مت کر۔"

اشعری اس کل بحث و ثبوت کے خلاف ایک آیت نہایت واضح پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ "یہ تو سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ اور تم بچا ہو گے مگر جو چاہے اللہ بے شک اللہ سب جانتا حکمت والا ہے (سورہ وقفہ۔ ۲۹۔ ۳۰) اور حدیث کا جواب وہ طرح دیتے ہیں (۱) راضی ہونا بُرائی پر اور بات ہے اور اس کا ٹھکانہ

اور بات ہے مثلاً اس عبارت سے کہ خدا اپنے بندوں سے بُرائی نہیں چاہتا یہ معنی نہیں ہیں کہ قدر خیر و شرہ خدائی طرف مہم نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ظلم خدا کی کوئی صفت نہیں ہے۔ اسی طرح بُرائی تجھ پر نہیں ہے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بری خدا کی کوئی صفت ہے۔ (۲) یہ کہ حدیث کے معنی قرآن کے مطابق یعنی چاہئیں حکماء اسلام نے اس وقت کے دفع کرنے کی کوشش کی ہے ابوالوالید محمد بن احمد (اور وزر) کہتے ہیں کہ میں اپنے فعل کا اختیار ہے جس طرح چاہیں کریں لیکن ہمارے ارادہ وقوع کسی خارجی سے بہرہ و اگر آئے مثلاً کوئی چیز دیکھتے ہیں جو میں خوش آتی ہے اور بمقابلہ اپنے ہمیں

۱۱۔ مفسر عباسی لکھتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کے باب میں ہے جسے خدا چاہتا ہے۔ مومن ہو ہی مومن ہو گا اور جسے کافر کیا ہے وہی کافر ہو گا انسان کو چھ اختیار نہیں (تفسیر ابن

اور کسی طرف کشش ہوتی ہے۔ پس ہمارا ارادہ اسباب خارجی سے وابستہ ہے اور  
 ان اسباب کا وجود ایک نہج معینی پر ہے اور وہ نہج موضوع ہے قوانین فطری پر اسباب  
 کا لازمی تعلق جو ہمارے نزدیک جملہ اسرار سے ہے اکیلا خدا او سے ازل سے جانتا ہے  
 اور ہمارے ارادہ کا تعلق اسباب خارجی سے قوانین فطرت کے مطابق ہے اور اسی  
 کو الیات میں قداور تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں میں قبل ازین بیان کر چکا ہوں کہ جب  
 موزمانہ سے اسلام کے اصول و احکام اوس حد تک پہنچے جو اس زمانہ کے فقہ  
 سے مضبوط ہیں تو مسلمان قرآن کے حروف و الفاظ کی وہم آمیز تعظیم اور توہمات مذہبی  
 میں گرفتار ہو گئے اور اسکے ساتھ ہی ایک اور اس سے بھی زیادہ پیچیدہ بحث خدا کی  
 صفت کی شروع ہو گئی پچھلے چند صفحوں میں ہم نے جو کچھ قرآن سے اقتباس کیا ہے اوس سے  
 معلوم ہوا ہوگا کہ جسطرح چند آیات سے انسان کی خود مختاری اور اوس خود مختاری کے  
 سبب سے اعمال کی کفالت ثابت ہوتی ہے ویسی بعض آیات سے تقدیر کا سلسلہ  
 بھی صاف معلوم ہوتا ہے اسلام کی بڑی قوت اوس جوش و سرگرمی میں ہے جس سے  
 حمید صاحب نے یہ تعلیم دی کہ خداے تعالیٰ عادل و حاکم ہے جسے آدم کو وہ بتائیں  
 بتائیں جو اسے معلوم نہ تھیں جب یہ مذہب طرح طرح کی پیچیدگیوں اور دقیق عقائد  
 منعقد ہو گیا اور علماء شرع نے شریعت کے احکام کو سخت کر دیا جو اس مذہب کے  
 پہلے اصول کا لازمی نتیجہ تھا تو لوگ خدا سے دور پڑ گئے اور اسکی مقابرت کا خیال جاتا  
 اور اسکی ذات تک رسائی و شواہد ہو گئی نہ معلوم تقدیر نے خدا سے کاد و سطلق و حاکم کی جگہ  
 لے لی۔ اسی تقدیر کی ظلمات نے عام اس سے کہ قرآن میں اسکے موافق ہوا فی الخلف  
 تمام مسلمانوں کے فریق پر یہ کیا ہے اور اسی سے محمدی قومین معرض زوال ہیں  
 ہیں مسلمانوں کی توہین اگرچہ آزاد و خود مختار ہیں لیکن انہی ذات کی

منفعت سے مستغنی اور ترقی کی اعتیاج سے بے خبر اور ادن تمام اعلیٰ مقاصد سے جو ظاہر و باطن کی آراستگی کا موجب ہیں مغربی قوموں سے بہت پیچھے ہیں۔

علم عقائد کا بیان بیان پر ختم ہوا لیکن مسلمانوں کے اکثر رسالوں میں ایسے غمخواروں کے متعلق چند اور رسائل بھی ہیں اس واسطے مختصراً انکو اس جگہ لکھتا ہوں اگر مومن قتل یا زنا کا مرتب ہو تو اسلام سے خارج نہیں ہوتا بشرطیکہ انکو جائز نہ جانتا ہو۔ اگر بغیر توبہ کے مرتب ہو تو خدا کو اختیار ہے کہ چند مدت دوزخ میں ڈالے یا بغیر عذاب کے بخش دے حد شرع جو قرآن کے احکام ظاہر سے ہے مقتضی اسکی ہے کہ جو مسلمان دین سے پھر جاوے تو اسکا قتل واجب ہے۔ اگر وہ مجرم عورت ہو تو ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے مقید کرنا اور ہر روز درے لگانا چاہئے باقی تینوں امام یعنی مالک و شافعی و حنبل کہتے ہیں کہ طابق مضمون حدیث کے اسکا قتل واجب ہے اور وہ حدیث یہ ہے، جو کوئی تبدیل مذہب کے اس سے قتل کر دے، عربی لفظ من یعنی جو کوئی کی عورت و مرد دونوں کو شامل ہے اس واسطے

(۱) شاعر انبضی شاعر لکھتا ہے قتل اس سے کہ میں اور تو طور میں آئے جا را اختیار و ادہ ہمارے قبضہ سے نکال لیا تھا۔ کچھ تردد مت کر کیونکہ خالق نے ہمارے معاملات کو پیدا ہونے سے مدت قبل مقرر کر دیا تھا۔  
(۲) نہ اسے موت کبھی اپنی تصور نہ کیا اسلئے مقرر ہوتی ہے۔ شاعر میں ایک ترکی عالم سنی احمد لکھتا ہے کہ کلمہ اس واسطے ہوا تھا کہ اس نے ایک انگریزی پادری ڈاکٹر کو لے دار و قسطہ نظیہ کو نماز کی ایک کتاب لے آیا۔ سالہ سے بیس مسیح کہہ اللہ کے ترجمہ کرنے میں مدد می تھی انگریزی سفیر کے امداد سے خواجہ جلی جان بخشی تو البتہ ہوئی لیکن جزیرہ سایہ کو بلا وطن کر دیا گیا۔ باب عالی نے وعدہ کر لیا کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہل و عیال کی نگرانی کیا جائیگی اور اس بات کے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں لکھتا۔ مدہ پورا نہیں ہوا۔

ان اماموں کے نزدیک اگر عورت دین سے پھر جاوے تو وہ بھی واجب القتل ہے۔  
 (ایشیا ایک سوسائٹی کی کتاب جلد ۱، صفحہ ۵۸۲) شرک اور کفر کو خدا معاف نہیں کرتا  
 لیکن اور سب گناہوں کو چاہے بخشدے اگر کسی مسلمان سے پوچھا جاوے کہ تم مومن  
 ہو تو اس سے کہنا چاہئے کہ میں بچتے مسلمان ہوں لیکن انشاء اللہ نہ لکھنا چاہیے  
 ایسا فیصون کے نزدیک ہے حقیقی اسے نادرست سمجھتے ہیں) اگر کوئی اس سے  
 کہے کہ تو ایماندار مرگیا تو کہنا چاہئے کہ اسکا علم خدا کو ہے میں نہیں جانتا بخیر انبیاء کے  
 یا اون اصحاب کے جنکی خبر نبی نے دی ہے جیسے ابو بکر و عمر و عثمان و علی ہیں اور  
 کسی کی نسبت نہیں کہنا چاہئے کہ وہ قطعی جنتی ہے۔ کیونکہ یہ حال خدا ہی کو معلوم ہے  
 مسلمان موتے کے واسطے خواہ اچھا ہو یا بُرا مغفرت چاہنا اور فاتحہ پڑھنا چاہئے۔  
 خیرات، دنیا قرآن پڑھنا اور اور کار خیر کرنا اور کسی کار خیر کا ثواب مردے کی روح کو  
 پہنچانا کار خیر میں داخل ہے۔

# ضمیمہ متعلق باب چہارم

## فلسفہ اسلام (فلسفہ سے مراد علم عقلی میں)

باب مابقی میں بیان کر چکا ہوں کہ شیون کے فرقے نے آخرش قدیم گروہ شکلیں  
 واپس لین کر لے کئے ہیں اس طرح استیصال کیا اس ضمیمہ میں پچھلے شکلون یعنی حکماء  
 متاخرین کا ذکر کرونگا خلیفہ مامون (۸۱۳-۸۳۳ ہجری) معروف آزاد راے پہلا شخص  
 تھا جس نے مسائل حکمت کی تحقیق پر بہت باندھی۔ اسی کے عہد میں یونانی فلسفہ کی کتابیں  
 عربی میں ترجمہ ہوئیں یونانی حکماء میں ارسطاطالیس کو زیادہ مانتے تھے۔ کچھ اس  
 سبب سے افلاطون کے ذریعے تصورات جو بمنزلہ علم الیقین کے تھے ارسطو کے شاہد  
 ہو کر عین الیقین کے مرتبہ پر تھے عرب کی ثبوتی طبیعت کو زیادہ پسند تھے اور کچھ اس  
 سبب سے کہ اوسکا علم منطق روزمرہ کے مباحثوں میں جو مسلمانوں کے مختلف مذاہب کے  
 و بیان رہتے تھے بکا آمد تصور کیا گیا تھا اس واسطے نہایت مناسب تھا کہ ارسطو کی تقلید  
 کیجاتی مسلمانوں میں اس نفع پر تعلیم دیجاتی تھی کہ اونکی طبیعتیں عقائد معینہ کے مطیع  
 رہیں اور اونکے احکام پر چلنے کے عادی ہوں مسلمانوں نے کسی حقیقت کے دریافت  
 کرنے پر اتنی توجہ نہیں صرف کی جتنا کہ اپنے ذہنوں کی آراستگی میں مصروف رہے  
 اسی سبب سے ارسطو جیسے ہوشیار و نازک خیال مقنن کی ادھنیں حاجت تھی۔  
 کنسی صاحب کی اسکندریہ اور اوسکے مذاہب صفحہ ۱۶۰ جن مضامین پر اون وقتوں  
 میں بحث ہوئی تھی اوسکا کچھ احوال عربی مورخ مسعودی کے بیان سے معلوم ہو سکتا ہے  
 جو نسبت اوس جماعت کی ہے جو بسر پستی معروف بھی ہر ملی کے منعقد ہوئی تھی۔



اوس جماعت سے خطاب کیا کہ تم نے سئلہ الکون اور الظور (وجود قبل اور تخلیق پر استحکام و قیام پر حرکت و سکون پر اتفاق و انفرافق پر) (اوصاف الہیہ کے) وجود و عدم پر عرض جو ہر اسناد و احادیث کے استقرا اور استیصال پر صفات الہیہ کے وجودی و عدمی ہونے پر توجہ دینی  
 و اسکا فی پرادہ و مقدار و شکل و تعلق پر۔ حیات و تنازع پر کامل بحث کی تم نے اسکو بھی تحقیق کیا کہ حق امامت نہجانب اللہ ہے انسان یعنی اکثرین جماعت کے اتفاق پر وہ فرض ہے تم نے علوم عقلی و فہمی کے اصول و فروع پر بچید مباحثہ کر لیا اب آج اپنی ہمت کو محبت کے مضمون پر مصروف کر دو۔

ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ جیسا کہ درحقیقت اور سب یونانی تصانیف کا موا تھا شامی اور خالدی سیحون نے خصوصاً نستوریوں نے کیا تھا۔ فیاض خلفاء عباسیہ لمبا بت کی وجہ سے اون لوگوں کی بڑی توقیر کرتے تھے چند کتابیں تو شامی سے عربی میں ترجمہ ہوئی تھیں کیونکہ شہنشاہ حبشین کے عہد میں متعدد یونانی تصانیف شامی میں ترجمہ ہو چکی تھیں نہایت نامور ترجمہ اور مشہور طبیب حنین ابن اسحق تھے جنھوں نے ۸۰۷ء وفات پائی جو شامی اور یونانی کے جید عالم تھے۔ یہ شخص بغداد کی جماعت مترجمین کا فہم تھا حبشین اوسکا بیٹا اسحق بن حنین اور اوسکا بیٹا اسحق بن حنین اور اوسکا براور زادہ بس العصم بھی داخل تھا دسویں صدی میں یحییٰ بن عادی اور علی بن ذراعہ نے چند کتابیں ترجمہ کیں اور اوروں کے پرانے ترجموں کو صحیح کیا انھیں لوگوں کے سبب سے عربوں کو فلاطون کے مسائل سے واقفیت ہوئی۔

ارسطو کی تعلیم تمام مسلمانوں میں خصوصاً بیدین فرقوں میں بہت پھیل گئی۔ سینو کوہ امر نہایت گران تھا لیکن ایک مدت اوسکی فراحت اونکے اختیار سے باہر تھی مورخ مکزیبی لکھتا ہے کہ یونانی حکیموں کے مسائل نے مسلمانوں میں بڑی خرابیاں ڈال دی

ہن اوان سائل سے صرف ہی فائدہ ہے کہ بینون کی غلطیوں اور فسق کو اور ترقی ہوتی ہے  
 حکمت کے مسائل مسلمانوں کے دنیا سے بعض مضامین میں جیسے احوال پیدائش  
 عالم اور خدا کے مخصوص انتظام اور صفات الہیہ کی حقیقت سے مخالف تھے جو حکیمانہ  
 رائیں محترمہ نے اختیار کی تھیں وہ البتہ کس قدر اونی مؤید تھیں لیکن اس سے سنہین  
 کی ناراضی فلسفہ کی تعلیم کی نسبت کچھ کم نہ ہوئی تھی حکمت کو ترقی ہوئی اور لوگوں نے  
 اپنے بچاؤ کو حکیمانہ طریقے اختیار کئے پس اس طرح علم کلام کی ابتدا ہوئی۔ پہلا طریق  
 بہت کچھ احکام دین پر محدود تھا لیکن پچھلے فرقہ نے بہت ہی طرز حکیمانہ اختیار کیا  
 اور رفتہ رفتہ دینداری سے بہت دور پڑ گیا ابتدا میں فلسفہ کی کتابیں مسلمانوں نے  
 خود تصنیف نہیں کیں جو لوگ وسیع انجیال تھے اور مھوں نے اسکی تدریس کی غربت  
 والی لیکن آخر کار اہل سنت نے تشکیل اور معقولیوں پر غلبہ پایا اشعر یوں کے  
 مسلمان نے نہایت رونق پکڑی (اشعر یوں کے عقائد میں صفحات ۱۳۰-۱۳۱ دیکھو)  
 زمانہ اوسط کے فیلسوفوں میں کہ تعبیر اونسے تشکیل میں متاخرین میں البتہ علوم عقلی کی  
 تحریک مدت مدید تک رہی لیکن بارہویں صدی کے اخیر میں تمام دنیا کے مسلمان  
 پھر شنی ہو گئے۔ مصر کا بادشاہ صلاح الدین اور اسکے خلفاء اشعر یوں کے بڑے  
 حامی اور مددگار ہوئے جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں اسی عہد میں صرف ونخوا اور  
 علم بیان اور منطق اور تفسیر و حدیث اور طح طرح طح علوم حکمت پر بڑے بڑے مباحث تصنیف  
 گزرے ہیں لیکن مشہور حکیم اوان وقتوں میں اور اب بھی بیدین تصور کیے جاتے ہیں  
 الکندی شہر بصرہ میں جو خلیج فارس پر واقع ہے پیدا ہوا تھا اور شہر عین

اگر صحیح طور سے لکھا جائے تو فلسفہ عرب نہیں کہنا چاہئے بلکہ فلسفہ اسلام کہنا چاہئے کیونکہ  
 عربوں میں فقط ایک شخص مشہور حکیم یعنی الکندی گذرا ہے ۱۲

وفات پائی یہ شخص زبردست عالم اور دنیا سے من پورا معقول تھا اسطرح ایسے کے منطوق پر  
اسنے شرحین کی ہیں مسئلہ وحدت پر بڑی کتاب لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ  
مسلمانوں کے اصول سے بہت دور جا پڑا ہے۔ آغا بابی دوسرا حلیم جبکہ سرپرست  
عبادی تھے نہ صرف منکر الہام تھا بلکہ مطلق کشف سے اسے انکار تھا اس کے نزدیک  
صحیح الہام وحی القاء محض تھا اور جو لوگ القاء سے معرفت حاصل کرتے تھے وہی  
انبیاء برحق تھے۔ فقط اسی کشف کا یہ شخص معترف ہے۔ اسنے فلسفہ کی تعلیم بغداد میں  
پائی تھی اور وہاں خود بھی ایک مدت تک تعلیم دیتا رہا۔ بعدہ دمشق کو چلا گیا جہاں کہ  
سنہ ۹۵۰ء میں انتقال کیا۔ ابن سینا معروف بہ ابی سینا نسل فارسی سے بڑا حکیم تھا  
لیکن اسکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ باوجودیکہ اس نے وہ کئی مذہبی خیالات و  
کیفہ ماننا تھا پھر بھی لوگ اسے بڑا کہتے تھے

یہ شخص بخارا کے قریب سنہ ۹۵۰ء میں پیدا ہوا تھا چند مدت اصفہان میں  
طب و فلسفہ کی تعلیم دیتا رہا۔

ابن بردجہ اسپین کے سلمان حکیموں میں نہایت نامور تھا۔ مقام ساگو  
میں قریب اختتام گیارہویں صدی کے پیدا ہوا تھا۔ یہ شخص انقرانی کی صوفیانہ تعلیم  
کا نہایت تھا اور یہ دعویٰ کرتا تھا کہ صرف علم نظری سے انسان اپنی اصلیت کے  
صحیح تصور تک پہنچ سکتا ہے۔ سنی عالم کجایہ دعویٰ تھا کہ تمام مسائل فلسفہ دین  
کے حق میں وبال اور جو لوگ درست طریق پر ہیں ان کے لئے ایک مصیبت ہے  
اس شخص پر سخت معترض تھے۔ انقرانی وقت علم میں خراسان میں پیدا ہوئے تھے  
مسلمانوں میں الیات کے بڑے عالم اور شہرہ آفاق تھے انھوں نے تسلطہ  
اختیار کیا تھا۔ چند عرصہ تک بغداد کے دارالتعلیم نظامیہ کے مدیر مجلس بھی رہے

سیر و سیاحت بہت کی اور تمام دیگر ادیان اور فلسفہ پر اسلام کی فضیلت ثابت کرنے کو بہت سی کتابیں لکھیں۔ حکیمون اور بیہیون کی وسیع تعلیم سے ادلہ نتیجہ ہوا کہ دین و فلسفہ کی نسبت حالت ریب و شک میں گرفتار ہو گئے پھر تصوف اختیار کیا اور اسی سے انکی مضطرب طبیعت نے تسکین پائی تصوف پر انکا اثر چند ان قوی نہ تھا البتہ جو لوگ فلسفہ کی نسبت پیدا ہو گئے تھے اسکا نتیجہ ہوا کہ جو لوگ حکمت کے مسائل کو اسلام سے تطبیق دینا چاہتے تھے انکے حق میں زبردست مخالفت ہو گئے اور انکی راؤن کا قرار واقعی استیصال کر دیا۔ انکی کتابیں طبری مؤثر تھیں۔ پچھلی کتاب کے دیباچہ میں انھوں نے ایسے لوگوں کی نسبت لکھا ہے کہ جو لوگ آپ کو بڑا زریک اور فہیم جانکر ادھر و نحوہ کے نشہ میں احکام دین سے دور پڑ کر السامی دین کے عوض چند بڑے آدمیوں کی باتوں پر عمل کرتے ہیں، الخ مگر بعض وجوہ سے ایسا پایا جاتا ہے کہ تن امور پر انھوں نے نقص نکالے اور قباحتیں ثابت کی ہیں اور ان کل امور پر انھیں وحقیقت اعتراض نہ تھا بلکہ جو کچھ انھوں نے لکھا تھا اہل سنت کے غلبہ اور ترجیح دینے کو لکھا تھا۔ اسکے بعد انھوں نے ایک کتاب لکھ کر چند خاص دوستوں میں پھرائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اعتراضات جو قبل اس سے چلنا شروع ہوئے تھے بعد کو انھوں نے اٹھائے۔ الخرض جو کچھ ہو سو ہوا اسکو سب تسلیم کرتے ہیں کہ انکی زبردست دلائل سے مسائل فلسفہ کو ایسا صدمہ عظیم پہونچا کہ شرقی ملکوں میں جہان جہان کہ مسلمان رہتے ہیں پھر کبھی حکمت نے رواج نہیں پایا انھوں نے اصول اسلام کے موافق مسائل فلسفہ کی تردید کا طریق اختیار کیا ہے با این سنئون کے موافق نہیں ہے۔ اسپانیہ میں ایک دانشور حکیم ابن رشید معروف بہ اور ہوس اب تک فلسفہ کا نایاب تھایہ نامی فیلسوف قطبہ میں لکھتا ہے مطابق مشہور مجری میں پیدا ہوا خاندانی شریف

اور عالم اور خورجی جو ہر قابلیت سے ایسا متصف کہ مسلمان حکماء میں اس کا حریف نہ ہو  
 ممتاز ہو گیا۔ اور بلاشبہ علم اسلام میں نہایت خیر علماء سے تھا اور اس طائیس کی  
 تصانیف کا محقق شرح گذرا ہے اور ان تمام علوم سے جو اس وقت مسلمانوں میں شائع  
 تھے نہایت واقف اور نہایت عمدہ مصنف تھا۔ انکی مشہور تصانیف سے ایک وہ  
 کتاب ہے جو امام غزالی کی رد فلاسفہ کی تردید میں لکھی تھی۔ باوصفیکہ ابن بشر کے تھانہ  
 حکیمانہ تھے لوگ انھیں اچھا مسلمان جانتے تھے۔ یہ شخص حکمت کے دقائق کو  
 تحقیق کے اعلیٰ مقاصد سے سمجھا تھا لیکن یہ بھی کہتا تھا کہ ایسے بہت تھوڑے ہیں  
 جنکی تحقیق اور حقائق کی حد تک پہنچی ہے۔ اس واسطے انبیاء کی وساطت سے لوگوں کو  
 درسیان اور معارف انبی اور حقائق قدیمی کی اشاعت کے واسطے الامام کی ضرورت  
 ہوئی جو حکمت (فلسفہ) اور دین دونوں سے یکساں شہرہ ہو سکتے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا  
 کہ سنی احکام ظاہر پر بہت اور باطن پر نہایت کم توجہ کرتے ہیں اور غلط اور  
 نادرست تفسیروں نے ایسی بائیں پیدا کر دی ہیں جو حقیقت دین میں کچھ وجود نہیں رکھتی  
 ہیں۔ مگر باوجود اس اقرار کے اور نیز ظاہری احکام عبادت کی سخت پابندی کی سلاطین  
 سے محفوظ نہیں رہا۔ لوگوں نے یہ تہمت لگائی کہ ان علوم حکمت کی تعلیم و تلقین سے  
 جو دیتا ہے دین بگڑا جاتا ہے۔ اس سبب سے خلیفہ المنصور نے بے عزت کر کے قہر طبع  
 سے بوسینہ کو جلا وطن کر دیا۔ اس دولت کے ساتھ سنونیوں سے اور کلیفین اور ٹھانی پڑی  
 تھیں۔ ایک روز بیمار ہی اپنے بیٹے کے مسجد میں پہنچا لوگوں نے عجز اور سے نکال دیا۔  
 مہاراجہ میں شہر اکوین وفات پائی۔ پس مسلمانوں کے اخیر حکیم نے جو ناموری کے قابل تھا  
 اس دولت سے بسر کی۔ ہسپانیہ میں یونانی حکمت کے پڑھنے کی سخت ممانعت ہو گئی۔  
 اور بہتری عمدہ کتابیں جلا دی گئیں۔ چند مدت بعد اسکے پسین میں مسلمانوں کی حکمت کو زوال

شروع ہو گیا حکمت کی تعلیم کا خاتمہ ہو گیا اور اسلام کی مستحکم قیود نے ترقی کے وسیع مسائل کو محدود کر دیا اسپین اور بغداد میں بنیوں کا زور ہو گیا۔ مسلمان حکماء کے تحقیقات مشکوک سے محض اور مسائل حکمیہ اعتراض سے خالی نہ تھے۔ اور کیوں نہ ہوتا آخر کو مسلمان ہی تھے اور جیسی اونھوں نے عقلی مذہب بنانے میں بلند کوششیں اور سعی بالایطاق کیں ویسے ہی اذن قیود کو جو ان کے نزدیک محدثوں اور فقیہوں نے بڑھادی تھیں توڑنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ کیونکہ گروہ متکلمین کے مانند ان کے پاس بھی نہ کوئی تعلیم تھی جسکی طرف لوگوں کی دعوت کرتے نہ کوئی خوشخبری تھی جس سے انسان ضعیف البیان بنیادوں پر اپنا پیش آنے والی مصیبت کو صبر سے برداشت کرتا۔ دوسرے بڑی وجہ ناکامی کی یہ تھی کہ جس بات کو وہ توڑنا چاہتے تھے وہی اسلام ہے اس واسطے کوئی قدرت بجز اسکے جو روحانی اور باطنی ہوا اسکی بیخ کنی نہیں کر سکتی۔ اور نبی بھی ذی قدرت اور صاحب تصانیف ارسطو کی حکمت کے کمال شائق۔ اور علوم سے علی الخصوص علم طب سے باہر گزرے تھے۔ البتہ فلسفہ میں کچھ اونھوں نے ترقی نہیں کی اور علم کو جس حیثیت پر پایا تھا بیشتر اوس حیثیت پر چھوڑا یونانیوں نے خیالات نے جو کچھ کہا تھا۔ اوسین سے کچھ اونھوں نے محفوظ رکھا۔ سوائی محنت اور کوشش وصول بھی ہوئی۔ پس اسلام بحیثیت مذہبی ایسا حق رکھتا تھا کہ اوس بزرگی کا دعویٰ کرے جو حکماء اسلام نے گمان کیا جاتا ہے کہ اوسے بخشی ہے۔ بانیان اسلام میں کہ تعبیر اونسے عرب ہے فقط ایک ہی حکیم پیدا ہوا تھا۔

اولاً تعلیم کا چرچا بیدین خلفاء کے سبب سے ہوا تھا جنھوں نے یونانی کتابوں کا ترجمہ کرنے کو بغداد میں عیسائی مقرر کئے تھے۔ اور اسپین میں جہانکدہ حکمت نے بڑا رواج پایا تھا۔ عقلمند مسلمانوں نے یہودی عالموں کی محبت سے علوم حکمت کو حاصل کیا۔ مگر وہ ان بھی

جیسا کہ قاعدہ ہے حکماء پر سخت انداز میں اور ذلتیں پہنچتیں۔ اس کے بعد پھر بھی کبھی کبھی علم و دست خلفاء ہوئے۔

لیکن اسلام جیسے مذہب کے قیود نے بڑھنے نہ دیا بارہویں صدی (عیسوی) کے بعد سے مسلمانوں خصوصاً عربوں میں کوئی ایسا حکیم نہیں ہوا جسکی تصنیف انسان کی کچھ وقعت رکھتی ہو۔ اور چار سو برس تک اسلام میں ایسا تنازع رہا جو کبھی نہیں ہوا تھا یعنی کمال کو شش کیجاتی ہے کہ اون باتوں سے جنھیں از روئے عقل تمام دنیا کے آدمی تسلیم کرتے ہیں اسلام کو تطبیق دیجائے اور ترقی کے کچھ اصول اوس میں پیدا کئے جاویں مگر ان سب کو ششوں میں کمال نامکامی ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے اصلاح کی کوئی ایسی تہذیبیں اوس کے اصول کو کچھ بھی دخل ہوگا ضرور ہی رایگانہ مائے گی۔ اسلام کی خود مختار حکومت کو اگر مذہب قوموں کے دائرہ میں داخل ہونا چاہئے تو اسکا استقلال اور استحکام کی امید صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ طرز حکومت میں تغیر کلی اختیار کیا جاوے اور طریقہ حکمرانی بالکل بدل دیا جاوے نری اصلاح سے کچھ کام نہیں چلتا ہے \*

# باب پنجم

## احکام دین کے بیان میں

عقائد کا بیان - جو باب اسبق میں گذرا ایمان سے متعلق تھا اب باقی بیان دین سے متعلق ہے دین کے خاص احکام پانچ ہیں جنہیں ارکان دین (یعنی دین کے ستون) کہتے ہیں وہ یہ ہیں (۱) کلمہ پڑھنا یا مختصراً ایمان کا اقرار کرنا - (۲) صلوٰۃ یعنی پانچون وقت کی نماز - (۳) تیسون روزے رمضان کے - (۴) ذکوۃ - خیرات معین (۵) حج یعنی مکہ کا سفر - یہ پانچون احکام فرض ہیں جو نص ظاہر سے یعنی قرآن کے صریح حکم سے ثابت ہیں - جو ثبوت نص ظاہر سے ہے اس سے دلیل قطعی کہتے ہیں - تمام اقسام نبوت میں بھی نہایت پختہ ہے مگر مقبرہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی احکام ہیں جنکا ادا کرنا ایک مسلمان پر لازم ہے -

ایسے احکام سات ہیں جو قرآن کی اون آیات سے ہیں جنہیں خفی کہتے ہیں - جو دلیل نصوص خفی سے اخذ کیجائے اس سے دلیل باطنی کہتے ہیں اور وہ احکام ہیں - (۱) عمرہ کرنا - سو اسے حج کے (۲) اطاعت والدین کی - (۳) جو روپر شوہر کی اطاعت (۴) روزہ کے بعد خیرات دینی (۵) قربانی کرنی (۶) نماز وتر - وتر کی تشریح آگے کیجائے گی - (۷) اعانت ذوی القرنی کی احکام مندرجہ دفعات (۴) و (۵) اسیر و غیر واجب ہیں اور غریبوں کے واسطے مسخ ہیں اگر کریں تو ثواب پاویں گے اور اگر نہ کریں تو گناہ نہ ہوگا واجب کے بعد سنت کا مرتبہ ہے - اور وہ تین ہیں جنکا کرنا یا تو موافق نبی کے طریق کے ہے یا موافق فطرت کے ہے - یعنی اگلے نبیوں کے طریق ہیں



اور محمد صاحب نے اونکے کرنے کو منع نہیں کیا۔ وہ یہ (۱) ختنہ (۲) حجامت سر اور ہونٹ کے پانوں کی (۳) ناخن کٹوانا۔ ان سنتوں کے سواے اور بھی کام ہیں جنہیں مستحب کہتے ہیں جس کام کو محمد صاحب نے کبھی کیا اور کبھی ترک کیا وہ مستحب ہیں۔ مستحب سے بھی کتر سباحات کام تر ہے۔ سباح وہ کام ہیں جنکا کرنا ضرورت سے زیادہ ہے جنکے کرنے میں ثواب ہے اور ترک سے عذاب کا کچھ بھی اندیشہ نہیں۔

اسکے ساتھ یہ بھی ذکر کرنا چاہئے کہ جو کام اور باتیں نبی بنی آدمین (۱) حرام یعنی وہ کھانے پینے جو قرآن اور احادیث سے ممنوع ہیں۔ (۲) مکروہ اور سے کہتے ہیں جسکی حجت پر کامل یقین نہیں ہے لیکن عموماً اس سے ناپسند جانتے ہیں۔ (۳) مفسدہ ہے جس سے عبادت فاسد ہو جاوے۔ چونکہ یہ الفاظ اصطلاح اب جا بجا واقع ہو گئے اس واسطے انکا وزن نشین کر لینا ضرور ہے۔ آتشید یعنی کلمہ شہادت پڑھنا کلمے متعدد ہیں لیکن مشہور یہ ہے۔ اشهد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہدان محمد عبدہ ورسولہ میں گواہی دیتا ہوں کہ سواے خدا کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اور سکا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد صاحب اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اسی کلمہ کی مختصر صورت یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ سواے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اور محمد اس کے پیغمبر ہیں یہ پچھلا کلمہ نہایت پُر معنی ہے۔ اس میں عجیب قوت و تاثیر ہے۔ اسلام کی روح اور جان اسی کلمہ میں ہے۔ اسلام کے فوجوں کو کوچ کے وقت اسی نے ہر جگہ راہ بتائی ہے۔ بارہ سو برس سے صبح کی ہوا میں اسلام کے مناروں سے اسکی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ یہ کلمہ کروڑوں کروڑوں آدم کی زبان پر ایسا جاری ہے کہ کوئی اور کلمہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسلام کی قوت اور توحید کا اعلان اس جگہ اوس چیز سے نہایت وابستہ معلوم ہوتا ہے جسے مسلمان عالم ایسے نفس حقیقت سے جانتے ہیں جو توحید کے برابر ہے

یعنی محمد صاحب کی رسالت کا اقرار جو ایک مسئلہ کہ جیسے دنیا نور علم و حقیقت سے اول بیان اور عقل سے منور ہوتی جاتی ہے ویسی اوس سے درست ایجاد کی گئی اور تنگی کو کشائش اور اسلام کو متزل ہوتا جاتا ہے۔

۲۔ صلوٰۃ ہے (فارسی میں صلوٰۃ کو نماز کہتے ہیں ہندوستان میں صلوٰۃ کی نسبت نماز زیادہ مروج ہے۔ مگر میں اس بیان میں دونوں لفظ استعمال کروں گا) فقہ کی تمام کتابیں جنہیں ایک ان دین کا بیان ہے۔ ان میں صلوٰۃ کے ساتھ طہارت کے قاعدے لکھے ہوتے ہیں۔ میں بھی اوس ترتیب کی پیروی کروں گا۔ طہارت تین طرح کی ہے (۱) وضو۔ (۲) غسل۔ (۳) تیمم۔

(۱) وضو بھی ایک قسم کی طہارت ہے جو ناپہ پڑھنے سے پہلے کیا جاتا ہے وضو میں چار فرض ہیں (۱) دھونا منہ کا پیشانی کے سرے سے ٹھوڑی تک اور دونوں کانوں تک۔ (۲) دھونا ہاتھوں کا کنبیوں تک (۳) ہاتھوں کو پانی سے تر کرنا چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ (۴) دھونا دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک۔ طہارت کے باب میں نص وارد ہوئی ہے یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاعسلو وجہکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم واطرافکم الی الکعبین۔ (ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھو تو اپنے منہ کو اور ہاتھ کو اور کنبیوں کو دھوؤ اور اپنے سر اور پاؤں ٹخنوں تک مل لو۔ المائدہ۔ ۸) اسنی پاؤں کو دھوتے ہیں لیکن شیعہ بظاہر زیادہ دستی پر ہیں کیونکہ وہ صرف مسح ہی کرتے ہیں۔ وضو کرنے وقت اگر ذرا جگہ بھی خشک رہ جاوے تو کل طہارت بے سود اور نماز باطل ہے۔ مگر وضو میں صرف اسی پر اکتفا نہیں کی جاتی ہے اس کے ساتھ ۴ استنیتیں بھی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں (۱) وضو کی نیت کرنے مثلاً ناپاکی دور کرنے کو وضو کی نیت کرتا ہوں۔ (۲) گتے تک دونوں ہاتھ دھوئے۔ مگر یہ احتیاط ضرور ہے کہ یکایک دونوں ہاتھ کو

پانی میں بالکل نہ ڈبووے بلکہ تین مرتبہ پانی ڈالکر خوب لے۔ (۳) وضو کے شرع میں خدا کے ناموں میں سے کوئی نام لےنا۔ مثلاً شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام خدا کے ایسا خدا کہ تیرے  
 یا خدا کا شکر کرتا ہوں واسطے مذہب اسلام کے (۴) دانت مانجنا (۵) تین دفعہ کلی کرنا (۶)  
 تین بار تھنوں میں پانی ڈالنا۔ (۷) ترتیب وضو کی نگاہ رکھنا (۸) ان کاموں کے درمیان  
 وقفہ نہ کرنا (۹) بدن کو تین بار دھونا (۱۰) ایک ہاتھ کی اوکلیو کے چمین جو جگہ ہواو سے دوسرے ہاتھ  
 کی تراؤکلیو سے خلال کرنا (۱۱) ٹاٹھی کو اوکلیو سے خلال کرنا (۱۲) سارے سر پر پکیہ مسح کرنا۔  
 (۱۳) مسح کے جو مری اوکلیو میں نہجاوے اوس سے کانون کاسح کرنا (۱۴) خلال کرنا یہی اوکلیو کا  
 بائیں ہاتھ کی چٹکلیا سے اس طرح کہ کمالے ہاتھ کی چٹکلیا کو دھین پانپنی چٹکلیا کو اوچھڑ پڑت نوبت نوبت اساکر  
 امام شافعی کے نزدیک احکام مندرجہ دفعات (۱) و (۷) فرض میں اومسح سر کا تین بار  
 چاہئے۔ امام مالک حکم مندرجہ دفعہ (۸) کو فرض جانتے ہیں۔

وضو کرتے وقت خاموش رہنا یا کوئی دعا پڑھنا چاہیے لیکن دعا پڑھنا سنت یا فرض  
 نہیں ہے مستحب ہے۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا بطور نمونہ مندرجہ حاشیہ پر۔

۱۔ وضو سے پہلے یہ پڑھتے ہیں۔ اے اب میں نازک و اسطے تمام نجاست بدنی کے پاک کرنا نیت کرتا ہوں  
 نماز وہ کام ہے کہ اوس سے میری روح خدا تعالیٰ کے تحت سے قرب حاصل کریگی خداے بزرگ و بزرگ  
 نام شروع کرتا ہوں سب تعریف اوسی خدا کو جو جسے اپنے فضل سے مجھے مسلمان بنایا۔ سلام برحق ہوا و کفر باطل  
 ہے اور دانت مانجئے وقت یہ کہتے ہیں ایذا جیسے میں اپنے دانتوں کو صاف کرتا ہوں۔ اس طرح تو مجھے میرے  
 عیبوں سے پاک کر اور میری ناپاکیوں کو قبول فرما اور رب بروز حساب دانتوں کی سفیدی چہرہ کے نور کا باعث ہو تھنوں  
 میں پانی ڈالتے وقت کہتے ہیں ایذا اگر میرا بغل تیری نظر میں پسندیدہ ہو تو بہشت کی خوشبو اوس میرے دماغ کو  
 مسخر کر۔ امین ہاتھ کو دھوتے وقت کہتے ہیں ایذا قیامت کے دن میرے اعمال کی کتاب میں ہاتھ میں دیکھے  
 اور جہم کے ساتھ میرا حساب لیجئے امین ہاتھ دھوتے وقت کہتے ہیں قیامت کے دن میں میرے اعمال  
 کی کتاب کو امین ہاتھ میں نہ دیکھے اسطرح کی دعا میں اور اعضاء کے دھوتے وقت بھی مانگی جاتی ہیں۔

(۲) غسل شرعاً نجاست معینی کے بعد تمام بدن کا دھونا لازم پڑتا ہے اور وہ اس طریق پر ہونا چاہیے  
 غسل کر نیو اے کو چاہیے کہ کپڑے اتار کر وضو کر کر پھر یہ کہے کہ نجاست دور کر نیکیو غسل کر نیو  
 پھر اس طریق سے بدن دھو دے کہ اول دائیں کا اندھی پر تین بار پانی ڈالے۔ پھر بائیں پر تین بار  
 پھر اوتنی ہی مرتبہ سر پر پانی بہا دے غسل میں تین فرض ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا  
 (۳) تمام بدن پر پانی بہانا۔ اگر ایک بال خشک رہ جاوے تو سارا غسل بیکار ہے اور فاسد ہے۔  
 باقی اور جزئیات ثننت یا مستحب ہیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جن سببوں سے طہارت باطل ہو جاتی ہے یا جن صورتوں میں غسل فرض ہوتا ہے انکی  
 تفصیل میں اس جگہ کہ نہیں سکتا ہوں۔ مسلمانوں کی کتب فقہ میں آصفونکو خوب شرح و بسط سے  
 قلمبند کیا ہے اور فقہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے جو مسلمان طالب علم کو اس امر پر مطلع کرے کہ مسلمان  
 کے چلن رویے کس قدر سنت کی محکوم ہیں احادیث نے ذری ذری سی باتوں کو ضروری الاذعان  
 اور واجب الاتثال کر دیا ہے اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں میں صاف باطن اور بزرگ لوگ بھی ہوئے  
 ہیں لیکن ایسا ایک مذہب جس میں نماز کی صحت وضو پر موقوف ہو اور بھی جب تک ترتیب میں پڑو  
 بیکار تصور کیا جائے اس لائق ہے کہ اس سے بجز اسکے کہ لوگ مقید بقیود مقررہ ہوں اور کچھ حاصل  
 نہیں۔ اگر کوئی شخص وضو کرتے وقت دائیں ہاتھ سے پہلے بائیں ہاتھ کو دھو ڈالے یا کلی کرے  
 پہلے ناک میں پانی ڈالے تو اسکی نماز درست نہیں ہوتی جن لوگوں نے آصفون پر مسلمانوں کی  
 کتابیں دیکھی ہیں وہ ان طفلانہ جتنوں کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو ایسی باتوں پر ہوئے جو بظاہر نوا و معل  
 ہیں۔ لیکن اس سبب سے کہ انھیں سنت سے خاص تعلق ہے۔ عالم مسلمانوں نے انھیں بڑا ضروری سمجھا ہے  
 (۳) تیمم یعنی طہارت کرنا۔ جن صورتوں میں جائز ہے وہ یہ ہیں (۱) اُس صورت میں کہ جبکہ پانی ملے نہ  
 ہو وہ ایک کو (۲) قریب و وسیل کے فرق پر ہو۔ (۳) کسی عارضہ کے سبب پانی نقصان کرنا ہو  
 (۴) پانی ایسی جگہ پر ہو جہاں کسی دشمن کا جانور یا کیرے کوڑے کا اندیشہ ہو (۵) نماز عیدین نماز

جنازہ میں نماز کی کوہر ہو گئی ہو اور وضو کا وقت نہ رہا ہو۔ ایام معمولی میں وضو کے عوض تیمم جائز نہی نہیں۔ در طریق یہ ہے کہ اول تیمم کرنے والا کہتا ہے کہ نیت کرتا ہوں میں تیمم کی واسطے دور کرنے پانی کو

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الاعلیٰ العظیم والحمد للہ وعلوین الاسلام۔

اور پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے شیطان راندہ ہوئے سے۔ اور شروع کرتا ہوں ساتھ نام خدا برتر کے اور سب تعریفین دین اسلام میں خدا ہی کو میں۔ پھر ہاتھ کھوکھو لکریا لہو پر مارے اور ان ہاتھوں کو منہ پر ملے۔ اور پھر دونوں ہاتھوں کا گھنٹھون تک مسح کرے اگر ایک بال بھی بغیر مسح کے بجا بیگا تو تیمم نہ ہوگا۔ تیمم میں نیت مسح اور ہاتھوں منہ کا فرض ہے۔ اور اگر تیمم ہمارا ہو یا سفر میں یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہے یا غورتوں سے لگے ہو۔ پھر پانی نہ پاؤ تو زمین پاک کا قصد کرو اور اپنے ہاتھ اور منہ اُس سے ملو۔ (المائدہ ۸)۔

جو پانی طہارت کے واسطے استعمال ہو سکتا ہے اُسکی نسبت بھی مفصل قاعدے مقرر کیے گئے ہیں۔ اتنے قسم کے پانی سے طہارت روا ہے۔ بارش کے سمندر کے چشمہ کے کنوئیں کو۔ بٹ کے پانی سے۔ پالا جب تک کھل نہ جاوے طہارت اُس سے جائز نہیں۔ منہ کے پانی کا ثبوت

قرآن میں موجود ہے۔ و فیزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ و ینذہب عنکم رجز الشیطان۔ اور تمپر آسمان سے پانی اوتا کر اُس سے تمہیں پاک کرے اور شیطان کی نجاست تم سے دور کرے انفال ۱۱ باقی اور اقسام کے پانی کی اجازت احادیث سے ہے۔ اُسکی ایک مثال یہاں پر دیکھائی ہے۔

ایکدن کوئی شخص حضرت کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میں سفر کو جاتا ہوں اور پانی تھوڑا ہے اگر اُس سے وضو کروں تو پیٹھ کو نہیں رہیگا۔ اگر اجازت ہو تو سمندر کا پانی استعمال کروں آپ نے کہا کہ سمندر کا پانی پاک ہے۔ ترمذی کا بیان ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے پانی کی ناپاکی کی نسبت بڑا اختلاف ہے اور ایسا پانی طہارت کے کام کا نہیں ہے۔ اسکی کل تفصیل پڑھنا پڑھینا کو گران ہوگا اسواسطے مختصر یہ کہتا ہوں کہ سینوں میں عموماً یہ دستور ہے کہ اگر بتے پانی میں یا کسی ایسی جگہ میں

ہیٹ مربع سے زیادہ ہو کسی مردہ کی نعش یا کوئی ناپاک چیز گر پڑے تو طہارت اُس سے جائز ہے بشرطیکہ رنگت ہو ورنہ نہ بدلا ہو۔ اسی سبب سے کوئی حوض مسجد کے قریب اس ہاتھ مربع سے کم نہیں ہوتا ہے۔ اسیکودہ وردہ (۱۰ + ۱۰) کہتے ہیں۔

اس سے بڑا بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے بلکہ بالعموم اس سے بڑا ہی ہوتا ہے۔ عمن اکینٹ کے قریب ہونا چاہیے۔ طہارت کر نیوالا ضروری طہارت سے فارغ ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے (مصلوٰۃ لینے نماز۔ اکیلے بھی اور جماعت کے ساتھ بھی) یعنی دونوں طرح نماز ہو سکتی ہے۔ فقط اسبق ضروری نمازی کے کپڑے اور برہن پاک ہو عبادت کی جگہ پر کسی قسم کی نجاست نہ ہو اور قبلہ کی طرف اسکا منہ ہو۔ اور نماز خواہ اکیلے میں ہو یا جماعت کے ساتھ ہو ورنہ اس سے پہلے ضروری بخیر استسقاء کے کہ تیم جائز ہے۔ اگر مسجد میں پڑھی جائے کہ اس میں بہ نسبت اکیلے کے زیادہ ثواب ہے تو اس سے پہلے رازان نماز کی طلی اور اقامت چلیے جس طرح مصلیٰ یعنی نمازی کو کھڑا ہونا اور جو کچھ کہنا چاہیے اسکی نسبت تفصیل ہر ائمتین مسلمانوں کی کتابوں میں موجود ہیں بیان مندرجہ ذیل سے (نہام) یعنی عبادت کا حال معلوم ہوگا۔ مؤذن باواز بلند عربی میں کہتا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر (چار بار) سب سننے والے جواب دیتے ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر پھر مؤذن کہتا ہے۔

شہدان لا الہ الا اللہ۔ واشہدان لا الہ الا اللہ۔ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ سواے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سواے خدا کے کوئی معبود نہیں۔  
سامع اسکے جواب میں کہتا ہے کہ۔

اشہدان لا الہ الا اللہ۔ واشہدان لا الہ الا اللہ۔

مؤذن اشہدان محمد الرسول اللہ۔ واشہدان محمد الرسول اللہ۔ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے رسول ہیں۔

سماع۔ اشہد ان محمد الرسول اللہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے رسول ہیں۔  
 مؤذن۔ حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الصلوٰۃ (دو بار) نماز کو آؤ نماز کو آؤ۔  
 سماع۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اعظم نہ بازگشت گناہ سے نہ طاقت ثواب کی مگر ساتھ  
 مدد اللہ برتر اور بڑے کے۔

مؤذن۔ حی علی الفلاح۔ حی علی الفلاح۔ نیک کام کو آؤ۔ نیک کام کو آؤ۔ (۲ بار)  
 سماع۔ ولقیع مائشار ولا یقیع الذی لا یشار۔ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے  
 وہ نہیں ہوتا ہے فجر کی نماز کی وقت مؤذن کہتا ہے۔ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ نماز نیند سے بہتر ہے جس کو چاہے  
 سماع کہتا ہے۔ تو نے خوب کہا ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر (دو بار) اور اخیر میں لا الہ الا اللہ (سوا کے اللہ  
 کے کوئی معبود دوسرا نہیں) ایک دم کھرا اذان ختم کیجاتی ہے۔ اقامت (جسکے لفظی معنی قائم کرنے  
 کے ہیں) یہی اذان کا اعادہ ہے۔ لیکن حی علی الفلاح کے بعد قدامت الصلوٰۃ اور کہتے ہیں چنگ  
 معنی تھے نماز قائم ہوئی۔ بعد اختتام ان مبادیات کے پھر نماز شروع ہوتی ہے اور وہ اس طرح ہے  
 اول۔ نمازی ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوتا ہے اور آہستہ سے اسطرح نیت باندھتا ہے۔ نیت کرتا ہوں  
 میں خالص خدا کے لیے صدق دل سے فجر کی ریا حبس وقت کی نماز ہوا سو وقت کا نام لے دو اسطرح  
 دو رکعت ریا جتنی رکعتیں ہوں اتنی کہے۔ نماز فرض یا سنت یا نفل کی یا جیسی صورت ہو  
 میرا طرف کعبہ شریفہ کے پھر ہاتھوں کے انگوٹھے بنا گوش پر رکھ کر تکبیر تحریمہ کہتا ہے۔ اور ہاتھوں کی  
 ہتھیلیاں قبلہ کی طرف کورہتی ہیں اور ایک دوسرے سے کسی قدر جدا رہتی ہیں اس حیثیت سے  
 مصلیٰ اللہ اکبر کہتا ہے اور صورت قیام یعنی کھڑے ہونے کی یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی تیلی کو بائیں ہاتھ  
 کی پشت پر رکھ کے انگوٹھے اور چھٹکلیا سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لیتا ہے اور دونوں ہاتھ زین  
 رہتی ہیں اور نگاہ سجدہ کی طرف رہتی ہے۔ پھر شمار پڑھتا ہے اور وہ یہ ہے۔ سبحانک اللہم وبحمدک  
 وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک۔ اے اللہ میں تجھے پاکی کے ساتھ اور تیری تعریف کو ساتھ

یا کرتا ہوں اور تیرا نام بہت خوبصورت ہے اور تیرے سوا اور کوئی نرسکی کو  
 لائق نہیں۔ اسکے بعد تو فرماتے ہیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ میں اللہ کے ساتھ شیطان  
 راندے گئے سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر کہتے ہیں بسم اللہ الرحیم۔ اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے  
 شروع کرتا ہوں اسکے بعد قرآن کی پہلی سورت یعنی فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَلْحَمْدُ

لِلّٰهِ یَوْمَ الدِّیْنِ ایاک نعبد و ایاک نستعین ا ہذا الصراطُ المستقیم صراط الذین انعمت علیہم لا یغضوب  
 علیہم و لا الایضالین۔ سب تعریف اللہ کو ہے جو سارے جہان کا صاحب ہے۔ بہت مہربان اور  
 نہایت رحم والا ہے۔ انصاف کے دن کا مالک ہے۔ تجھی کو ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں  
 ہمیں سیدھی راہ چلا۔ اُنکی راہ چننے تو نے فضل کیا نہ خیر غصہ نہ اور بہکنے والے۔ اسکے بعد غازی  
 کو اختیار چنتی سورت میں چاہے پڑھے مگر خیر آیتیں تو ضرور ہی پڑھنی ہوتی ہیں بالعموم سورہ اخلاص  
 (۱۲ سورہ) پڑھتے ہیں۔ قل ہو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ تو کہہ اللہ  
 ایک ہے اللہ پاک ہے (کہتا پتا نہیں) نہ اُسے کسی کو جنانہ کسی نے اُسکو جنا اور اُسکے برابر کوئی نہیں  
 اسکے بعد کبیر رکوع۔ یعنی اللہ اکبر لکھ رکوع میں جاتا ہے۔ یعنی سر اور بدن نجد کا دیتا ہے اور انگلیوں کو بند  
 کھول کر ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ دیتا ہے۔ اور اسی وقت تسبیح رکوع کرتا ہے۔ سبحان ربی اعظم (کم سے کم تین بار)  
 پاک ہے میرا صاحب بڑی عظمت والا پھر بدن سیدھا کر کے اور کانوں پر ہاتھ دونوں طرف چھوڑ کے  
 تسبیح کہتے ہیں۔ سمع اللہ لمن حمدہ ربنا انک الحمد۔ سنا اللہ نے اُسکو جس نے اُسکی تعریف کی۔ اے ہمارے  
 رب سب تعریف تیرے ہی واسطے ہے۔

(۱) اسکے بعد سجدہ کو جاتے ہوئے اللہ اکبر کبیر سجدہ کہتا ہے۔ اُکلیو نکو جوڑ کر ہاتھوں کو زمین پر ٹکاتا  
 ہے۔ اور پانوں سیدھے رہتے ہیں صرف انگلیاں زمین پر لگی ہوتی ہیں۔ گھنٹیاں اور پیرا  
 ران الگ رہتی ہے اور ران سے ٹانگ بھی نہیں لگنے پاتی ہے۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ نگاہ نیچی  
 رہے۔ اس حیثیت سے اول ناک کو پھر اٹھتے کو زمین پر ٹکاتا ہے اور یہ لحاظ رکھتا ہے کہ ہاتھوں



کے انگوٹھے عین بناگویش سے ملے رہیں۔

(۲) جب یہ سب کر چکنا ہو تو اس وقت تسبیح سجدہ ایسے طرح کرتا ہو۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ پاک ہو صاحب دیر بہت اونچا۔ دم از کم تین بار پھر سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر تکبیر جلسہ کرتا ہو اور دو زانو بیٹھ کر ہاتھ گھٹنوں سے اوپر ذری رکھ لیتا ہو اور تھوڑا توقف کر کے دوسرے سجدہ کو جاتا ہو اور تکبیر تسبیح حسب سابق پڑھتا ہو اور اٹھتے وقت تکبیر (قیام اللہ اکبر) پڑھتا ہے۔ اس وقت ایک رکعت تمام ہوتی ہے۔ دوسری رکعت سورہ فاتحہ سے شروع ہوتی یعنی بعد تکبیر قیام کے پھر اسی جگہ سے مصلے شروع اور جو کچھ پہلی رکعت میں پڑھتا تھا پڑھتا ہو۔ صرف فرق اتنا ہوتا ہو۔ کہ فاتحہ کے بعد قرآن کی وہ آیات نہیں پڑھتا ہو۔ کہ جو پہلی رکعت میں پڑھی تھیں۔ دو رکعت بعد اور اخیر رکعت کے بعد عام اس سے کہ وہ طاق ہو یا جفت مصلے اگر شیعہ ہو یا ان پانوں ٹیک کر اُس پر بیٹھ جاتا ہو اور حسب طرح تکبیر جلسہ میں کیا تھا ہاتھ زانو پر رکھا اور اپنی گود کی جانب نگاہ کر کے التحیات پڑھتا ہو التحیات للہ والصلوٰۃ والطبیات والسلام علیک یا ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والسلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ زبان کی سب بندگیان اور تیر بدن کی اور پاک مال کی سب بندگیان اللہ کو ہیں ایہ نبی تم پر سلام اور خدا کی مہر اور برکتیں ہم پر اور جتنے نیک بندے ہیں سب پر سلام پھر داہنے ہاتھ کی پہلی انگلی اٹھا کر تشہید پڑھتا ہو۔

اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان محمد عبده ورسوله میں اس بات کا گواہ ہوں کہ محمد اسکا بندہ اور اسکا رسول ہے۔ پھر سب رکعتوں کے اخیر میں نمازی درود پڑھتا ہو۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم الھم صل علی محمد وعلی آل محمد پر رحمت خاص بھیج جیسی کہ تو ذراہیم پر بھیجتی تھی۔ تو ہی سراہا گیا اور بزرگی والا ہو۔ اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کا بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم ایک حمید وحمید۔ الھی محمد پر اور آل محمد پر برکت بھیج جیسی کہ تو نے ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر برکت بھیجی تھی۔ اسکے بعد دعا پڑھی جاتی ہے نمازی کو اختیار ہو کہ اپنی طرف سے کوئی دعا پڑھے اگرچہ معمول

اس عا کے پڑھنے کا ہونا اتنا فی الدنیا حسنة فی الآخرة خستہ و قنا عذاب النار ای ہمارے رب تعالیٰ  
 دنیا و آخرت کی برکتیں لے اور عذاب و نزع سے بچا۔ پھر داہنی طرف کو منہ پھیر کر صلیے لکھا ہے۔  
 السلام علیکم ورحمة اللہ تمیز خدا کی رحمت اور سلام پھر بائیں طرف منہ پھیر کر لکھا ہے السلام علیکم ورحمة اللہ  
 تمیز خدا کی رحمت اور سلام سب نماز ہو چکی ہے تو نمازی کندھوں کے برابر ہاتھ اوپنے تھمیلیاں  
 آسمان کی طرف کو یا اپنے منہ کی طرف کو کر کے عربی میں یا اپنی زبان میں عا مانگتا ہے۔ پھر ہاتھ منہ  
 پر پھیرتا ہے گویا کہ ان برکتوں کو جو آسمان سے پائی ہیں ہر فرد و بدن پر ہو چکا ہے۔ نماز کے اوقات  
 میں پانچ ہیں جبکا ثبوت قرآن کی اس آیت سے ہے۔ سو پاک اللہ کی یاد ہے جب شام کو رات اور  
 صبح کو رات اور اسکی خوبی آسمان و زمین پر اور پچھلے وقت (عشی) اور جب دوپہر ہو (سورہ روم ۱۸)  
 مفہم کہتے ہیں کہ مسامین وقت غروب اور بعد غروب یعنی صلوٰۃ المغرب اور صلوٰۃ العشاء دونوں  
 داخل ہیں۔ ذیل کی آیات میں نماز کے معنی وقت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اور کھڑے ہو کر نماز دونوں  
 سرے دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے (سورہ ہود ۱۱۶) روزرہ کی نماز دن میں فرض سنت وتر  
 نفل۔ کئی قسمیں ہیں۔ نماز فرض وہ ہے جسے خدا نے مقرر کیا ہے۔ مثلاً نماز کے پانچوں معنی وقت  
 کہ خدا نے مقرر کیے ہیں۔ سنت ان مخصوص رکعتوں کو کہتے ہیں کہ بغیر صاحب پر طحا کرتے تھے۔  
 وتر اور دن طاق رکعتوں کو کہتے ہیں خواہ وہ تین ہوں یا پانچ سات جو عشا کے اخیر نماز میں اور فجر کے  
 قبل پڑھ سکتے ہیں لیکن معمول یہ ہے کہ نماز عشا میں تین وتر پڑھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک  
 وتر واجب ہیں یعنی خدا نے انکے پڑھنے کو حکم کیا ہے۔ قرآن کی کسی آیت سے اسکی سند نہیں ملتی۔  
 لیکن احادیث سے کہ ہر واحد انعمین کی حدیث صحیح تصور کی جاتی ہے۔ ثابت ہے اسی سبب سے رکعت  
 وتر کو حکم الہی جانتے ہیں۔ مگر امام شافعی کے نزدیک تر سنت ہے۔ لفظ سنت کی تفسیر قبل ازین ہو چکی  
 ہے۔ اور مضمون احادیث و تراویہ ہے کہ خدا نے تمہاری نماز کے ساتھ ایک اور نماز پڑھا دی ہے اور وہ  
 تر صلوٰۃ العشاء اور فجر کے درمیان اسے پڑھو۔ محدث بزور سے روایت ہے کہ نبی نے کہا کہ وتر مسلمان

پر واجب ہو اور تاکید ایہ کہا کہ وتر حق ہے جو کوئی اُسے نہ ملے میرا پر وہ نہیں۔ بنی امیہ تابعین اور تبع تابعین سب وتر پڑھتے تھے۔ وتر کے لفظی معنی عدد طاق کے ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ خدا طاق ہے۔ وہ طاق کو پسند کرتا ہے۔ اور وتر یحب لوتر مسلمان وتر کی بڑی تعظیم کرتے ہیں کسی کام کا یا سفر کا آغاز ایسے دن بخوس ہے جس کی تاریخ جفت ہو طاق نہ ہو صفحہ کتاب میں سطروں کی تعداد اگر طاق ہوگی نماز نفل اختیار ہی ہو اسکا پڑھنا مستحب ہے ثواب ہے لیکن خدا کی طرف سے اسکا تعین نہیں ہے۔

یہ ضرور سمجھ لیں کہ سب نمازین فرض ہوں یا سنت یا نفل ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں صرف تعداد رکعات کا تعین ہوتا ہے جسکی ایک پوری مثال قبل ازیں دیکھا ہوں۔

جو مسلمان ہر روز پانچوں وقت کی نماز میں پوری رکعتیں ادا کرتا ہو میں بیان کر چکا ہوں کہ اُسے ایک دن میں پچاس دفعہ وہی نماز پڑھنی پڑتی ہے جس سے کل میزان ۵۰ رکعتیں ہوتی ہیں مگر یہ معمول ہے کہ چند رکعات سنت ترک بھی کرتے ہیں تیسرے بھی تکرار نہایت کثیر ہے۔ اور چونکہ کل نماز عربی میں پڑھی جاتی ہے اس سبب سے ایک تماشاسا معلوم ہوتا ہے۔

ایک مسلمان نے بڑی جہت سے یہ کہا کہ نماز (۱) ہندوستانی میں پڑھنی چاہیے اسپر تمام نمازیوں نے ۱۳ فروری ۱۹۷۷ء کو جمعہ کے دن مدراس کی مسجد سے نکال دیا۔ جن سنتوں کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔ انھیں سنت غیر موکہہ کہتے ہیں جو سنتیں فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں وہ موکہہ ہیں اور انکے پڑھنے کی تاکید آئی ہے۔

مزید بریں چند اقسام نماز کے اور بھی ہیں جو مختلف اوقات اور خاص صورتوں میں پڑھتے ہیں (۱) صلوٰۃ الحجۃ۔ یعنی جمعہ کی نماز فرض ہے۔ قرآن اور سنت اور اجماع تینوں نے اسکا حکم ہے۔ خلاً اسی ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو اللہ کی یاد کو دوڑو اور دنیا چھوڑو (جمعہ ۶۷) بنی نے بھی کہا ہے کہ جمعہ فرض ہے۔ جو کوئی جمعہ کی (۲) نماز قضا کرے گا خدا اُسکے دل پر مہر کر دیگا۔ (نور الہدایہ صفحہ ۵۱۵) مگر آٹھ قسم کے لوگ ہیں جو نماز کی تکلیف سے بڑی ہیں یعنی مسافر

مریض - غلام - عورت - نابالغ - مجنون - نابینا - پاچ - شرائط فرضیت ناجمہ کے مین

(۱) جسگہ نماز جمعہ کی ادا کی جائے وہ کوئی ایسا قصبہ ہو جہاں قاضی رہتا ہو۔

(۲) اوس قصبہ میں کوئی حاکم یا نائب اوسکا ضرور رہتا ہو۔

(۳) نماز جمعہ نماز نم کے عوض میں ہو کہ اوس سے ملتی ہے بجز اسکے کہ اس میں چار فرض کی جگہ بڑھ چکے جاتے ہیں نفلیں نہیں پڑھتے ہیں۔ چار سنتیں فرض سے پہلے اور دو اسکے بعد پڑھتے ہیں۔

(۴) ایک خطبہ یا بموجب مقتدین امام شافعی کے دو خطبے پڑھے جاتے ہیں چار سنتوں کے بعد اور دو فرض سے اول امام خطبہ پڑھتا ہے جس میں خدا کی تعریف اور احکام نیک کا ذکر ہوتا ہے۔

(۵) جماعت میں سوائے امام کے کم از کم تین آدمی ہونے ضرور ہیں شافعیوں کے نزدیک چالیس سے کم نہ ہوں۔

(۶) اذان یعنی نماز کی طلبی بغیر امتیاز مرتبہ کے سب مسلمانوں کے واسطے ہے۔ جو شخص اور نمازوں میں امامت کر سکتا ہے وہ یہ بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

امام اور خطیب بالعموم ایک ہی ہوتا ہے اگرچہ لازم نہیں ہے کہ ایسا ہی ہو خطبے طویل نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ محمد صاحب نے کہا کہ یہ اخیر زمانہ کے ضعف کی علامت ہے کہ خطبے طویل ہوں اور دعائیں مختصر ہوں۔ جب دو خطبے پڑھتے ہوتے ہیں تو امام دوسرا خطبہ شروع کر نیسے پہلے ذرا وقفہ کرتا ہے اسوقت نماز کو اختیار ہے کہ کچھ دعا مانگیں۔ مگر بعضوں کے نزدیک بدعت ہے اور بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ محدثین بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی کے نزدیک جمعہ کے دن کپڑے بدلنا مستحب ہے خطیب ممبر کی دوسری سیڑھی پر کھڑے ہو کر اور ایک بڑا ڈھلایا عصا ہاتھ میں لیکر یہ خطبہ پڑھتا ہے۔ (جن ملکوں میں مسلمانوں کی عمارتیں ہیں وہاں لکڑی کی تلوار خطیب کے ہاتھ میں ہوتی ہے) خطبوں کا نمونہ مندرجہ ذیل ہے +

## فضائل جمعہ کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم شروع کرتا ہوں ساتھ نام حملن و رحیم کے سب تعریف خدا کر  
جو بادشاہ اور پاک اور بڑا عالم ہے۔ اوستے اسلام کی برکت سے ہمارے دل کھول دیئے  
ہیں اوستے جمعہ کو سب دنوں پر فضیلت دی ہے ہم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے  
اور کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے کوئی اوستا شریک نہیں۔ جو لوگ ایسا اقرار  
کرتے ہیں وہ خوف و ظلمت سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ سید ہمارے  
محمد صاحب اوستے سندے اور رسول ہیں جو تمام نبی آدم کے واسطے مبعوث ہوئے ہیں  
خدا کی رحمت اور سلام اوپر اور انکی اولاد پر اور انکے اصحاب پر جو۔ اے لوگو۔

اے خدا کے ایمان لائے والوں میں تمہیں اور۔ اپنے نفس کو اس طرح نصیحت دیتا ہوں  
کہ خدا کی اطاعت کرو۔ اور اے خدا کے بندوں یہ جانو کہ جب جمعہ شروع ہوتا ہے تو  
فرشتے جو تھے آسمان پر جمع ہوتے ہیں۔ جنہیں جبریل علیہ السلام موزون اور میکائیل  
خطیب اور اسرافیل امام اور عزرائیل کبریٰ یعنی تکبیر کہنے والے (اللہ اکبر خدا بڑا ہے)  
اور باقی اور فرشتے شریک جماعت ہوتے ہیں جب نماز ہو چکی ہے تو جبریل کہتے ہیں  
موزون ہونے کی حیثیت سے مذہب اسلام کے سب موزون کو اپنا ثواب دیتا ہوں۔  
اور میکائیل کہتے ہیں کہ میں اپنا ثواب خطیبوں کو دیتا ہوں۔ اسرافیل کہتے ہیں کہ میں اپنا  
اماموں کو دیتا ہوں۔ عزرائیل کہتے ہیں کہ میں مکبروں کو دیتا ہوں۔ اور فرشتے کہتے  
ہیں کہ ہم اپنا ثواب مسلمانوں کی جماعت کو دیتے ہیں۔

میں نے کہا کہ جمعہ کی رات اور دن ۲۴ گھنٹہ رہتا ہے۔ اور ہر گھنٹہ میں خدا کے توالے  
ایک ہزار جانیں دوزخ سے چھوڑتا ہے جو کوئی جمعہ کے دن عمل کرے خدا اسے عوض

ہر سوے بدن کی دس نیکوئیاں کا ثواب دیکھا۔ جو شخص کہ جمعہ کے دن اتقال کرے خدا اُسے ایک شہید کا ثواب دیتا ہے۔ بلاشبہ عمدہ اور فصیح ترین کلاموں کا قرآن شریف کلام خدا کے ملک الغریب العالم ہے۔ اس کلام برحق اور درست ہے جب تو قرآن پڑھے تو یہ کہہ کر اسے خدا مجھے شیطان ملعون سے محفوظ رکھو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خدا کے رحمن اور رحیم کو نام ہو شروع کرتا ہوں۔ اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو دنیا چھوڑ کر اللہ کی یاد کو دوڑو۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اور تم کو سمجھ ہے۔ پھر جب نماز تمام ہو چکے تو زمین میں پھیل پڑو اور اللہ کا فضل و جود اللہ کی بہت یاد کرو تا کہ تمھارا بھلا ہو۔ اور جب سو اہمیتا یا کچھ تماشا دیکھتے ہیں تو تجھے کھڑا چھوڑ کر اس کی طرف چلے جاتے ہیں۔ جو اللہ کے پاس ہے سہ تماشا اور سوداگری سے بہتر ہے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔

(سورہ ۵ جمعہ ۹۲ و ۹۱ و ۹۰) خدا تعالیٰ قرآن شریف کے وسیلہ سے ہمیں اور تعین برکت اور اس کی نشانیوں سے اور ہدایت سر زمین اور تمھیں بدلا دیکھا۔ خدا قادر مطلق اور بخشنے والا اور مہربان اور قدیم اور پاک رحمت والا ہے۔

یہاں پر پہلا خطبہ ختم ہوا تھا تو آتھ کر کے خلیفہ دوسرا خطبہ شروع کرتا ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام رحمن اور رحیم کے۔ سب تعریف خدا کو ہے جو زمین اور آسمان کا خالق اور نورا و تاریکی کا بنیو والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اے مومنوں یقین جانو کہ یہ اقرار تمھیں تکلیف اور مصیبت سے بچا دیکھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صاحب جو کفر اور ضلالت کے مٹانے والے ہیں اللہ کے رسول اور بندے۔ ہمارے پیغمبر محمد پر خدا رب الخلق کی رحمت ہو

اور انکی اولاد پر انکے اصحاب پر اوسکا فضل و کرم ہو۔ اے خدا کے بند کھیں اور اپنے نفس کو نصیحت دیتا ہوں کہ خدا کی بندگی کرو اور اوس سے ڈرو جسے زندگی اور موت کو پیدا کیا ہے اور جو ہمارے نیک کاموں کو خوب پہچانتا ہے۔ اے خدا ابو بکر صدیق یا زینماز سے اور امیر المؤمنین بیٹے عمر خطاب سے اور عثمان ذی النورین سے جنھوں نے قرآن مجید پڑھتے وقت شہادت پائی اور کافر گنہگاروں کے غارت کر نوالے علی مرتضیٰ سے تو راضی رہ۔ اے خدا بڑے اماموں حسن اور حسین سے راضی رہو۔ اور انکی مان فاطمہ زہرہ سے جو عورتوں میں خاص ہیں اور پیغمبر کے چچون حمزہ اور عباس سے اور سب اصحاب سے راضی رہ۔ اے خدا جو محمد کے دین کی مدد کرتے ہیں تو انکی مدد کیجیو اور مجکوا و نھیں کے گروہ میں شامل کیجیو۔ اور اوستے بگاڑتے ہیں تو انھیں تو بگاڑو اور بہمن اولے تو علحدہ رکھو۔ اے ایمان والو درحقیقت خدا حکم کرتا ہے کہ اپنی رشتہ داروں کے درمیان عدل کرو اور محبت سے پیش آؤ اور منع کرتا ہے کفر اور منکر سے اور نصیحت دیتا ہے تمھیں۔ خدا سب سے اعلیٰ اور اولے اور بزرگ اور بڑا ہے۔

جس مجموعہ خطب سے خطبات مذکورہ صدر کا ترجمہ کیا ہے اوسمیں اور بھی متعدد خطب ہیں جنمیں نماز کا اور قیامت کا اور ترک دنیا کا اور عید اور ایام صیام کا ذکر ہے وغیرہ۔ مگر سب خطبوں کا طرز یکساں ہے۔ شروع کی اور اخیر کی عبارت سب میں یکساں ہے۔ البتہ ہر خطبہ کے پیچ میں چند مخصوص جملے ہوتے ہیں۔ سب خطبوں میں دوسرا خطبہ ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ دستور ہے کہ دوسرے خطبہ میں اوس مغفرت اور برکت کا ذکر ہوتا ہے جو اشخاص معین کے واسطے طلب کی جاتی ہے۔ دو نوں خطبے عربی میں پڑھتے ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں دستور ہے کہ خطبہ پڑھنے سے مراد کسی مسئلہ کی تشریح ہوتی ہے۔ سو یہ بات خطبہ سے مقصود نہیں ہے۔ مسلمانوں کے

یہاں یہ نہیں ہے۔ کہ مسجد میں نماز کے ساتھ آیات قرآن کے معانی و مطلب بھی بیان کیے جاویں۔

لیکن ایسا ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں یا کسی مناسب جگہ پر لوگ جمع ہوں یا ملا یا کوئی عالم جس کا جی چاہے بطریق و عطا کو نیکو سنتا ہے۔

(۲) صلوٰۃ المسافر۔ جو سفر میں پڑھتے ہیں جو کوئی تین دن یا رات کا سفر کرے اور اسے اصطلاح شرعی میں مسافر کہتے ہیں (نور الہدایہ ۱۵۸) اور منزل کا حساب سطح نکالتے ہیں کہ ایام سفر میں جتنی دور وڑاٹ ایک دن میں چل سکتا ہے وہ ایک منزل ہے۔ اگر کوئی مسافر کسی جگہ پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرتا ہو تو اسے پوری نماز پڑھنا چاہیے اور اگر اس پر کوئی شک ہو یا سفر میں ہے تو اختیار ہے کہ اختصار کرے۔ ایسی صورت میں صرف دو رکعت فرض پڑھنا چاہیے۔ سنت اور نقل ترک چاہے کرے۔ لیکن تین وتر صلوٰۃ العشاء میں پڑھنے واجب ہیں۔ اگر کوئی مسافر کسی جگہ بمقابل موجودین کے امامت کے لائق متصور ہو تو وہ بوجہ سفر کے صرف دو رکعت پڑھے گا اور مقتدا کے باقی رکعتوں کو پوری کر لینے۔ لیکن جس جگہ کہ امام مقرر ہے اگر مسافر اس کا اقتدار کرے تو امام سب رکعتیں پڑھے گا اور اس مسافر کو بھی اس کے پیچھے پڑھنے پڑینگے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مقتدا کو امام سے نماز کم نہیں پڑھنی چاہیے۔

(۳) صلوٰۃ الخوف۔ نماز خوف یہ نماز جنگ کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ جب غنیم کے نزدیک آہو نچنے سے خطر عظیم ہو تو ایام کو چاہئے کہ کل فوج کو دو گروہوں پر منقسم کرے ایک گروہ کا رخ دشمن کی جانب کو ہو اور دوسرا نماز میں مصروف ہو۔ اگر گروہ پر ہو تو ایک رکعت اور اگر مقامی ہو تو دو رکعت پڑھے۔ پھر یہ گروہ دشمن کی جانب رخ کرے اور دوسرا اگر وہ اگر باقی رکعتوں کو تمام کرے۔ سلام فقط امام ہی کہتا ہے (صفحہ ۱۹۷ بھی)



فوج کا اول حصہ قوت نہیں کرتا یعنی سورہ فاتحہ کے بعد جو ایت پڑھی جاتی ہیں نہیں پڑھتا ہے۔ (صفحہ ۹۵ دیکھو) دوسرا گروہ اگر جو کچھ پہلے نے چھوڑ دیا ہے اسے پورا کر لیتا ہے۔ اگر دشمن ایسا قریب ہو کہ سوار کو گھوڑے سے اترنے کی جرات نہ تو ہتھوں میں اپنی نماز علیحدہ پڑھے اور رکوع و سجدہ اشارہ دے کرے۔

اگر وہ ایسی حالت میں ہو کہ قبلہ کی طرف رخ نہیں کر سکا۔ تو جائز ہے کہ جو سمت بنا معلوم ہو اور صرف منہ کرے۔ اثناء نماز میں ہرگز جنگ نہ کرے نہ گھوڑے کی حرکت دے تاکہ نماز ایگانہ بنجائے۔ اور جب تم ملک میں سفر کرو تو تمپر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سجدہ اگر تمکو ڈر ہو کہ کانفرنس میں سناؤ گئے البتہ کا فر تمہارے صریح دشمن ہیں۔ اور جب اسے رسول تو اذین میں ہو پھر اون کو نماز میں کھڑا کرے تو چاہئے کہ ایک جماعت اونکی تیرے ساتھ کھڑی ہو اور ساتھ لیوین اپنے ہتھیار۔ پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جاؤ یا اور دوسری جماعت آوے جسے نماز نہیں کی ہے وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ (سورہ نسا ۱۰۲ و ۱۰۳)

(۴) صلوٰۃ التراويح۔ ہر شب کو ماہ رمضان میں دو دفعہ رکعت کر کے بیس رکعتیں پڑھی جاتی۔ عشا کی نماز کے وقت سنت اور فرض کے بعد اور وتر سے پہلے نماز تراویح پڑھتے ہیں۔ نماز تراویح بھی داخل سنت ہے اسکا رواج خلیفہ عمر کے وقت سے ہے۔ محدث عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ رمضان میں ایک شب میں مسجد کو عمر کے ساتھ گیا۔ ہم نے دیکھا کہ بعض شخص اکیلے نماز پڑھ رہے ہیں اور بعض جماعت کے ساتھ بقرت پڑھ رہے ہیں۔ عمر نے کہا کہ اگر میں سب کو جمع کر دوں تا آنکہ وہ سب ایک امام کے پیچھے ہیں تو اچھا ہوگا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور دوسری رات کو جو لوگ علیحدہ پڑھتے تھے اکثر آئے اور جماعت کی تو عمر نے کہا کہ یہ بدعت حسنہ ہے پس بدعت کے

جاری کرنے کو یہ اچھی سند ہے۔ کیونکہ نبی نے فرمایا کہ تم میری سنت کی اور خلفاء راشدین کی پیروی کرو۔ ایک حدیث صحیح بھی اس مضمون کی ہے کہ خدائے رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور قیام سنت ہے (۱)

نبی کو تردید ہو کہ مبادا نماز تراویح فرض ہو جاوے اس واسطے آپ نے دو رات پیچ جا کے تیسری رات وقفہ کیا۔ اور یہ فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر ہر رات جایا کروں تو لوگ شاید فرض سمجھیں (نور الہدایہ ۱۴ ص ۱۸۱) تعداد رکعات کی میں ہے۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ عمر اسی قدر رکعتیں پڑھتے تھے۔ شیعہ نماز تراویح مطلق نہیں پڑھتے ہیں نہ ایسے معاون پر کبھی سجدہ میں جاتے ہیں۔ کیونکہ ہر چار رکعت کے بعد تسبیح میں چاروں خلیفوں کی تعریف پڑھی جاتی ہے۔ جن میں سے تین کے ساتھ شیعوں کو قطعی عداوت ہے (۵) صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ الخسوف۔ جو نماز سورج یا چاند گمن ہوتے وقت پڑھی جاتی حالت کسوف میں ایام جماعت کے ساتھ مسجد میں دو رکعت پڑھتا ہے اذان اور اقامت نہیں ہوتی ہے نہ کوئی خطبہ پڑھا جاتا ہے ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے ہیں مگر شیعہ دو رکوع پڑھتے ہیں بعد اتمام رکعات کے تا اختتام کسوف موجود ہیں پھر بدعا رہتے ہیں۔ نماز خسوف بھی بخیر اتنے فرق کے کہ جماعت کی قید نہیں ہر مسلمان تنہائی میں اپنے گھر پر پڑھ سکتا ہے یہ دستور نبی کی حدیث کے موافق ہے کہ جب تم گمن دیکھو تو خدا کی یاد کرو اور دعا مانگو اور نماز پڑھو تاکہ پھر روشنی ہو جاوے (۶) صلوٰۃ الاستسقاء خشکی کے وقت کی نماز۔ جب پانی نہ برے تو ہر شخص کو چاہئے کہ قبلہ ہو کر خدا سے دعا مانگے۔ نماز استسقاء گھر پر اکیلے میں بھی ہو سکتی ہے۔ یہ خلیل ضرور چاہئے کہ کوئی ذمی اور سوقت موجود نہ ہو۔ سبب اسکا یہ ہے کہ نماز واسطے برکت کے ہے اور خدا ایسا ہی کی برکت ایسے وقت میں کہ کوئی غوی بھی شریک جماعت

ہونین نازل ہوتی ہے۔ صلوٰۃ الاستسقا کوئی نماز نہیں ہے دعا ہے اور کوئی مقبرہ  
حدیث بھی اس باب میں نہیں آئی ہے کہ نبی نے ایسے موقع پر کبھی نماز پڑھی۔ البتہ  
باب میں بہت حدیثیں ہیں کہ آپ دعا کیا کرتے تھے یہ ایک اچھی نظیر اس امر کی ہے  
کہ لفظ صلوٰۃ مشترک المعنی ہے یعنی متعدد معنی رکھتا ہے۔ اسکے معمولی معنی نماز کو کہیں اور  
سیما بمعنی دعا کے ہے۔

(۷) صلوٰۃ الجنائزہ۔ جنازہ کی نماز۔ جب کوئی شخص قریب المرگ ہوتا تو جو لوگ  
اوسوقت موجود ہوتے ہیں وہ اوسکے دائیں جانب اور منحنی قبلہ کی طرف پھیر دیتے  
ہیں۔ اوسوقت مرنے والے کو کلمہ شہادت پڑھنا چاہئے۔ میں شہادت دیتا ہوں  
کہ خدا ایک ہے اور کوئی اوسکا شریک نہیں اور یہ تحقیق محمد اوسکے بندے اور  
رسول ہیں۔ بعد انتقال کو انش کو لکھ کر خوشبو جلاتے ہیں اور کفن کو طاق مرتبہ معطر کرتے  
ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ عدد طاق اسلئے مقرر ہوا ہے کہ جو عدد وحدت کی طاق  
اشارہ کرتا ہے وہ طاق ہے جفت نہیں اول مردہ کا وضو کرتے ہیں۔ پانی میں  
پھول ڈالکر جو شش دیتے ہیں اوس پانی سے مردہ کا سر اور داڑھی دھوتے ہیں۔  
پھر غسل کیا جاتا ہے جو اعضا بدن سجدہ میں کام دیتے ہیں یعنی پیشانی اور ناک  
اور ہاتھ اور گھٹنے اور پیر کو کافور سے ملتے ہیں۔

جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے یعنی اگر جماعت کے چند آدمی بھی اوسے پڑھیں  
سب کے ذمہ سے اور ترجاتی ہے۔ اس نماز کے فرض ہونے کے ثبوت میں  
قرآن کی یہ آیت نقل کی جاتی ہے۔ (سورہ توبہ ۱۰۴) اونکے مال میں سے زکوٰۃ لے کہ  
اونکو اس سے پاک کرے اور تربیت اور دعا اونکو دے البتہ اونکے واسطے اسوہ  
ہے اور اللہ سب سننا جانتا ہے۔ اور اس امر کا ثبوت ایک حدیث سے ہے کہ جناب

کی نماز فرض عین نہیں ہے۔ (جسکا ادا کرنا سب پر فرض ہو) بلکہ فرض کفایہ ہے۔  
 نبی نے ایک دفعہ کسی مسلمان موتے کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھی۔ پس اگر یہ نماز فرض ہو  
 تو نبی بھی ترک نہ کرتے۔ یہی طریق سے حقیقت اس فرض کی جسکا ذکر قرآن کی آیت مذکورہ  
 میں ہے۔ قرار پائی ہے۔ جنازہ کی نماز مردہ کے سامنے کھلے میدان میں مسجد کے  
 آگے یا کسی اور قریب جگہ میں پڑھتے ہیں جب سب جمع ہو جاتے ہیں تو امام یا پیشوا  
 یہ کتا ہے شروع کرتا ہوں میں نماز اس جنازہ کی۔ سب جماعت صفت باندھ کر  
 اور قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوتے۔ امام ذری آگے کو اگر میت مرد ہے تو سر کے برابر اور  
 اگر عورت تو سینہ کی برابر کھڑا ہوتا ہے اور سب کھڑے ہو کر اس طرح نیت کرتے ہیں۔  
 پڑھتا ہوں میں نماز واسطے اللہ کے اور دعا واسطے اس میت کے پیچھے اس امام کے  
 (پھر پہلی تکبیر پھر دھونکونا گوش پر رکھ کر کہتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ اللہ  
 سے بڑا ہے۔ پھر تہنہ پڑھتے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۹۵) سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک  
 وتعالیٰ جدک وجل ثناؤک ولا الہ غیرک۔ پھر دوسری تکبیر کہتے ہیں اللہ اکبر خدا سب سے  
 بڑا ہے۔ پھر درود ابراہیم پڑھتے ہیں۔ اے اللہ رحمت بھیج محمد پر اور انکی اولاد پر جیسا  
 کہ تو نے ابراہیم پر اور انکی اولاد پر رحمت اور امن اور برکت بھیجی اور تمہارے رحم کیا۔ تو ہی  
 سراہا گیا اور برگزگ ہے۔ اللہم ہقل علی محمد وعلی آل محمد کما صلبت علی ابراہیم وعلی  
 آل ابراہیم ایک حمیدہ مجیدہ اللہم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم  
 ایک حمیدہ مجیدہ۔

پھر تیسری یا چھٹی کسی اللہ اکبر۔ اللہ سب سے بڑا ہے پھر یہ دعا پڑھی اے اللہ بہار  
 زندوں کو اور مردوں کو اور انکو جو غائب ہیں اور چھوٹوں اور بڑوں کو اور مرد کو اور  
 عورت کو بخشدے۔ اور خدا ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے اسلام پر قائم رکھو۔ اور

جسے تو مارے اسے ایمان کے ساتھ اٹھائیو۔ اور جو میت لو کا یا مجنون ہے توبہ دعا  
 پڑھتے ہیں۔ اسے خدا تو اسے ہماری ہدایت اور کینہ کے اجر کا ذریعہ گردان ا و ۔  
 ہمارے واسطے شفاعت کرنے والا اور شفاعت پانے والا کر دے۔ اور جو میت  
 لڑکی ہے توبہ دعا پڑھتے ہیں۔ اللہم جہلمانا فرطاً واجلمانا اجراً و ذرّاً و اجلمانا شفاً  
 و شفقتاً۔ معنی اسکے بھی وہی ہیں صرف ضمیر کا فرق ہے۔ اسکے بعد جو قوی تکبیر ہوتی ہو۔  
 اللہ اکبر۔ خدا سب سے بڑا ہے پھر سب سے بڑے ہیں۔ رَبَّنَا اِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ  
 فِي الْآخِرَةِ وَنَا عَذَابُ الْقَبْرِ وَعَذَابُ النَّارِ۔

اے خدا دنیا اور عقبی میں ہمیں نیکی کی توفیق دے اور اپنی رحمت سے عذاب قبرا و ۔  
 و دوزخ سے بچا۔ پھر ہر شخص حسب دستور اور نمازون کے باہر سلام دیتا ہے۔ امام  
 کی نیت سلام کے وقت یہ ہوتی ہے کہ دونوں نگہبان فرشتوں اور سب مقتدیوں کو  
 سلام پہنچے۔ اور ہر مقتدی یہ نیت کرتا ہے کہ میرے نگہبان فرشتوں کو اور نماز  
 کے ساتھیوں کو اور امام کو سلام پہنچے۔ پس اب نماز ختم ہوئی اسکے بعد لوگ دوسری  
 دعا پڑھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ اے ہمارے رب دل نہ پھیر ہمارے جب ہم کو ہدایت  
 دیچکا اور ہمارے مہربانی دے بیشک توبی ہے سب دینے والا۔ ایخدا  
 تو اوسکا مالک ہے۔ تو نے اسے پیدا کیا اور تو نے اسے پالا اور توبی نے  
 اسلام کی طرف اسکی ہدایت کی اور توبی اوسکی جان لینے والا ہے اور طاہر اور  
 باطن اوسکا تو ہی خوب جانتا ہے۔ اے خدا تو ہمارے واسطے شفیع مقرر کر اور اسے  
 بخش دے کیونکہ تو غفور الرحیم ہے۔ پھر غش کے سر پر جا کر یہ پڑھتے ہیں۔ اس کتاب  
 میں کچھ شک نہیں۔ راہ بتاتی ہے ڈر والوں کو جو یقین کرتے ہیں بن دیکھے۔ اور  
 درست کرتے ہیں نماز اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں (خدا کی راہ میں) اور جو یقین

کرتے ہیں جو کچھ اقرار تھجھ (محمد صاحب پر) اور جو کچھ اقرار تھجھے پہلے انہوں نے پائی  
راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہونچے ۱۲۔ (سورہ بقرہ ۱۰۴) پھر اس نقش کے  
پائون پر آ کے پڑھتے ہیں۔

جو کچھ رسول پر اور سیکے رب کی طرف سے اور تراویستے اوستے اور مسلمانوں نے مانا  
سب نے اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابلوں اور رسولوں کو مان لیا ہم اس کے  
رسولوں میں کسی کو جد نہیں کرتے۔ اور سمجھنا اور قبول کیا اسے ہمارے رب تیری  
بخشش چاہئے۔ اور تجھی تک رجوع ہے۔ اللہ کسی شخص کو اس کی گنجائش سے  
زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔ اس کا کیا اور سیکھتا ہے اور اس کا کیا اسی پر پڑتا  
ہے۔ اسے ہمارے رب اگر ہم بھول چوک کریں تو ہم پر مواخذہ مت کر۔ اسے ہمارے  
رب ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ اکلون پر رکھا تھا مت رکھ۔ اسے ہمارے رب جس کی تلوار  
ملاقات نہیں ست اور ٹھو اور ہم سے درگزر کر اور ہلکو بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا  
صاحب تہ سو ہماری مدد کر کافران کی قوم پر (سورہ بقرہ ۲۸۵-۲۸۶) پھر غم کنیالون  
میں کوئی خاص آدمی اذان عام دیتا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ اب سب کو رخصت ہے۔  
یہ شکر بعض گھروں کو لٹ جاتے ہیں۔ اور بعض قبرستان تک جنازہ کے ساتھ  
جاتے ہیں۔ اور جب جنازہ اٹھتا ہے یا جبکہ قبر کے پاس اسے رکھتے ہیں تو  
کہتے ہیں ہم تجھے خدا کے نام پر اور نبی کے دین پر زمین کے سپرد کرتے ہیں۔ اگر زمین  
مہوتی ہے تو قبر کی نعل میں لچھی کھدواتے ہیں اور لچھاتی اونچی مہوتی چاہئے کہ مہوت  
منکر نکیر آوین تو مردہ بیٹھ کے۔ اور جو زمین نرم ہوتی ہے تو قبر کے اندر اور ایک  
چھوٹی سی قبر بناتے ہیں اور سین مردہ کو رکھتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ خیال  
رکھتے ہیں کہ نقش ایسے محل پر ہو کہ حرکت میں دقت نہ ہو۔ مردہ کا منہ قبلہ

کی طرف کرتے ہیں اور کفن کے بند کھولتے وقت لوگ یہ کہتے ہیں۔ اے خدا مردہ کو ثواب آخرت سے محروم نہ رکھ۔ اور تکلیف سے محفوظ رکھ۔

پھر ہر شخص مٹی اٹھاتا ہے اور ہر دفعہ بسم اللہ اور سورہ اخلاص پڑھ کر مردہ کے سر پر ڈالتا ہے۔ کچی اور بانسوں اور تختہ بن سے قبر کے اندر کڑا لگاتے ہیں اور پھر ہر شخص تین بار مٹی بھر بھر کر مٹی ڈالتا ہے۔

پہلی بار یہ پڑھتا ہے۔ منہا خلقناکم۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا۔ اور دوسری بار دینہما نعیدکم اور اسی میں تم کو پھر ڈالتے ہیں۔ اور تیسری بار کی مٹی پر یہ پڑھتے ہیں۔ ومنہا نخرجکم تارة الاخری۔ اور اسی سے تم کو دوسری بار نکالینگے۔ (طہ ۵۵) پھر وہ یہ دعا پڑھتے ہیں۔ اے خدا محمد کے وسیلہ سے تو اسے غضب کی تکلیف سے بچا۔ پھر سب حاضرین مٹی بھرتے وقت کہتے ہیں اللهم اخط من شیطان وغدا البقبر

اے خدا تو اسے شیطان سے اور عذاب قبر سے محفوظ رکھ۔ اور مٹی ڈال چکے ہیں تو یقیناً بار یا یانح یا یاسات بار اور او سپر پانی چھڑکتے ہیں۔ اور ایک ہری ٹہنی کسی درخت کی کاڑ دیتے ہیں۔ اور اس میں انار کی ٹہنی کاٹنے کا دستور ہے۔ پھر اہل ماتم سے ایک شخص قریب وسط قبر کے تلقین پڑھتا ہے۔ اے اللہ کے بندہ اے بیٹے فلان عورت کے اوس ایمان کو جس کا تو نے اس دنیا میں اقرار کیا تھا آخر تک یاد رکھ یعنی یہ کہ سوا اے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اور یہ تحقیق محمد اللہ کے رسول ہیں اور بہشت اور دوزخ اور بعد موت کے جی اٹھنا برحق ہے۔ اور یہ کہ ایک روز انصاف مقرر ہے۔ اور میں اقرار کرتا ہوں کہ خدا میرا رب ہے اور اسلام میرا دین ہے اور محمد صلعم میرے نبی ہیں۔ اور قرآن میرا ہادی ہے اور کعبہ میرا قبلہ ہے اور سلمان میرے بھائی ہیں اے خدا تو اسی (مردہ کو) ایمان میں نہجتے رکھ اور اس کی قبر کو وسیع کر

اور اسکے امتحان کو (جو منکر نکیر لینگے) آسان کر۔ اسی مرتبہ دے اور اوسپر رحم کر اسے نہایت رحم کرنے والے صاحب پھر اور شخص جو موجود ہوتے ہیں اوسپر ساتھ پڑھتے ہیں۔ اسکے بعد اختیار ہے کہ سورہ یسین (۳۶) اور سورہ ملک (۶۷) پڑھیں لیکن اسکا رواج عام نہیں ہے۔ پھر قبر سے ۴۰ قدم ہٹ کر پھر فاتحہ پڑھتے ہیں کیونکہ اسی وقت سے موتے کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ پہلی رات مردہ پر بڑی تکلیف ہوتی ہے اسواسطے اس رات اسکے نام پر خوب خیرات دینی چاہئے اور تخفیف عذاب کے واسطے دو رکعت نفل ہے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیہ الکرسی (سورہ بقرہ ۲۵۶) تین بار پھر سورہ الشکاہ (۱۰۲) گیارہ بار اور سورہ اخلاص (۱۱۲) گیارہ بار پڑھنی چاہئے۔ پھر سلام اور درود کے بعد نمازی دونوں ہاتھ اوٹھا کر بڑے عجز و انکسار سے یہ دعا کرتا ہے کہ اس نماز کا ثواب مردہ کی روح کو پہنچے۔

(۸) صلوٰۃ الاستخارہ۔ جب کوئی شخص کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس سے پہلے یہ نماز پڑھتا ہے۔ اس میں دو رکعتیں ہیں ہر رکعت کے بعد یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔ اے خدا جو کچھ میرے حق میں بہتر ہو وہ ظاہر کر اور یہی سے محفوظ رکھ اور توفیق خیر کی عطا کر کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میرے حق میں کیا بہتر ہے، یہ دعا پڑھ کر سو رہتا ہے اور متوقع ہوتا ہے کہ عالم خواب میں انشاء کے ذریعہ سے اس امر خاص کے کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت ہو جاوے گی۔

(۹) صلوٰۃ التراويح۔ تراویح کی بیس رکعات ہوتے ہیں جو ماہ رمضان کی ہر شام پڑھتے ہیں۔ اسکا بیان دوسرے باب میں رمضان کے روزوں کے ساتھ ہوگا۔ ۳۔ رمضان کے تیسوں روزے کا بیان سورہ کی تعریف میں ہے کہ طلوع آفتاب



سے تاغروب کھانے اور پینے اور جماع سے پرہیز کرنا۔ روزے کی نیت دل میں ضرور کرنا چاہئے کہ اے میرے خدا میں نیت کرتا ہوں کل کے روزہ کی خاص تیرے واسطے باری الصوم غذا لویث نالسا لک میرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر۔ اور جب روزہ ختم ہو جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ اے خدا میں تیرے واسطے روزہ رکھا تھا تجھ پر میرا ایمان تھا اور تیرے ہی اوپر بھروسہ تھا اور اب میں روزہ لو اس کھانے سے جو تو نے دیا ہے افطار کرتا ہوں۔ تو ہی قبول کرنے والا ہے۔ ماہ رمضان کے تیسوں روزے فرض ہیں۔ قرآن میں آیا ہے۔ اے ایمان والو تیرے روزے کا حکم ہوا ہے جیسے تم سے اکلون پر ہوا تھا۔ مہینہ رمضان کا جس میں نازل ہوا قرآن لوگوں کی ہدایت کے واسطے اور کھلی نشانیاں راہ کی اور فیصلہ۔ پھر جو کوئی پادے تم میں یہ مہینہ بھر روزہ رکھے (سورہ بقرہ ۱۸۳-۱۸۵) اس پر اجماع کا اتفاق بھی ہے نابلق طکی یا لڑکے۔ اور مجنون آزاد میں مریض اور مسافر کو اختیار ہے کہ قضا کرے۔ اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو گنتی اور ورن سے چاہئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے مشکل نہیں چاہتا ہے اور اس واسطے کہ گنتی پوری کرو (بقرہ ۱۸۵) اسے قضا کرنا کہتے ہیں یعنی جو روزہ چھوڑا ہے اس کے عوض میں کسی اور وقت روزہ رکھنے کو قضا کا روزہ کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کے خدا میری فلائی مراد پوری کرے تو اس کے نام پر روزہ رکھو گا۔ (یعنی نذر کا روزہ) یا اگر کوئی خطا کی ہے اور بطور کفارہ کے روزہ ادھر سپر عائد ہوا ہے تو دونوں صورتوں میں روزہ ادھر واجب ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ اپنے دعوے کو قرآن کی اس آیت پر محمول کرتے ہیں، ”پھر چاہئے کہ اپنا بیل دوڑ کرین اور اپنی نذرین پوری کرین۔“ (الحج ۲۳ و ۳۰) باقی اور کل روزہ نفل میں نفل کی معزز ۹۹ میں ہوتا چکے یون عشمہ محرم کا روزہ اور ایام بیض (چاندنی کے دن) یعنی ہر مری مہینے کی ۱۳ و ۱۴

۵۱ کاروزہ اور پندرھویں شعبان یعنی شبِ برات سے دوسرے دن کاروزہ اور  
چوبیسینہ تیس دن کا ہو تو تیسویں تاریخ کاروزہ یہ سب نفل ہیں جس کسی نے روزہ نفل  
کی نیت کی ہو اگر کوئی اوسکی دعوت کرے تو روزہ دار کو جائز ہے کہ روزہ توڑ ڈالے  
بخاری میں آیا ہے کہ عورت بغیر مرضی اپنے شوہر کے روزہ نفل نہ رکھے لیکن شوہر  
عورت کی مرضی کا اتباع لازم نہیں۔

مرد و عورتوں پر حاکم ہیں اس واسطے بڑائی دمی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے  
کہ اوصوں نے اپنے مال خرچ کی (نسائہ ۴ و ۳۸) کہتے ہیں کہ ایک روز کوئی عورت  
پینچبر کے پاس آکر کہنے لگی کہ میرے خاوند نے تجھے مارا ہے "نبی نے چاہا کہ شوہر کو  
اپنے ملامت فعل کی ہر ادے "لیکن آسمان سے آیت مذکورہ الصبر نازل ہوئی جس سے  
اس امر کا تصفیہ ہو گیا کہ عورت مردوں سے کمتر ہیں اسی آیت کا جزو یہ بھی ہے۔  
اور جن عورتوں کی بدخونی کا تلوڑ ہے تو انکو سمجھاؤ اور سونے میں انکو جد کرو اور  
انکو مارو۔ "شوال کے چند روز سے مستحب ہیں۔ کیونکہ محمد صاحب کو اطلاع ہوئی تھی  
کہ لوگوں سے کہ دیں۔ جو کوئی روزے رمضان کے اور اگلے مہینہ میں یعنی شوال میں  
سات روزے رکھے گا تو گویا اسے تمام عمر روزے رکھے۔

اگر ارب کے سبب سے یا گرد غبار کے سبب سے چاند نظر نہ آوے تو کسی معتبر آدمی کی  
ایسی شہادت کافی ہے جو کہ رمضان شروع ہو گیا۔ امام شافعی کے نزدیک دو گواہ  
چاہئیں لیکن حدیث ذیل اوکی راے کے مخالف وارد ہے۔ ایک عرب نبی  
کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تو ایمان رکھتا ہے کہ سوا  
خدا کے کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ اوسنے جواب دیا بے شک۔ ادھر نبی  
علیہ السلام نے ہلالِ مودن کو بلا کر کہا "لوگوں سے کہ دو کہ روزہ رکھیں۔ اس سے

نہایت ہے کہ ایک غیک مسلمان کی شہادت اس معاملہ میں کافی ہے۔ اور جن صورتوں  
 سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہ یہ ہیں اگر دانت مانجئے وقت طلق میں پانی چلا جاوے  
 یا اگر زبردستی کھانا کھلاوے یا اعل کرایا جاوے یا کالون میں یا سر کے زخم میں دوا  
 ڈالی جاوے۔ یا اس گمان سے کہ رات ہے اور حقیقت دن ہو کھانا کھالیا جاوے  
 یا رمضان کے روزے کی نیت درست نہ کی ہو۔ یا رات کا کھانا دانتوں میں یا دانت  
 کے کسی جوف میں رہ گیا ہو اور وہ ایک دانہ سے بڑا ہو۔ یا اگر کھانا روہو جاوے تو  
 ان سب صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا عائد ہوتی ہے اگر کوئی قصداً روزہ  
 توڑ ڈالے تو اس کے کفارہ میں یا تو ایک غلام آزاد کرے یا اگر یہ نہ ہو سکے تو دو ماہ متواتر  
 روزہ رکھنا چاہیے۔ اگر یہ بھی نہ تو سناٹھ آدمیوں کی دود و خوراک ایک دفعہ میں دیدے  
 یا سناٹھ دن تک روزانہ دو خوراکین ایک آدمی کو دیا کرے۔ کسی چیز کے چکھ لینے یا  
 سرمہ آنکھوں میں لگانے سے یا ڈاڑھی میں تیل ڈالنے سے یا دانت مانجئے سے یا  
 بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ مگر ادلی یہی ہے کہ دن میں ایسا نہ کرے۔  
 امام شافعی کے نزدیک بعد دوپہر کے ایسا کرنا درست ہے۔ امام موصوف ایک  
 حدیث جو طبرانی سے پہنچی ہے پڑھا کرتے تھے۔ نبی نے کہا جب تم روزہ رکھو تو  
 تو صبح فجر کو دانت مانجو کیونکہ روزہ دار کے خشک ہونٹھ انصاف کے دن اس کے سوا  
 نور ہو جاویں گے۔ اگر کوئی پیرانہ سالی سے طاقت روزے کی نہ رکھتا ہو تو صدقہ دینا چاہیے  
 یعنی ایک محتاج کھلاوے۔ اس واسطے کہ ماخذ قرآن کی ایک آیت ہے جس پر ٹہنی  
 بحث ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ (بقرہ ۱۸۰) اور جبکو طاقت ہے روزہ رکھنے کی پھر  
 ہی نہیں رکھتے تو بدلا چاہیے ایک فقیر کا کھانا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ شخص  
 کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ اور بعض مفسر تسلیم کرتے ہیں کہ پہلے پوہن

تھا بعد کو یہ حکم دوسری آیت سے منسوخ ہو گیا۔ پھر جو کوئی تم میں یہ مہینہ پاوے تو وہ روزہ رکھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حرف نفی یعنی لا کا یطیقوتہ کے پہلے (یعنی طاقت سے پہلے نہیں کا حرف) مقدر سمجھنا چاہیے۔ اس صورت میں جو عبارت خط وحدانی کے اندر ہے نہیں ٹرھائی جاوے گی۔ اور بعض اسکی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ جنگو طاقت ہے ہم معنی اسکے ہے جنگو اس سے سخت تکلیف۔ مثلاً عمر سیدہ اور ضعیف آدمی۔ یہی تفسیر بہتر معلوم ہوتی ہے اور اسی پر عملدرآمد ہے۔ اور جو عورتیں حاملہ ہیں یا جو ماہین اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں یا بیمار ہیں اور احتمال ہے کہ حالت مرض میں روزہ ضرر ہو چکا ہو تو انھیں لازم ہے کہ قضا کریں۔ ان صورتوں میں صدقہ دنیا یا محتاج کو کھلانا نہیں چاہیے ابوداؤد کہتے ہیں کہ نبی نے فرمایا کہ خدا نے مسافر کو اجازت دی ہے کہ نماز میں قصر اور روزہ کو قضا کریں۔ عورتوں کو بھی قضا روزہ کی اجازت ہے۔ قرآن میں بھی صاف لکھا ہے کہ جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں سے گنتی چاہئے (بقرہ ۱۸۱) سال میں پانچ دن ایسے ہیں کہ اون دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ "عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور تین روزہ اسکے بعد یعنی ۱۲، ۱۳، ۱۴ ذی الحجہ۔ اگر رمضان کے مہینہ میں کوئی شخص بالغ ہو یا کوئی کافر مسلمان ہو تو اس پر اون ایام کا روزہ فرض ہے۔ جو باقی رہے ہوں تحریری کھانا یعنی ماہ رمضان میں طلوع آفتاب سے پہلے کچھ کھالینا سنت ہے۔

بخاری اور مسلم اور ترمذی تینوں بڑے محدثوں کا اتفاق ہے کہ نبی نے فرمایا کہ سوئی کھایا کرو کیونکہ اس میں برکت ہے۔ کیونکہ ہمارے اور اہل کتاب (مسیحیوں) کے روزہ میں تحریری کا فرق ہے۔

غروب آفتاب کے عین بعد جو کھانا کھاتے اسے افطار کرنا یعنی کھولنا کہتے ہیں۔ ہندوستان میں یہ دستور ہے کہ چھوارہ سے اور اگر چھوارہ نہیں ہو تو تھوڑے پانی سے روزہ

کھولتے ہیں۔ ٹرکی میں زیتون سے روزہ افطار کرنے کو بہتر جانتے ہیں۔ مسلمانوں میں روزہ صرف دن کا ہوتا ہے۔ امراء رات کو دن کر کے روزہ کی سختی سے محفوظ رہتے ہیں۔ بلکہ امیر لوگ اکثر روزہ رکھتے بھی نہیں ہیں مگر یہ فعل پوشیدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ عموماً تمام جہان کے مسلمان ایسے شخص سے جو رمضان کی حرمت نہیں کرنا نفرت کرتے ہیں۔ محنت مزدوری کرنے والے آدمیوں کو روزہ سخت دشوار ہے کیسے ہی محنت کا کام کرتے ہوں کوئی پینے کی چیز بھی نہیں پی سکتے ہیں۔ پھر بھی عام قاعدہ یہ ہے کہ ادنیٰ روزہ کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ گرم ملکوں میں روزہ کی صعوبت زیادہ ہوتی ہے۔ لوگوں کی نگاہیں آسمان پر لگی رہتی ہیں کہ سورج ڈوبتے ہی روزہ کو افطار کریں۔ ماہ رمضان میں سوائے روزہ رکھنے کے اور رسوم بھی ہوتے ہیں جنکی تفصیل بات مابعد میں ہوگی۔

۴۔ زکوٰۃ خیرات کے واسطے دو لفظ متعل ہیں ایک تو زکوٰۃ ہے جسکے معنی پاک کرنے کے ہیں۔ اور وہ بنجر خاص صورتوں کے ہر مسلمان سے لیجاتی ہے۔ دوسرے صدقہ ہے جو عید الفطر کے روز دیا جاتا ہے۔ اول ہم زکوٰۃ کا بیان کرتے ہیں۔ قرآن اور اجماع سے ہر مسلمان بالغ پر فرض ہے کہ بعد گزرنے ایک سال کے اپنے مال کی زکوٰۃ دے بشرطیکہ اسکے حوائج کو کفیفی ہو اور صاحب نصاب ہو یعنی جسکے پاس قریب پچاس روپے سالانہ کے آمدنی ہو۔ قرآن میں لکھا ہے کہ طری کو نماز اور روزہ زکوٰۃ (بقرہ ۱۱۰) خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز لکھاتے تھے۔ نماز نصف رات تک پہنچاتی ہے اور روزہ خدا کے مکان کے دروازہ تک پہنچاتا ہے۔ اور زکوٰۃ منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے جن تین شرطوں سے زکوٰۃ لازم آتی ہے اسلام اور حریت اور نصاب ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادت کا اصل جزو ہے۔ اور چونکہ کافر کی عبادت مقبول نہیں

ہوتی۔ اس واسطے اوپر زکوٰۃ بھی نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی واسطے حریت بھی ضرور ہے کیونکہ غلامان  
 کے پاس مال نہیں ہوتا ہے۔ اور انصاف بھی شرط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یوں ہے۔  
 جو انصاف روزمرہ کے خرچ میں آتا ہے اوپر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس میں وہ غلام بھی داخل  
 ہے جو اپنی ذات کی خدمت کے واسطے ہوا اور مکانیکا اناج اور آلات اور ہتھیار اور کتابیں  
 اور اثاثہ البیت اور پہننے کے کپڑے اور سواری کا گھوڑا وغیرہ۔ کیونکہ ایک حدیث  
 کا مضمون ہے کہ نبی نے ان سب چیزوں کو زکوٰۃ سے بری کیا ہے۔ دوسری حدیث  
 جو بخاری سے مروی ہے اس کا یہ بیان ہے کہ جو غلام مگر کے کام میں آتے ہیں اوپر  
 صرف صدقہ فطر دینا چاہیے صدقہ فطر یہ ہے کہ ایک خوراک کھانا یا دو صدقہ قیمت مسکین  
 کو دینی چاہیے۔ اگر کوئی مقروض ہو تو بعد منہائی قرض کے جو مال رہے اوپر زکوٰۃ عائد  
 ہوگی لیکن اگر وہ قرض خدا کے نام پر ہو مثلاً کوئی نذر مانی تھی یا حکم شرعی کی کوتاہی سے  
 کفارہ دینا ہے تو اس مال سے جیسے زکوٰۃ لازم ہے نہیں بلانا چاہیے۔ مقدار سونے  
 کی جو انصاف میں داخل ہے۔ ۲۔ نقوۃ اور چاندی کے دو ہودیم ہے۔ (جو ۵۲ روپیہ  
 برابر ہے) اور چاندی اور سونا خواہ مضروب ہو یا غیر مضروب ہو چالیس ہون حد اس کا  
 زکوٰۃ میں دینا چاہیے۔ بعضوں کا سونے چاندی کا زیور اس سے مستثنیٰ ہے لیکن  
 امام شافعی اس کو نہیں تسلیم کرتے۔ اور ثبوت دعویٰ میں حدیث ابو داؤد سے سند پکڑتے  
 ہیں۔ اور وہ حدیث یہ ہے ”ایک روز ایک عورت حاملہ سونے کے موٹے موٹے  
 کھروے پہنے ہوئے نبی کے پاس آئی۔ آپ نے پوچھا کہ اس زیور کی زکوٰۃ دیکھی ہے  
 یا نہیں اور جواب انکار پر فرمایا کہ خدا کو آسان ہے کہ انصاف کے دن ہر ایک  
 کے کھروے پہناوے۔ تب اس عورت نے اون کھروے کو اتار کر کہا کہ یہ خدا کے اور آپ  
 نبی کے کام کے واسطے موجود ہیں“ بود دولت از قسم رکنا ہو یعنی گوی ہوئی ہو اور اسے

اسی نے پایا ہوا دھن سے اور نیراؤن قیمتی فلزات سے جو کھانوں سے نکلنے میں ایک  
 خمس دینا ضرور ہے عام اس سے کہ جس زمین سے وہ شے برآمد ہوئی حاجی ہو۔ یعنی  
 بازار کی معمولی شے پر کرایہ لیگی ہو یا وہ زمین شری ہو یعنی دسواں حصہ اس  
 کے پیداوار کا دیا جاتا ہو اگر دارالحرب یعنی ایسے ملک میں ملی ہو جو مسلمانوں  
 کی حکومت میں ہو تو کل پانے والے کا حق ہے بشرطیکہ وہ زمین اسی کی ملکیت سے  
 ہو اور اگر کسی لاوارثی زمین سے نکلے تو ایک خمس دینا لازم ہے۔ اور اگر روپیہ برآمد شدہ  
 مسلمان کی حکومت کے دارالضرب کا نشان ہو۔ تو پانچواں حصہ کو لازم ہو گا کہ اگر وہ سکے  
 تو مالک کو تلاش کر کے وہ روپیہ اس کے پاس پہنچا دے۔ اور اگر کافروں کے  
 دارالضرب میں بنا ہو تو ایک خمس بطور کواہ کے دیکر باقی کو اپنے صرف میں لاوے۔  
 میتوں اور قیمتی پتھروں پر کچھ دینا نہ چاہیے۔ کیونکہ نبی نے فرمایا کہ پتھروں پر کواہ نہیں  
 ہے اور پوشی کی نسبت قواعد مفصلہ ذیل مقرر ہیں۔ بھیڑ اور بکری ہر جب تک چالیس  
 سے کم ہوں کچھ دینا نہیں چاہیے۔ ایک سو بیس پر ایک اور پھر دس سے ۸۰ پر دو  
 اور پھر ہر سیکڑہ پیچھے ایک۔ بھینسوں پر بھی یہی حساب ہے جو بھیڑ و سپر ہے۔  
 اور اونٹوں کا حساب یہ ہے۔ پانچ سے ۲۴ تک ایک بھیڑ یا بکری اونٹنی چاہیے۔  
 ۲۵ سے ۳۵ تک ایک سال کا بچہ اونٹ کا جو مادہ ہو (بنت نجاؤ) اور ۳۶-۴۵  
 تک دو برس کی مادہ اونٹیاں بنت لبون ۴۶-۶۰ تک ایک اونٹنی تین برس  
 کی۔ (حقہ) ۶۱-۷۵ تک ۴ برس کی اونٹنی (جذعہ) اور ۷۶-۹۰ تک ۲ بنت لبون  
 اور ۹۱-۱۲۰ تک دو حقے اور ۱۲۱ سے اوپر ہر چالیس پر ایک بنت لبون یا ہر چالیس  
 پر ایک حقہ دینا چاہیے گھوڑوں پر بھی یہی حساب ہے۔ یا فیصدی ڈھائی گھوڑے  
 یا اس کی قیمت دینی چاہیے۔ ۳۰ گاؤں پر ایک برس کی ایک چھیا تبعیہ دینا چاہیے۔

دوبرس کی ایک بھیا (مسند) دینی چاہیے۔ اور بعد اوسکے ہر دس گاؤں پر ایک بھپڑا  
 ہے۔ گد ہے اور نچرا اس سے تشنہ بہن کیونکہ بنی نے کہا کہ انکی نسبت میرے پاس کوئی  
 حکم نہیں آیا ہے، اگر نصاب کا سرمایہ نصاب (۵۲ روپیہ) سے زیادہ ہے تو ادھر اور  
 اوسکے نفع پر ہر چالیس پر ایک یا فیصدی عمار کے حساب سے زکوٰۃ دینا فرض ہے۔  
 حقیقی چالیس کی کسے شمار نہیں کرتے۔ لیکن شافعی کہہ کر چالیس قرار دیکر پوری زکوٰۃ  
 ادھر دیتے ہیں۔ شہدادریو سے اور اناج وغیرہ۔ اگرچہ پانچ و ثلث (پانچ اونٹ کے بوجھ)  
 سے کم ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دسواں حصہ اوسمین سے دینا چاہیے۔ لیکن حنین  
 اور امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر ۵ و ثلث سے کم ہو تو کچھ زکوٰۃ نہیں ہے۔ بنی نے کہا اگر کسی سے  
 زمین کا پیداوار ہو جو قدرے میراث ہو تو ایک عشر اوسمین سے دینا چاہیے۔ اور جس  
 زمین کو مصنوعی ذریعہ سے پانی دیا جاتا ہو اوسکی پیداوار کا بیسواں حصہ دینا چاہیے۔  
 چونکہ مقدار کی نسبت کچھ خبر نہیں دی گئی ہے اس واسطے حقیقی اوس سے سند پکڑتے ہیں۔  
 جس قسم کے لوگوں کو زکوٰۃ دینی چاہئے اور کہا ذکر اس آیت میں ہے زکوٰۃ حق ہے  
 مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور اس کام پر جانے والوں کا۔ اور جنکا دل اسلام پر  
 راغب ہے اور گردن چٹرائی میں اور جو تادان بھریں۔ اور اللہ کی راہ میں اور راہ  
 کے مسافر کو (توبہ ۹۰) جن الفاظ پر خط کھینچا ہے وہ تفسیر حسینی کے مضمون کے مطابق  
 منسوخ ہو گئے ہیں۔ اجماع عرب کے سرداروں کی طرف اشارہ ہے جنھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے جنگ حنین میں مغلوب کیا تھا۔ (سہ ہجری) اس سورہ کی ۲۵۔ آیت میں اس  
 قسم کی طرف اشارہ ہے۔ تمھیں خدا نے بہت سے میدانوں میں اور حنین کے  
 دن فتح دی۔ ابوبکر نے یہ زکوٰۃ نو مزید دن کو دینی چھوڑ دی اور خلیفہ عمر نے ایسے لوگوں  
 کی نسبت کہا کہ یہ زکوٰۃ تمھارے دلوں کو اسلام کی جانب رغبت دلانے کو دیکھائی تھا اب



اسلام خوب پھیل گیا ہے اگر تم اسے قبول کرو تو کروڑوں ہمارے اور تمہارے دسیان  
 تیار رہے کسی صحابہ نے اس قول سے انکار نہیں کیا۔ اس واسطے اس فقرہ کی منسوخی کی  
 سند اجماع امت سے ہے۔ یہ سچ ہے کہ نامناسب وسائل کو ترک ہی کرنا چاہیے لیکن  
 جانتے تک میں جانتا ہوں کہ کوئی ہفتہ اسے اس حکم کی تنسیخ کی دلیل نہیں گردانتا ہے اسکی  
 منسوخت صرف اس بناء پر ہے کہ اسلام قوی ہو گیا ہے اب ایسے مدد کی حاجت نہیں  
 ہے۔ اس تغیر کا سبب کوئی اعلیٰ ذی خیال نہ تھا بلکہ اسکو حقیر جانتا لاپرواہی سے  
 چھوڑ دیا۔ سو اسے اون لوگوں کے جکا ذکر آیت مذکورہ الصدقین ہوا۔ مکتیب کو بیٹے  
 اون غلاموں کو بھی زکوٰۃ سے مدد دینی چاہئے جو اپنی آزادی کی شقت کرتا ہے جو لوگ  
 ایسے محتاج ہیں کہ جہاد پر نہیں جاسکتے ہیں یا حج کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں انکی  
 مدد ضرور ہے۔

مساجد کی تعمیر کو اور تجہیز تکفین کو اور میت کے اداے قرضہ کو یا غلاموں کو آزاد کرنے  
 کے واسطے خریدنے کو زکوٰۃ ہرگز نہیں دینی چاہئے۔ مان باپ اور دادی دادا اور  
 بیٹے بیٹوں اور پوتی پوتوں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں۔ نہ مرد و عورت کو دے نہ عورت  
 مرد کو نہ آقا اپنے غلام کو دے۔ صاحبین کے نزدیک عورت اپنے شوہر کے حوالے  
 میں صرف کر سکتی ہے اور وہ اس حدیث سے سند پڑتے ہیں، ایک عورت نے  
 نبی سے پوچھا کہ میں اپنے خاوند کو زکوٰۃ دیدوں آپ نے کہا اچھا۔ دیدو۔ امین دو  
 ثواب ہیں ایک تو زکوٰۃ دینے کا دوسرے اپنے رشتہ والے کے اداے حقوق کا۔  
 دو تہتمند کو اور اس کے بیٹے اور اس کے غلام کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے۔ اولاد ہاشم اور  
 آل نبی کو اسکی مخالفت ہے۔ نبی نے فرمایا کہ اسے اہل بیت تک زکوٰۃ حرام ہے کیونکہ  
 مال غنیمت کا ایک خمس جو مجھے ملتا ہے اس میں سے ایک خمس تم پاتے ہو۔ اس سبب سے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سادات کو زکوٰۃ دینی نہیں چاہیے لیکن وہ غدر کرتے ہیں کہ مین مال غنیمت سے کچھ نہیں مالتا ہے۔ ذمی (یعنی غیر مسلمان رعایا) کو بھی زکوٰۃ دینی درست نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ملکوں میں زکوٰۃ جمع کرنے پر لوگ متعین ہوتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں یہ کام شخص کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ مجھے فرض ہے وہ دیوے۔ اور جہاں زکوٰۃ کا انتظام درست نہ تو مساکین کی خبر گیری کیواسطے کافی اعانت لازم ہے۔

صدقہ زکوٰۃ سے جدا ہے مگر اوسکا بیان اسی بحث کے متعلق ہے اوسکی تفصیل باب مابعدین عید الفطر کے ساتھ ہوگی۔

۵۔ حج کرنا یعنی مکہ کو جانا فرض ہے اور جو کوئی اس سے انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور اللہ کا حق لوگوں پر ہے اس گھر کا حج کرنا جو کوئی پاوے اس تک راہ آل عمران (۹۵) ابن عباس سے مروی ہے کہ پیغمبر نے کہا کہ خدا نے حج کو فرض کیا ہے۔ اس پر اقرع بن حابث نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہر سال حج کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہاں کروں تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جائیگا۔ لیکن تم اس کے متحمل نہو سکو گے اسواسطے فقط ایک دفعہ فرض ہے۔ اور اس سے زیادہ جتنی قرب ہو نقل ہے۔ جو مسلمان حراور بالغ اور تندرست ہو اس پر حج فرض ہے بشرطیکہ اوسکے پاس اسقدر خرچ ہو کہ اوسکو اور اوسکے لوٹنے تک اور اسکے گھر کے خرچ کو پختی ہو۔ اگر کوئی غلام یا لڑکا حج کرے تو غلام کو آزاد ہونے کے بعد اور لڑکے کو بالغ ہونیکے پھر حج کرنا چاہئے۔ جس عورت کا مسکن مکہ سے تین دن کی راہ پر ہو اور وہ حج کرنا چاہے تو اسے اپنے شوہر یا قریب رشتہ دار کی ہمراہی ضرور ہے۔ امام شافعی کو نزدیک یہ ضرورت شرط معتبر نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ صدر میں کوئی ایسی قید

نہیں ہے۔ مگر اُنکے اس اعتراض کا جواب جیسا کہ قاعدہ ہے حدیث سے دیا جائے۔ کوئی شخص نبی پاس آکر کہنے لگا کہ میری زوجہ حج کرنے کو آمادہ ہے اور میں جنگ کے لئے طلب کیا گیا ہوں۔ آپ نے کہا کہ تو لڑائی کو مست جا۔ اپنی عورت کے ساتھ جمع کو جا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جس شخص کے پاس حج کے اسباب متیار ہوں۔ یعنی جیسے حج فرض ہو جاوے وہ ایک سال سے زیادہ اُسکے ادا کرنے میں توقف کرے تو گنہگار ہے۔ امام محمد اور اکثرین کے نزدیک اگر حج میں چند سال کا توقف ہو جاوے تو مضافاً نہیں ہے۔ لیکن اوس سے پیشتر اگر فوت آ جاوے تو گنہگار نہ رہے۔ میں محسوب ہوگا۔ پس از روئے عمل سب کا اتفاق اس پر ہے کہ توقف اچھا نہیں ہے۔ حج میں تین فرض ہیں پانچ واجب باقی سب سنت اور مستحب ہیں۔ فرائض حج کو تین ہیں (۱) احرام باندھنا۔ بغیر سیون کی دو چادرین ایک باندھتے ہیں اور ایک اوڑھ لیتے ہیں۔ (۲) عرفات پر کھڑے ہونا۔ (۳) طواف یعنی کعبہ کے گروسات دفعہ گھومنا۔ اور واجباً حج کے یہ ہیں۔ (۱) مزدلقہ میں ٹھہرنا۔ (۲) کوہ صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرنا (۳) رمی الجمار یعنی کنکریاں پھینکنا (۴) اگر مسافر غیر ملکی ہے تو طواف صدر کرے۔ (۵) حجامت بنانا۔ بعد اختتام حج کے۔

حج کے اوقات معینہ پر چاہئے، الحج اشہر معلومات حج کے کئی معینے معلوم ہیں“ (بقروءۃ ۱۹) اور وہ شوال اور ذیقعد اور پہلے دس روز ذی الحجہ کے ہیں۔ حج درحقیقت ذی الحجہ میں ہوتا ہے لیکن اوکی طیاری اور نیت دو ماہ پیشتر سے ہوتی ہے۔ عمرہ یعنی معمولی سفر سے سوائے ذی الحجہ کے اور چار دن اُسکے بعد کے واجب چاہیں ہو سکتا ہے۔ متعدد راہیں جو مکہ کو جاتی ہیں ان میں سے ہر راہ پر شہر سے ۵ یا ۶ میل کے فاصلہ پر نزل (یعنی پڑاؤ) ہیں جنہیں میقات کہتے ہیں اور ان مواقیت کے نام یہ ہیں۔ مدینہ کی راہ پر

ذوالحلیفہ اور عراق کی راہ پر ذات عرق۔ اور شام کی راہ پر حیفہ اور نجد کی راہ پر قرآن اور مین  
کی راہ پر یلم۔ جہاں جہاں کہ مسلمان رہتے ہیں اون سب اطراف سے حاجی سفر کے  
مارے تھکے آخر الامران موقوفیت میں سے کسی ایک پر پہنچتے ہیں پھر عمومی کپڑے  
اوتارتے ہیں اور بغسل کے اور دو رکعت نماز نفل کے احرام باندھتے ہیں۔

پوری آمادگی جت کی اور سوقت ہوتی ہے اور حاجی قبلہ رو ہو کر اونریت باندھ کر کھینا ہو  
اے خدا میں حج کی نیت کرتا ہوں۔ اس کام کو تو پھر آسان کر اور میرے حج کو قبول کر۔  
پھر تلبیہ پڑھتا ہے تلبیہ لبیک لبیک کہنے کو کہتے ہیں لبیک کے معنی میں حاضر ہوں  
تلبیہ ہر زبان میں ہو سکتا ہے اگرچہ عربی کو ترجیح ہے اور وہ اس طرح ہے۔

میں یہاں حاضر ہوں اے خدا میں یہ حاضر ہوں میں یہ حاضر ہوں تیرا کوئی ساتھ نہیں  
ہے بہ تحقیق تعریف اور بخشش اور ملک سب تیرا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے  
میں یہاں حاضر ہوں۔

جو لوگ کسی میقات پر سکونت مستقل رکھتے ہیں وہ مقام سال پر جو مکہ کے قریب ہے

یا خاص شہر میں احرام باندھتے ہیں۔ اور خاص مکہ کے باشندے حرم مکہ میں احرام

باندھ سکتے ہیں۔ حاجی کو بعد احرام باندھنے کے دنیا کے کاروبار سے پرہیز کرنا اور احکام

حج میں بہرہ جہت مصروف ہونا چاہئے۔ شکار کھیلنے کی ممانعت ہے مگر مچھلی پکڑنے کی

اجازت ہے اے ایمان والو جو وقت تم احرام میں ہو شکار نہ مارو (المائدہ ۹۵) نبی نے

بھی کہا ہے کہ جو کوئی ایسی جگہ بتا دے جہاں شکار ہو تو وہ ایسا ہی برا ہے جیسا کہ شکار

مارنے والا برا ہے۔ حاجی کو کھانا بھی نہیں چاہئے تاکہ کوئی خون وغیرہ نہ مر جاوے یا

بال نہ اوکھڑ جاوے۔ اور اگر بغیر کھانے چین نہ پڑے تو ہاتھ کی مٹیلی سے لٹو لٹا چاہئے  
(۲) چہرہ اور سر کھلا رکھنا اور سروداڑھی کے بال نہ دھونا نہ تراشنا چاہئے۔ اور سر

کی حجامت نکرو جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ چکے (ایقرود ۱۹۲) جب حاجی کسی بلند مقام پر پہنچے یا نشیب میں اترے یا کسی سے ملے یا مکہ میں یا مسجد حرام میں داخل ہوا۔ یا بار لیک لیک کنا چاہیے جب کہ بظاہر اسے تو تکبیر اور تحلیل پڑنی چاہیے۔  
محدوث عطا کتے ہیں کہ جب اس مقام پر پہنچتے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔

حرم میں داخل ہو کر حاجی لیک اور تکبیر اور تحلیل اور پھر دعا پڑھتا ہے۔ پھر چاروں ماہوں میں سے ایک کے مصلے پر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اور حجر اسود (سنگ سیاہ) کے پاس پہنچ کر چپکے اور تحلیل پڑھتے ہیں اور سکے بعد اسے بوسہ دیتے ہیں اگر کمرہ تہجم کے سبب سے پاس جا کر بوسہ دینے کا موقع نہ ملے تو ہاتھ سے یا لکڑی سے مس کر کے اس ہاتھ کو یا لکڑی کو بوسہ دیتے ہیں۔ اور اوی وقت یہ کہتے ہیں اے اللہ تجھ پر بوسہ کر کے اور تیرے کلام کو حق جانے اور تیرے نبی کی سنت کی پیروی کر کے اسے بوسہ دیتا ہوں اور میری عرض کو قبول کر اور میری مشکلوں کو آسان کر۔ میری عاجزی پر رحم کر اور اپنی رحمت سے مجھے بخش دے۔

اسکے بعد پھر تکبیر اور تحلیل اور درود اور تعریف (محمد صاحب کی تعریف اور ان کے واسطے دعا) پڑھتے ہیں اور پھر اس طرح نیت کر کے کہ نیت کرتا ہوں طواف کی سات مرتبہ ساتھ نام اللہ کے کہ قدیر اور توانا ہے "سات دفعہ کعبہ کے گرد گھومتے ہیں اور اس گھومنے کو طواف کہتے ہیں۔ تین مرتبہ عجلت سے (جسے تریل کہتے ہیں) اور چار مرتبہ آہستگی سے حاجی دو طرفے میں (جسے تال کہتے ہیں) جو شخص مکہ میں سکونت ستل رکھتا ہے وہ طواف نہیں کرتا ہے پھر حاجی مکہ کی دیوار سے جسے المذمزم کہتے ہیں سپٹ اور سنیہ

اور دامنہ خسارہ لگا کر اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے ۔ اے اللہ یہ عقیق  
 کے رب میری گردن کو ورنہ کی آگ سے آزاد کر اور ہر جیسے کام سے محفوظ رکھ اور  
 اوس روز مرہ لی قوت پر ہونے لگے ویسا ہی قناعت دے اور ہر کچھ نہ لے دیا تو ازیں  
 ابرکت دے پھر استغفار پڑھتا ہے مغفرت مانگتا ہوں نہ اسے جو نہایت بڑا روزہ  
 اوقیم ہے اور اوس سے پناہ مانگتا ہوں اس کے بعد مقام ابراہیم پر جاتے ہیں اور وہ  
 رکعتیں جنہیں سنت طواف کہتے ہیں پڑھتے ہیں پھر چاہے روزم کا تھا یا ساپانی پیتے ہیں  
 اس کے بعد دوبارہ حجر اسود پر اگر اسے بوسہ دیتے ہیں ۔ حاجی برٹن صاحب نے اسطرح  
 طواف کا ذکر کیا ہے ۔ کہ اول جمنے یہ دعا پڑھی کہ اے اللہ تجھ پر دعا کر کے اوتیری  
 کتاب کو حق جانکے اور تیرے عہد پر یقین آکے اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ کی  
 رحمت اور سلامتی اور نیر ہو جو) کی سنت کی پیروی کر کے اسے بوسہ دیتا ہوں ۔ پھر ہم  
 مقام المیزم پر پہنچے جو گوشتہ حجر اسود اور دروازہ کعبہ کے درمیان واقع ہے اور میان پہنچا ہوا  
 اے اللہ جو کچھ جمنے تیری نافرمانیاں کی ہیں انہیں تو معاف کر پھر دروازہ کے سامنے  
 یہ پڑھا ۔ اے اللہ بالیقین یہ گھر تیرا ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے اور یہ دروازہ تیرا  
 دروازہ ہے اور یہ جگہ اس کے واسطے ہے جو حج سے چکر تیری پناہ لیتا ہے ۔ اور جب سبک  
 پہنچے جسے مقام ابراہیم کہتے ہیں تو یہ کہا کہ اے اللہ بیشک یہ ابراہیم کا مقام ہے  
 جنھوں نے آگ سے چکر تیری پناہ لی اور تیرے طرف بھاگے ۔ اے اللہ ہمارے بدن  
 کو اور خون کو اور استخوان کو ( ہمیشہ کے ) شعلوں سے محفوظ رکھ ۔ اور جب استسگی سے  
 گھوم کر کعبہ کے شمالی لیئے گوشہ سحران کی جانب پہنچے تو باواز بلند کہا اے اللہ عقیق  
 شرب اور نافرمانی سے اور مکر سے اور بدن زبانی اور بدگمانی سے نسبت اہل و عیال و مال  
 و اولاد کی محفوظ رکھ اور جب میزاب (آپسک) سے بھلے تو یہ پڑھا "اے اللہ ایسا کر کہ نہ اہل

نہوا و ایسا یقین عطا کر کہ کبھی دور نہوا اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے (ضلع رحمت  
 اور سلامتی اور پیرو جیو) اے اللہ جس دن کہ تیرے سلیہ کے سوا کسی کا سایہ نہوگا  
 اور سن تو تجھے اپنا سایہ ڈال اور اے رب الغزت ذوالجلال اپنے نبی محمد صلعم کے پیالہ  
 وہ مردہ واریانی پلا جو کبھی ہمیشہ تک پیاس نہ لگے پھر گوشہ عربی یعنی عربی یعنی رکن شامی  
 کی طرف متوجہ ہوا کیڑھا کر اے اللہ یہ حج مقبول اور گناہ بخشش کا موجب ہوا اور اسے رب العزت  
 اور غفاری نے نظر میں یہ حج توفیق کے قابل سمی اور پسندیدہ کام اور ایسی دولت ہو جو کبھی  
 نہ تمام ہو تین مرتبہ اسے پڑھاتا ناگہ جنوبی (یعنی یمن) گوشہ پر پہنچے تو ہجوم کے ہونے  
 سے نبی کے طریق کے موافق دہنے ہاتھ سے دیوار کو چھوا اور اوٹکلیہ نکلو بسہ دیا۔  
 گوشہ جنوبی اور حجر اسود کے درمیان جہان کہ ہمارا طواف ختم ہوا ہمنے کہا کہ اے اللہ  
 پناہ مانگتا ہوں کہ کفر سے بچاؤ پناہ مانگتا ہوں کہ احتیاج سے اور غنا اب قبر سے بچا  
 اور زندگی اور موت کی تکلیفوں سے بچا۔ اور دنیا اور عقبی کی دولت سے تیری طواف  
 بھاک کر آیا ہوں اور بافضل و آئندہ کو تیری بخشش چاہتا ہوں۔ اے رب تو مجھے یمن  
 دنیا میں اور آخرت میں سربزگرا اور غدا بنار سے بچا (ختم ہوا برٹن صاحب کا بیان)  
 اسکے بعد صفا و مردہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ صفات چلتے ہیں اور دونوں کے  
 درمیان سات دفعہ دوڑتے ہیں دوڑتے وقت شانوں کو حرکت ہوتی ہے اور سر سیدھا  
 رہتا ہے جیسے سپاہی معرکہ جنگ میں باڑہ چلا تے ہیں۔ اسکا سبب یہ ہے کہ کہہ لے  
 کھا حضرت کے اصحاب پر نسبت تھے اور کہتے تھے کہ مدینہ کی آب و ہوائ نے اوٹھیں کمزور  
 کر دیا ہے۔ چنانچہ اس الزام کی لغویت ثابت کرنے کو سپاہیانہ طریق اختیار کیا جو  
 اور جب ہی سے یہ طریق سنت ہو گیا ہے اور اثنائ میں یہ دعا پڑھتے ہیں۔ اے  
 میرے رب بخشش اور رحم کر اور اس گناہ سے جو تو جانتا ہے درگزر۔ تحقیق تو

غیب کا جاننے والا اور صاحب بزرگی اور بخشش کا ہے۔ اے ہمارے رب دولوں  
 جہان کی کامیابی عطا کر اور آتش و دوزخ سے نجات دے۔ حجاج کو قرآن کی آیتیں  
 پڑھنی چاہئیں۔ اور یہ سعی ضروری طواف کے بعد یا تو پہلے یا پچھلی طواف کے بعد  
 ہوتی ہے ساتویں دن امام کو مکہ میں دعوت کھنا اور حاجیوں کو حج کے دستور سکھانا  
 ضرور ہے نوین اور گیارہویں دن پھر وعظ ہوتا ہے۔ اٹھویں روز جسے روزِ ترویہ  
 کہتے ہیں حاجی منا کو جاتے ہیں جو مکہ سے تین میل پہلے واقع ہے۔ وہاں سب حاجی معمولی  
 نماز پڑھتے ہیں اور اوس رات وہیں قیام کرتے ہیں۔ (۱) یہ رسم سنت ہے  
 نوین تاریخ صبح کو بعد نمازِ فجر غزوات کو جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر یہ پڑھتے ہیں اے اللہ  
 تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ تجھ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور تجھ ہی کو چاہتا ہوں۔  
 میرے گناہوں کو معاف کر اور حج کو قبول کر رحمت فرما۔ میری ضرورت اس عرفات  
 میں رفع کو قسب پر قادر ہے پھر تائبیہ اور تکبیر اور تحلیل پڑھتے ہیں ظہر کی نماز اختصار کے  
 واسطے ملا کر پڑھتے ہیں۔ اور نماز پڑھنے پہاڑ پر بشہ طامکان اوس جگہ کھڑے ہوتے ہیں  
 جہاں کہ پیغمبر صاحب کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اسے وقوف کہتے ہیں جو حج کا ضروری  
 رکن ہے۔ پھر امام خطبہ پڑھتے جس میں باقی ماندہ آداب حج کی تفصیل ہوتی ہے اپنے  
 حاجیوں کو سطحِ مزدلفہ میں قیام کرنا اور نمازین کنکریاں پھینکنا اور قربانی وغیرہ چاہیے۔  
 اسوقت سب حاجیوں کو باواز بلند برابر تلبیہ اور تکبیر پڑھنا اور زار زار رونا چاہیے۔  
 پھر مزدلفہ کو جو منا اور عرفات کے درمیان واقع ہے جانا۔ اور وہاں کچھ رات بسر کر کے  
 پھر مسجدِ مشعر الحرام کی زیارت کر کے مناکور دانہ ہونا چاہیے۔ عید الضحیٰ کی دسویں تاریخ  
 صبح کو پھر مناجاتے ہیں وہاں تین ارکان (ستون) ہیں ایک حجرۃ العقبہ  
 جسے بالعموم شیطان الکبیر (بڑا شیطان) کہتے ہیں اور ایک کو وسطی (درمیانی) ستون



اور ایک کو الاول پہلا ستون کہتے ہیں جہاں یعنی سنگریزہ دہنے ہاتھ کی انگلی اور پہلی انگلی میں بکڑ کر اتنی دور پھینکتے ہیں جو ۵ افیٹ کے فاصلہ سے کم نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ پڑھتے ہیں - غمزع کرتا ہوں اللہ کے نام سے - اور اللہ عز و جل مطلق ہے۔ اور پھینکتا ہوں یہ کنکریان (ازراہ عداوت شیطان کے اوٹلی ذات کے واسطے) باقی چھ کنکریان بھی اس طرح پھینکتے ہیں مقصد اس سے اون شیاطین کا آزار پہنچانا ہے جو (اون لوگوں کے عندیہ میں) وہاں رہتے ہیں۔ کنکریان بہت چھوٹی ہوتی ہیں تاکہ حاجیوں کے چوٹ نہ لگے۔ ہر کنکری پھینکنے سے پہلے تکبیر ضرور پڑھتی ہیں۔ اسکو رمی الجمار یعنی کنکریان پھینکنا اور حصہ الحرف بھی کہتے ہیں۔ کہ یہ رسم ابراہیم نے وقت سے چلی آتی ہے اور یہ معجزہ ہے کہ سب کنکریان غائب ہو جاتی ہیں ابن عباس صحابی کا قول ہے کہ جس حاجی کا حج خدا قبول کرتا ہے تو اسکی کنکریان غائب ہو جاتی ہیں۔ مشہور محدث مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کنکریان پر نشان کر دیا تھا۔ بعد کو جب تلاش کیا تو کوئی نہیں ملی۔ پھر حاجی منا کو لوگوں کے عیدت کی معمولی قربانی کرتے ہیں۔ باب مابعد میں اسکی تفصیل ہوگی۔ یہی قربانی درحقیقت حج کا خاتمہ ہے۔ اب حاجی سر منڈواتے ہیں اور ناخون کٹواتے اور احرام کھولتے ہیں۔ باقی تین روز یعنی گیارہویں بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو ایام تشریق گوشت سکھانے کے دن کہتے ہیں کیونکہ اسوقت میں حاجی قربانی کے گوشت سے پارچے کاٹ کر اور دھوپ میں سکھا کر لوٹنے کا سامان کرتے ہیں حاجی کو یہ عہدہ مناسبت نہ کرنا اور ہر روز سات کنکریان تینوں ستون پر مارنی چاہئیں۔ جب یہ رسم اچھی طرح ادا ہو جاتی ہے تو حاجی مکہ کو لوٹ کے طواف الوداع (خصت کا طواف) کرتے ہیں۔ چادر فرم کا تھوڑا سا پانی بھی پینا پڑتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب سحیل پہنچے

تھے تو جبریل نے قدم مارا تھا جس سے وہ چٹمہ نکل آیا اب وہ زفرم کے نام سے مشہور ہے  
 اخیر میں حجاج دروازہ کو بوسہ دیتے ہیں اور ہاتھ اٹھا کر کعبہ کا غلاف بکڑکے اور زائر  
 رو کر نہایت عجز سے دعا مانگتا ہے اور بخجیدہ ہوتا ہے کہ الیہ عز و شرفا جیسا کہ خانہ کعبہ  
 سے بہت جلد جدا ہونا چاہیگا۔ اور اٹھا ہٹ کر رخصت ہوتا ہے۔ یعنی کعبہ سے ہٹتے  
 وقت پشت نہیں کرتے اور اسکی طرف کو منہ کر کے اٹھ چلتے ہیں۔ اسوقت حج بالکل  
 تمام ہو جاتا ہے۔ عمرہ۔ یعنی چھوٹا حج سوائے آٹھویں اور نویں اور دسویں ذی الحجہ  
 کے جب چاہیں ہو سکتا ہے۔ عمرہ کے رسوم میں حج سے بخودی فرق ہے۔ احرام بندنہ  
 اور اسکے ساتھ ضروری احتیاطیں سب کرنی پڑتی ہیں۔ اسکے بعد مولیٰ یہ ہے کہ  
 زیارت کرتے ہیں یعنی روضہ پیغمبر صاحب کی زیارت کو مدینہ جاتے ہیں اسی وقت  
 سے مسافر کو حاجی کا مغز لقب ملتا ہے۔ بعد اسکے جن لوگوں میں وہ رہتا ہے ہمیشہ  
 کس قدر اسکی تعظیم کرتے ہیں۔ حج اسطرح نہیں ہو سکتا ہے کہ اپنے حوض میں دوسرے کو  
 بھیجے کہ اگر کوئی ذی قدرت کسی غیر متعلق کو اسطرح بھیجے تو کاخیر سمجھتے ہیں۔ اب  
 ارکان دین (یعنی مذہب کے پانچوں ستونوں) کا بیان ختم ہوا۔ اس سے بخوبی ظاہر ہے  
 کہ اسلام معین اور مقید بقیود ہے۔ اور تیسری باتوں میں نبی کے قول و فعل کو سند گردانا  
 ایسا امر ہے جس سے ثابت ہے کہ اسلام کی کتنی بنیاد سنت پر ہے اور بابل خلاف  
 کے جو بعض خبریات میں بڑے اماموں کے درمیان ہے اس امر کا تصفیہ نہایت شعور  
 ہے کہ صحیح راے کس جانب ہے اسی رائے ہمیشہ کسی حدیث پر مبنی ہوتی ہیں اور حدیث  
 کی تحقیق و دقت غیر ممکن محال ہے کہ فلان حدیث ضعیف ہے۔ یہ ایسی بات ہے  
 جس سے فریق ثانی کو ثبوت یا عدم ثبوت میں دقت پڑتی ہے بعض اوقات مسلمانوں کی  
 تعریف میں کہا جاتا ہے کہ وہ مولویوں کے ایسے محکوم اور غلام نہیں ہوتے جیسے عیسائی

پادریوں کے اختیار میں ہوتے ہیں لیکن دنیا میں ایسی کوئی قوم نہیں جو اس قدر حد تک  
 کی محکوم اور پابند ہو۔ (اگر کوئی ایسا محاورہ استعمال کرے)۔ جب تک وہم کی قید ٹوٹ  
 نہ جاوے ہرگز ترقی اور روشنی نہیں ہو سکتی ہے لیکن اگر یہ قید  
 ٹوٹ جاوے تو اسلام اسلام نہ رہے کیونکہ ایمان کی یہ اصل اور جو کچھ اسپر نکال گیا تھا  
 دونوں ایسے وابستہ ہیں کہ ایک کا استیصال دوسرے کا انہدام ہوگا ۛ

## ضمیمہ باب پنجم

یہ فتویٰ ۱۳ فروری ۱۹۵۸ء کو مدراس کی محکمہ جامع مسجد میں سنایا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشروع کتابوں اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے اسے علماء دین و مفتیان شرع متین آپ اس باب میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قرآن کے ایک پارہ کا ترجمہ کر کے ہندوستان میں پھیلوایا ہے۔ وہ ترجمہ ناقص دوسرے عربی متن اوسکے ساتھ نہیں ہے۔ ترجمہ کو اصل کے برابر معتبر قرار دینے کیواسطے عربی نسخوں کی معمولی علامات مثلاً ط۔ اور قف۔ اور ج۔ لا۔ م۔ ا۔ سب رہنے دیئے ہیں۔ پارہ کے آخر میں اس شخص نے تشہد اور قنوت۔ ثنا۔ اور تہود۔ اور قسمیہ۔ اور بیحیات۔ اور رکوع اور سجدہ کا لگا دیا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ان سب کو ہندوستانی میں پڑھنا چاہیئے۔ اور یہ کہتا ہے کہ میں نے ترجمہ میں نظم عربی نگاہ رکھا ہے۔ اور فصاحت و طرز بیانی میں عربی کے برابر ہے۔ اوسنے سنائی کہ ہدایت بھی لکھ دی ہیں اور کہتا ہے کہ جو عربی نہیں جانتے ہیں انھیں اس کا ترجمہ پڑھنا واجب و فرض ہے ورنہ گنہگار ہیں اور اذکی نماز بیکار ہے گزشتہ کی نسبت اوسکی یہ رائے ہے کہ ناواقفوں کی بخشش ہوگی۔ لیکن اس زمانہ کے علماء جو لوگوں کو عربی ترجمہ کے پڑھنے کی ہدایت نہیں کرتے ہیں البتہ اپنی غفلت کے مواخذہ دار ہونگے۔ دوسرے اپنے عقائد کی تائید میں ایک حدیث صحیح نقل کرتا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ نبی نے اپنے صحابی سلمان فارسی کو نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے کی اجازت دی تھی اور یہ دعوے ہے کہ چاروں اماموں کی بھی رائے یہی تھی۔ خود عربی جانتا ہے۔ لیکن نماز

ہندوستانی میں پڑھتا ہے۔ اور اورون کو دیسا ہی کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ چہر  
 منع کیا لیکن نہیں سنتا اور اپنے فرقہ کو تمام ہندوستان میں پھیلا نا چاہتا ہے۔  
 پس ایسے شخص کی نسبت شرع شریف کا کیا حکم ہو اور جو لوگ اوسکی پیروی کرنے  
 ہیں یا جو لوگ اوسکے عقائد کو پھیلاتے ہیں یا جو شخص اوسکو دیندار اور ہدایت کرنے والا  
 جانتے ہیں یا جو شخص ترجمہ مذکورہ کو قرآن شریف سمجھتے ہیں یا جو لوگ وہ ترجمہ اپنی  
 اولاد کو سکھاتے ہیں اوسکا کیا حال ہوگا۔ اسے عالمون شرع کا حکم اسباب میں بتاؤ  
 اور ثواب حاصل کرو۔

## جواب

بعد حمد و صلوة کے واضح ہو کہ شخص مذکور کا فرد علیحدہ ہے اور حق سے برگشتہ  
 ہے اور اورون کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اوسکا یہ دعویٰ ہے کہ میرے عقائد چاروں ائمہ  
 کی رائے کے مطابق ہیں سراسر لغو ہے کیونکہ امام شافعی اور امام مالک اور امام حنبل کے  
 نزدیک نماز میں قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنا درست نہیں عام اس سے کہ نمازی عربی جانتا ہو  
 یا نہ جانتا ہو مثلاً امام شافعی کے شاگرد امام نوازی کا قول ہے کہ نماز میں فارسی کا استعمال  
 کسی طرح جائز نہیں مالک کے شاگرد فقہی علی کہتے ہیں فارسی نماز میں حرام ہے۔ اسکے  
 مطابق امام حنبل کا قول ہے کہ نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنا حرام ہے۔ دوسرے خود  
 قرآن سے ثابت ہے کہ عربی میں پڑھنا فرض ہے۔ قرآن سے مراد عربی قرآن ہے  
 کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ وہ بزبان عربی نازل ہوا ہے۔ اور اس حکم سے کہ پڑھو  
 جتنا آسان ہو قرآن سے، فاقروا ماتیس من القرآن، ثبات ہے کہ اوسکا طرہ معنا  
 فرض ہے اور یہ قول اللہ تعالیٰ کا، انا انزلناہ قرآناً عربیاً اور یہ تحقیق ہے قرآن  
 عربی میں نازل کیا۔ دلالت کرتا ہے کہ عربی قرآن کے استعمال سے مراد امام ابو حنیفہ

اور ان کے شاگرد صاحبین (امام محمد اور امام ابو یوسف) کی یہ رائے ہے کہ اگر کوئی قرآن کی مختصر آیت بھی پڑھ سکتا ہو تو اسے ترجمہ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ اگر وہ صرف عربی نہیں پڑھ سکتا ہے تو اسے کوئی ایسی آیت جیسے الحمد للہ رب العالمین ہے بربیان یا دکر لینی چاہیئے اور جب تک کوئی آیت یاد نہ ہو تب تک ترجمہ استعمال کئے۔ تنویر الابصار میں لکھا ہے کہ ایسا آیت کی قنوت فرض ہے اور اس کا حفظ کر لینا فرض نہیں ہے (یعنی تنہا نفس پر لازم ہے)۔ مسیح الاطهرین لکھا ہے اگر کوئی شخص سوا سے عربی کے کسی دوسری زبان میں نماز پڑھے تو وہ مجنون ہے یا مردود۔ اور درباب قول ضمیر کے کہ نمازی کو چند عرصہ تک ترجمہ کا اختیار کرنا جائز ہے خوب معلوم ہے کہ اونھوں نے بعد کو یہ رائے بدل دی تھی۔ اور قول شخص مذکور کا درباب مسلمان فارسی کے نا درست ہے۔ نہاب (شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ بعض فارسیوں نے مسلمان کو لکھا اور درخواست کی کہ ہمیں فارسی میں - درود فاتحہ کا ترجمہ بھیج دیجئے اونھوں نے فارسیوں کی درخواست منظور کی اور وہ لوگ اس فارسی ترجمہ کو اس وقت تک استعمال کرتے رہے جب تک عربی بخوبی نہیں پڑھ سکتے تھے نبی نے یہ حال سن کر کچھ لحاظ نہ کیا۔ لیکن یہ روایت معتبر نہیں ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا تو اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ جب تک عربی کے الفاظ یاد نہ ہوں تب تک ترجمہ کا پڑھنا جائز ہے کسی امام نے یہ نہیں کہا کہ ترجمہ کا پڑھنا فرض یا واجب ہے پس اگر شخص مذکور یہ کہتا ہو کہ اس کا ترجمہ پڑھنا فرض ہے تو اس کے یہی ہیں کہ اصل عربی کا پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ ناجائز ہے۔ اور یہ کفر ہے پس یہ شخص کافر ہے کیونکہ تمام علماء متقدمین کو جنھوں نے نبی کے زمانہ سے اب تک لوگوں کو عربی نماز پڑھنے کی ہدایت کی ہے گنہگار ٹھہرانا چاہتا ہے۔ علاوہ برین اس سے عالم فقیہوں کے قول سے انکار ہے اور اب کسی کی نصیحت نہیں سنتا ہے۔ وہ اپنا ترجمہ نماز میں خود

پڑھتا ہے اور اونسے پڑھواتا ہے اوسے اس بات کا دھم ہے کہ میرا ترجمہ اصل کے برابر ہے اوسنے دعاء قنوت اور ثناء اور رکوع اور سجود کی تفسیحات کا ترجمہ کیا ہے اور کہتا ہے کہ انھیں نماز میں پڑھنا چاہیئے۔ پس ظاہر ہے کہ وہ شخص نماز میں عربی کے رواج کو موقوف کرنا چاہتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند ہی عرصہ میں مختلف ترجمہ پھیل جاویں گے اور تورات اور انجیل کی طرح قرآن کے نسخوں میں بھی تحریف ہونے لگیگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ جو کوئی حرام کو حلال یا برعکس اوسکے سمجھے تو کافر ہے۔ اگر کوئی بغیر کسی سبب ظاہر کے ایک عالم سے بھی عداوت رکھے اوسکی دینداری مشکوک ہے۔ جو شخص بعد قصور کے باوجود سمجھانے کے توبہ نہ کرے وہ کافر ہے۔ تحقیق شرح حسینی میں لکھا ہے کہ قرآن کو فارسی میں ترجمہ کرنا اور اوسے پڑھنا حرام ہے۔ فتاویٰ مطلوب المؤمنین میں جو شخص قرآن کو فارسی میں لکھنے کا ارادہ کرے اوسے جاکید منع کرنا چاہیئے۔ اتفاق میں لکھا ہے بموجب اجلع کے قرآن کو نظم کننا درست نہیں۔ فتاویٰ تاتار خانہ میں آیا ہے کہ عربی کو فارسی میں ترجمہ کرنا کفر ہے۔ پس ہماری رائے اسباب میں یہ ہے کہ ایسے شخص سے معمولی اسلام بھی ترک کرنا چاہیئے۔ اگر وہ قوت ہو تو مسلمانوں کے قبرستان میں ہرگز دفن کرنا نہ چاہیئے۔ مفتاح السعادت کے مسئلہ کی رو سے اوسکا نکاح باطل ہے اور اسکی بی بیان نکاح سے باہر ہیں۔ ایسے شخص کے کفر میں شک لانا بھی کفر ہے۔ چونکہ بدلائل شرعی جو بیان نقل کی گئی ہیں علماء نے ایسے شخص کو کافر ٹھہرایا ہے تو اس سے ثابت ہے کہ جو لوگ اوسکے معاون ہوں یا اوسکے دعوے کو حق جانیں یا اوسکے عقائد کو شہرت دین یا اوسے دیندار یا عمدہ رہنما سمجھیں وہ بھی کافر ہیں۔ ایسے شخص کے پاس اپنی اولاد کو تعلیم کے واسطے بھیجا یا اودن اخبارات کو خریدنا نہیں

اوسکی رائین مشتر ہوتی ہوں یا اوسکے ترجمہ کو جاری رکھنا حرام ہے۔ فتاویٰ ملکیہ کے باب الزنا میں کیا ہے کہ جو کوئی ایسے شخص کے بالفعل کافر ہونے اور عقیقہ امین غذا پانے میں شک لاوے وہ کافر ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے اے آپس میں مدد کو نیک کام پر اور پرہیزگاری اور مدد نہ کرو گناہ پر اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے (المائدہ ۳۰) دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے جو کوئی حکم الہی پر عمل نہیں کرتا ہے وہ کافر ہے پس اس سے زیادہ نا فرمانی اور کیا ہے ایک شخص عربی قرآن نماز میں پڑھنا درست نہیں جانتا اور ہندوستانی ترجمہ کو جواد سے کیا ہے فرض بتاتا ہے ہمارا کام مسلمانوں کو اکاہ کرنا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ اس فتویٰ کو ایک عالم مولوی نے لکھا تھا اور شہر مدر اس کے ۲۴ علماء کے دستخط اور سپر ثبت تھے۔

یہ فتویٰ جسکی صحیح نقل میرے پاس موجود ہے اس امر کے اظہار کو نہایت کارآمد ہے کہ شرع اسلامی جن ملکوں میں پائی جاتی ہے اون ملکوں کے اختلاف حالات سے کیسی نامناسب ہے جو شریعت عربی زبان کو عبادت کا وسیلہ گردانتی ہے وہ عربوں کے مناسب تھی۔ اور اوس سے ضمیمہ پایا جاتا تھا کہ جس ملک میں مسلمان رہتے ہوں وہ اپنے ملک کی زبان میں عبادت کرتے لیکن میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ اسلام کی بنیاد ایسے حکموں پر ہے جو بدلتی نہیں ہیں بلکہ اوسمیں یہ گنجائش نہیں کہ زمانہ و ملک کی ضرورتوں کے مناسب ہو سواے اسکے اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ایسے کل معاملات میں زمانہ کے یا ملک کی ضرورتوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے بلکہ (قدیم مسائل پر جو بنیاد تقویم پارینیہ کے ہیں یا) پڑانی شریعت پر جواز روے حالات دنیا اسوقت کے مناسب نہیں ہے لحاظ کیا جاتا ہے۔ چاروں اماموں کے اقوال پر نظر کرنے اور اس بات پر لحاظ کرنے سے کہ یہ فتویٰ اون اماموں کی رائے کے



مطابق اور اون اگلے فتوؤں کے مطابق ہے جو اماموں سے سند پکڑتے ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج کے دن تک مجتہدین اسلام کی کس قدر توقیر ہے۔ پس یہ ظاہر ہے کہ یہ فتویٰ موافق شیعہ ہے اور جو کچھ باب اول میں اصول اسلام پر مبنی بحث کی ہے اسکی مطابق ہے

## چھٹا باب مسلمانوں کے تیوہاروں اور روزہ کے بیان میں

۱۔ محرم محرم جو سن محمدی کے پہلے مہینہ کا نام ہے اب ماتم کی ادن دنوں کا نام ہو گیا ہے جو شیعہ لوگ عہی کے اور اون کے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کی شہادت کی یاد میں صرف کرتے ہیں واقعات تاریخی شہادت کی نسبت تیسرے باب میں ذکر کر چکا ہوں۔ اس واسطے اب صرف ادن رسوم کے بیان کی ضرورت ہے جو محرم میں ہوتے ہیں۔ یہ سب سے پہلے ہندوستان کے محرم کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

محرم سے چند روز پیشتر عاشورہ خانہ (جسکے لفظی معنی دس دن والے گھر کے ہیں۔ طیار کیا جاتا ہے۔ اور جب ہی چاند دکھائی دیتا ہے سب لوگ عاشورہ خانوں میں جمع ہو کر شربت پریاٹھائی پر حسین کے نام کی فاتحہ پڑھتے ہیں اور ختم فاتحہ کا آٹھ ہوتا ہے اے خدا اسکا ثواب حسین کی روح کو پہنچے وہ شربت اوڑھائی محتاج کو دیتے ہیں۔ پھر وہ ایک جگہ الاؤ کے واسطے معین کرتے ہیں جس میں ہر رات آگ جلائی جاتی ہے اور سب لوگ بڑھے اور جوان اوس الاؤ کے گرد حلقہ باندھ کر اور تلواریں اور لکڑیاں ہاتھ میں لیکر خوب کودتے ہیں اور چلا چلا کر کہتے ہیں۔ علی

سردار حسین - سردار حسین - دولہا - دولہا - دوست - دوست - سیکڑوں  
 دفعہ یہی الفاظ آواز بلند کرتے ہیں -

اس ملک کے بعض اصلاخ میں یہ لوگ امام باڑہ (امام کا گھر) بنواتے ہیں۔  
 امام باڑہ اکثر مستحکم مکان ہوتا ہے جس میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعد کو بنانے والے کی  
 اور اوسکے گھر کے لوگوں کی قبریں ہوتی ہیں۔ جنوبی ہندوستان میں صرف عاشورہ  
 بنانے کا دستور ہے۔ یہ مکان یا بڑا دلان بالعموم چند روز کے واسطے عرض کے  
 مناسب ہوتا ہے۔ بعض جگہ اوسکی دیواروں پر سیاہ کپڑا چڑھاتے ہیں اور مٹے  
 عمدہ خط میں قرآن کی آیات لکھتے ہیں۔ غرض کہ ایسی جگہ کو نہایت آراستہ کرتے  
 ہیں۔ ایک جانب تعزیئے اور تالوت رکھے ہوتے ہیں جنھیں بانسوں سے بناتے  
 ہیں اور ابرق اور پتی وغیرہ اوپر سے مڑھ کر نہایت آراستہ کرتے ہیں جو دیکھنے  
 میں بڑی چمک دمک کسے ہوتے ہیں۔ یہ تعزیئے اوس روضہ کی نقل ہیں جو میدان  
 اکبر میں حسین کی مشہد پر بنا ہے۔ پیغمبر کی قبر مدنیہ میں سے کبھی اوسکی نقل پر بھی بناتے  
 ہیں۔ ان تعزیوں میں زر کشیدہ ہوتا ہے۔ جب اوپر روشنی کیجاتی ہے تو عجیب  
 بہار معلوم ہوتی ہے۔ تعزیوں کے پیچھے متعدد چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنھیں ان  
 چیزوں کے مشابہ سمجھتے ہیں جو معرکہ کربلا میں حسین نے استعمال کی تھیں۔ مثلاً  
 ستھری گڑھی۔ عمدہ تلوار۔ ڈھال۔ تیر کمان۔ مبر (پلیٹ) اس طرح لکھتے ہیں کہ  
 بولنے والا کہہ کی طرف رخ کر سکے۔ علم یعنی جھنڈے جو اکثر تانبے اور پتیل کے ہوتے  
 ہیں اور کبھی سونے چاندی کے۔ دیواروں سے لگے رکھے رہتے ہیں معمولی علم یہ  
 ہے کہ ایک پنجہ بانس کے اوپر لگا ہوتا ہے یہ پنجہ بختن کی علامت ہے جو نبی کے  
 گھرانہ کے لوگ تھے اور شیعوں کی خاص پہچان ہی ہے۔ علموں کی جدا جدا نام ہوتے ہیں

شعاعی کے ہاتھ کا علم۔ فاطمہ کا علم نفل کا علم۔ جو حسین کے گھوڑے کی نفل کی علامت ہے۔ علی ہذا القیاس بہت اور نام ہیں (جبکا ذکر فضول ہے) اُمنیون اور قنبدیون اور نغین لالینون سے اور بھی بہار بڑھ جاتی ہے۔ ہرشب کو ان عاشورہ خاوندین کثرت سے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ وسط میں ایک چوترہ ذرا اونچا ہوتا ہے۔ اوپر چند مرثیہ خوان آواز ملا کر کوئی ایک گھنٹہ تک پڑھتے ہیں لیکن سننے والے جو زمین پر بیٹھ کر خوب غور و فکر سے سنتے ہیں اور نہ عجیب اثر ہوتا ہے جب مرثیہ خوان فدا وقفہ کرتا ہے تو سامعین میں کمر جھاتیان پٹیتے ہیں۔ خود بخود یا بہ تکلف رقص اور چلاتے ہیں لیکن بڑا اتم اسکے بعد کی ایک رسم پر ہوتا ہے۔

جب مرثیہ ختم ہو چکتا ہے تو واقعہ خوان (واقعات کا پڑھنے والا) ممبر سر چڑھ کر اسکی چوٹی پر یا میچے کے پایہ پر بیٹھتا ہے اور واقعات تاریخی سناتا ہے اور اسلئے ساتھ عجیب روایات حدیثوں سے شہید موصوف کی توصیف میں پڑھتا جاتا ہے بعض وقتا وہ خود جو ش میں آجاتا ہے اور سننے والوں پر ایک حالت طاری ہوتی ہے۔ دمل کلبیان چشم دیدہ ہے جو ایک شب کسی عاشورہ خانہ میں گذرا تھا۔ پہلا وہم خوان فارس کا رہنے والا تھا اسنے نہایت فصاحت سے اپنی زبان میں کچھ بیان کیا اور سننے والے سکوت میں تھے۔ جب وہ کہہ چکا تو ایک بزرگ شخص نے خوش بیانی سے جلدی جلدی ہندوستانی میں بیان کیا پھر کایک سینڈلون سے اتر دستار پھینک مضطربانہ جماعت میں گھس پڑا اور بے تحاشہ چیخیں مارتا تھا اور تڑپتا تھا۔ سننے والوں پر عجیب حالت طاری تھی۔ عمر رسیدہ بزرگ لوگ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تھے۔ اور اوسمی کے متصل زنا نخلانہ سے دردناک آواز عورتوں کے رونے کی آتی تھی۔ اگرچہ نظر کے سامنے وہ تھیں لیکن پڑھنا

سب سن سکتی تھیں کچھ عرصہ کے بعد ایک جماعت اٹھی اور وصفین باندھ کر ایک دوسرے کے مقابل کھڑی ہوئیں پھر ایک لڑکے نے چند الفاظ خوش الحانی سے پڑھے۔ اور کل جماعت نے علی۔ علی اور حسین۔ حسین کر کے اول آہنگی سے حرکت کرنی شروع کی پھر ہر شخص زور زور سے چھاتی مٹینے لگا۔ اور آخر کار اونکا جوش و خروش اس حد کو پہنچ گیا کہ جتنے آدمی اون صفوں میں تھے دیوانوں کی طرح معلوم ہوتے تھے بعض جگہ ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ ماتم کرنے والے ایسی سخت ضربیں لگو ہے کی زنجیر دن سے لگاتے ہیں کہ چھاتیوں سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر کار بخود ہو جاتے ہیں پھر سب لوگ کسی عاشورہ خانہ کو چلے جاتے ہیں اور وہاں بھی یہی ہوتا ہے۔ شوقین آدمی ہر شب کئی عاشورہ خانوں میں جاتا ہے۔ دن کو بعض پرہیزگار شیعہ قرآن پڑھتے ہیں پڑی ہوئی عورتیں ان آیام میں زنا ستخانوں میں جا کر عورتوں کو مرثیہ سناتی ہیں اور گھر کی عورتیں بڑے شوق سے عشرہ محرم میں مٹھلین کرتی ہیں۔

محرم کے چھ روز کوئی اور نئی بات نہیں ہوتی ہے۔ ساتویں تاریخ علم قاسم بڑے ازدحام سے نکلتا ہے۔ حسن کے بیٹے قاسم کی شادی حسین کی بیٹی کے ساتھ موت سے عین قبل ہوئی تھی چنانچہ اس شادی کی یادگار میں یہ علم اٹھایا جاتا ہے۔ معمول یہ ہے کہ ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اسکے ہاتھ میں یہ علم رہتا ہے اور جو کسی پیادہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو وہ مخمور کی طرح رنج کے اظہار کے واسطے گرتا پڑتا ہے۔ اور وہ لوگ دولہا دولہا کہہ کر غرے مارتے ہیں۔ مشہور جگہوں میں گشت کرنے کے بعد لوگ علم کو اس عاشورہ خانہ کو لوٹال لاتے ہیں جہاں سے نکالا تھا۔

چونکہ وہ علم یادگار ماتم ہے بمنزلہ شہید کے تصور کیا جاتا ہے۔ پھر اس سے لٹا کر پڑا دھاک دیتے ہیں اور نفس کی طرح اس کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ مردہ کی طرح اوپر

نوحہ کرتے پھر شربت آتا ہے اور اوپر فاتحہ پڑھی جاتی ہے اسکے بعد علم کو اوسکی جگہ پر نصب کر دیتے ہیں۔ نیزہ یعنی برجھے کو جسکی نوک پر لمبو چھدا ہوتا ہے اس امر کے یاد دلانے کے حسین کا سر زینے کا ٹکڑا طرح پھرایا تھا اثر و حام کے ساتھ جا بجا گشت کرتے ہیں۔

نفل صاحب سے مراد حسین کے تیز گھوڑے کی یاد دلانی ہے۔ اس جھنڈہ پر اکثر عقین مانگتے ہیں۔ مثلاً کوئی عورت کہے۔ اگر تمہارے طفیل میں میری اولاد ہو تو میں تمہارے ساتھ اوسے دوڑاؤں گی۔ اگر مرد پوری ہو جاوے اور لڑکا کثات اٹھو برس کا ہو جائے تو ایک چھوٹی سی چھتری ہاتھ میں لیکر نفل صاحب کے پیچھے دوڑتا ہے۔ جب دو علم کسی جگہ آکر ملتے ہیں تو بلبلیک ہونا کہتے ہیں اور اوپر فاتحہ پڑھتے ہیں اور دونوں اپنی راہ کو چلے جاتے ہیں۔ براق بھی جسے اوس گھوڑے کی نقل سمجھتے ہیں جو جبریل محمد صاحب نے واسطے شب معراج کو لائے تھے۔ باہر نکالا جاتا ہے۔ دسویں تاریخ سے پہلی رات جو مسلمانوں کے حساب سے دسویں نکلاتی ہے (یعنی شب شہادت کو) سب تعزیئے اور علم باہر نکالے جاتے ہیں۔ اس رات ٹبری بھیڑ ہوتی۔ مرد اور لڑکے عجیب شکلوں سے مشکل ہو کر اور طرح طرح کے بھیس بدل کر ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں دسویں تاریخ عشرہ کو الاؤں میں آگ جلاتے ہیں اور ہر عاشورہ خانہ میں فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اسکے بعد علم اور تعزیہ کسی کٹادہ میدان میں جو بمنزلہ کربلا کے ہوتا ہے دریا کے یا تالاب کے قریب لاتے ہیں اور دوبارہ فاتحہ پڑھ کر آرایش اور آسائش کی چیزیں اوتار کر فقط تعزیوں کو دریا میں ڈال دیتے ہیں (۱) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے سال کے واسطے رکھ چھوڑتے ہیں۔ پہلی سال نہیں بہاتے ہیں۔ پانی لوگوں کو اوس شدید تشنگی کی یاد دلاتا ہے جو حسین پر موت سے پہلے گذری تھی فقط علموں کو پانی میں ڈبو دیتے ہیں۔ براق اور نفل صاحب کو نہیں ڈبو تے

پھر خوشنویں جلاتے اور مرثیہ پڑھتے ہیں اور گھر کو لوٹ کر علموں پر اور تریاق وغیرہ پر فاتحہ دیتے ہیں، بارگاہین تاریخ تمام رات بھیکر قرآن و مرثیہ پڑھتے ہیں اور امام حسین کی تعریف کرتے ہیں ۳۰ تاریخ کو کھانا پکوا کر اور فاتحہ اوسپر دیکر محتاجوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ بعض بڑے پرہیزگار شیعہ محرم کے بعد چالیسویں دن چلم کرتے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق اسی روز حسین کا سر اور دھڑ گرا گیا اوس دن کو عیدِ سر دین کہتے ہیں۔ محرم کی رسوم میں سنی سوائے اسکے کہ تماشا نیوان کے طو پر ہوں اور کس طرح نہیں شریک ہوتے۔

یہ سچ ہے کہ جس جگہ حکومت قوی اور حاکم زبردست نہیں ہے۔ حضرت علی کے اور اونی البیت کے حالات سن کر بڑا جوش و خروش پیدا ہو جاتا ہے جو اکثر بڑے فساد کا موجب ہوتا ہے۔ پہلے تین خلیفوں کی اکثر ایسی مذمت کی جاتی ہے کہ کوئی سنی اوسکا متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔ شیعہ اوسنیوں کے درمیان بڑا تفرقہ ہے اور محرم کا ہر سال واقع ہونا اور بھی اوسکے قیام کا باعث ہے۔

لیکن دسویں تاریخ عشرہ کو سنت کے موافق ایک تہ ہار ہوتا ہے جسے سبانتے ہیں۔ اوس دن کو نہایت تسخس جانتے ہیں کیونکہ اوس روز کہتے ہیں کہ خدا نے آدم اور نوح اور اپنے تخت اور بہشت اور دوزخ کو اور سعد الت اور لوح و قلم اور تقدیر اور زندگی اور موت کو پیدا کیا۔ اور کھڑی تیار کرتے ہیں۔ پھر حسین کے نام پر اور جو لوگ انکے ساتھ شہید ہوئے تھے انکے نام کی فاتحہ پڑھ کر حسب معمول محتاجوں کو دیدتے ہیں۔ چند رکعات نماز نفل اور اوسکے ساتھ دعا بھی پڑھتے ہیں۔ اوس روز قبرستان کو بھی جلتے ہیں اور پھول اپنے دوستوں کی قبروں پر چڑھاتے ہیں اور فاتحہ پڑھتے ہیں ہر سال کے مسلمانوں نے اپنے تئیں ہار دین بہت سی رسمیات کی نقل کر لی ہیں۔ تعزین کا

ہجوم کے ساتھ نکالنا اور پانی میں بہانا ہندو کی درگا پوجا سے بہت مشابہ ہے۔ (جنوبی ہندین) (دسویں دن یعنی) دوسرہ کو ہنوبہ شیو کی جورو درگا کی مورت کو لنگامین ڈال دیتے ہیں۔ جو چڑھاوے مسلمان لوگ زیارات پر مختلف اوقات میں چڑھاتے ہیں مثلاً چاند صاف کیا ہو انگی اور پھول اور مندر وں کے چڑھاؤ وں سے ملتے ہیں۔

محمدیوں کا طریق عبادت ایسے ملک کے واسطے جہاں کہ بت پرستی کا غلبہ تھا۔ بہت سیدھا سادہ تھا۔ چونہ نسبت فہم اور قلب کے خواہشوں اور خیالوں سے زیادہ تعلق رکھتا تھا۔ اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنے تیوہاروں میں نائش اور زیبائش بہت سی باتیں ہندوؤں سے اختیار کی ہیں ایسا کرنے سے اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں میں باطل رسوم بہت بڑھ گئی ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ انکی مفسد طبیعت کو نرم کر دیا ہے اور اگرچہ پستی شیعہ کے ان رسوم کو بیدین سمجھتے ہیں لیکن حقیر سمجھتا ہوں کہ وہ ان سے درگزر کرتے ہیں۔ دوسرے اسکے ساتھ یہ بات بھی شاید کچھ اثر رکھتی ہے کہ برٹش گورنمنٹ انڈیا و ان لوگوں کو جو ان میں خلل ڈالتے ہیں سزا دیتی ہے۔ پھر بھی ہندوستان کے شیعہ اور شیون اور شیون میں اتنا اتفاق اور ایک کو دوسرے کا اس قدر لحاظ ہے کہ ترک کو ایرانی کے ساتھ یا ایرانی کو ترک کے ساتھ نہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بعض مسلمان شاعر شیعہ اور سنی دونوں مذہب رکھتے ہیں مثلاً والی نے اپنے نظم میں اول مختصر منقبت چاروں خلفاء کی لکھی ہے اور پھر حضرت علی کی اور انکے بیٹوں حسن حسین کی جنھیں امام زین کتبی بڑی تعریف کی ہے۔ حضرت علی کی فاتحہ میں یہ دعا پڑھتے ہیں میں التجا کرتا ہوں کہ خدا غایت کرے اوس روح پاک کے طفیل سے جو کتاب آفرینش کی زیبائش اور معجزی اول خلق کے اور ستارہ مخلوق کے اور نہایت قیمتی موتی و ج خوبی کے مالک بلندی اور پستی کے جو ہمیشگی کے پل پر متنازع مقام رکھتے ہیں اور محراب ایمان کے اور مکان شریعت

تحت پر بیٹھنے والے۔ کشتی بچو دین کے۔ آفتاب زمین جلال کی قوت بازو نبی کے مین  
 سزاوار ہیکل توحید کے تمام دینداروں کے دیندار۔ نور منور عجائبات الہی کے۔ باب  
 فتح کے۔ امام دروازہ بہشت کے۔ ساتی آب کوثر کے۔ سزاوار تعریف محمد کے۔  
 خلاصہ آدمیوں کے شہید پاک۔ سر دار ایمان والوں کے امام مومنوں کے علی ابن  
 ابی طالب۔ علی اسد اللہ الغالب۔ میری یہ آرزو ہے کہ خدا البقیل اس پاک خلیفہ کے  
 میری مراد کو جو اس سے مانگتا ہوں ازراہ عنایت کے قبول کرے حسن اور حسین کے  
 فاتحہ مین یہ دعا پڑھتے مین۔ مین التجا کرتا ہوں کہ خدا سے کریم اس نیاز کو قبول کر دے جو  
 دو بہادر مومن کے نام پر کرتا ہوں کہ شہید محبوب خدا اور بیگناہ مقتول شہیدوں کے  
 مین یعنی مبارک ابو محمد حسن۔ اور ابو عبد اللہ حسین۔ اور وہ جو دو زندہ امام  
 اور چارہ عصوم اور ۲ شہداء میدان کربلا کے نام پر کرتا ہوں۔ قبول کرے۔  
 ۲۔ آخری جہاں شعلہ۔ یہ تیواریاہ معفر کے آخر چہار شنبہ کو ہوتا ہے اور اس امر کی  
 یاد مین کیا گیا ہے کہ اس روز نبی کو ایسے عارضے سے جو دوسرے مہینہ مین آپ کی دنیا  
 کا باعث ہوا کچھ تخفیف ہوئی تھی۔ بیٹھی شیر مال پکو الکرنبی جی کے نام کی فاتحہ اون پر پڑھتے  
 مین۔ لیکن نہایت عجیب دستورات سلاموں کا پینا ہے۔ لیٹے کا یا آم کا پتہ یا کاغذ  
 کا پرچہ کسی تگلا کے پاس لیجاتے مین۔ وہ اوپر سات مختصر آیات قرآن کے لکھ دیتا ہے  
 لکھانے والا اس تحریر کو خشک ہونے سے پہلے پانی مین دھو کر سیاہی آنیر پانی کو پی  
 لیتا ہے اس طرح عقبی کی سلامتی اور سلامتی کا یقین دلایا جاتا ہے۔ اور سات سلام  
 مین (۱) سلام قولاً من رب الرحیم۔ سلام بولنا رب مریان سے (۳۶ یس ۵۹)  
 (۲) سلام علی نوح فی العالمین۔ سارے جہان والوں مین فوج پر سلام ہے (صافا ۴۱)  
 (۳) سلام علی ابراہیم۔ ابراہیم پر سلام ہے۔ (۳۷ و ۱۰۹) (۴) سلام علی موسیٰ



وہارون۔ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہے۔ (۱۲۰ و ۱۲۱) (۵) سلام علی الیاس۔ الیاس پر سلام ہے (۱۳ و ۱۴) (۶) سلام علیتم فا وعلوہ خالہ دین۔ سلام تلوہو پونچے۔ تم لوگ پاکیزہ ہو سوا میں سدا رہنے کو بیٹھو۔ (۱۳۹ و ۱۴۰) (۷) سلام ہے علیٰ طلع الفجر۔ امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک (القدر ۹۷ و ۹۸) شیون کے نزدیک یہ دن اچھا نہیں ہے بخوش ہے وہ اوس دن کو چار شنبہ صوری یعنی قیامت کی صوبھو کے جانیکا دن کہتے ہیں۔ برخلاف اونکے شئی اوس دن خوشی ان کرتے ہیں اور اوسے اچھا اور سود جانتے ہیں۔

۳۔ بارہ وفات۔ یہ تیوہار ربیع الاول کی بارہویں تاریخ ہوتا ہے یہ لفظ مرکب ہے بارہ بمعنی دروازہ اور وفات بمعنی موت سے کیونکہ بہتوں کو گمان ہے کہ نبی نے ایسے روز وفات پائی تھی۔ ایک مشہور سلطان متوخ کہتا ہے کہ جب یہ متوحش خبر جہان میں مشہور ہوئی تو سب بدحواس ہو گئے تھے۔ اور بھون نے نذر دنیا کی اور دعائیں مانگیں کہ نبی کی جان کو امان پہونچے۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ ربیع الاول کی دوسری تاریخ اہلی وفات ہوئی اور چونکہ تاریخ وفات مشکوک ہے اس سبب سے اکثر لوگ پہلی سے بارہویں تک ہر روز فاتحہ دیا کرتے ہیں اور جو لوگ بارہ وفات کا روزہ رکھتے ہیں اونکے بیان روزہ سے ایک روز پہلے شام کو ضدل کی رسم ہوتی ہے اور بارہویں کو عرس کرتے ہیں۔

(عرس میں شیرینی پر یا کسی اور چیز پر نیچا پیت اور فاتحہ پڑھتے ہیں) ضدل کی رسم یہ ہے کہ ضدل کی لکڑی کو گھس کر پڑے کو اوس میں تر کرتے ہیں پھر ایک ہجوم کے ساتھ عیگاہ کو یا کسی ایسی جگہ کو جہاں فاتحہ دیجاتی ہے لیجاتے ہیں بعد فاتحہ کے اوسے لوگوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ مقصود اس رسم سے یہ ہے کہ تیوہارون کے دن یا کسی بزرگ کے دن شام کو اطلاع عام ہو جاوے کہ کل معمولی فاتحہ اور نذر دنیا فلاں فلاں مقام پر ہو

بارہویں تاریخ کی صبح کو مسجد دن یا گھر دن میں قرآن پڑھتے ہیں۔ پھر کھانا پکا کر فاتحہ دیتے ہیں بعض آدمیوں کے پاس قدم رسول (نبی کا پاؤں) ہوتا ہے۔ یہ ایک پتھر ہے جس پر قدم کا نشان ہوتا ہے۔ قدم رسول متبرک چیز ہے اور جب جگہ آجکے روز اسے رکھتے ہیں وہ جگہ بڑی زیب و زینت سے آراستہ کیجاتی ہے۔ جب لوگ جمع ہو لیتے ہیں تو چند آدمی جو اس کام کے واسطے مامور ہوتے ہیں نبی کی ولادت اور معجزات اور وفات کا قصہ پڑھتے ہیں تھوڑا سا قرآن اور درود بھی پڑھتے ہیں (ہمارے ملک میں اسے پنجائیت کہتے ہیں) اور اس میں اور بعض اور اضلاع میں زیادہ رواج یہ ہے کہ اس روز کو بمنزلہ یوم وفات نبی کے نہیں مانتے ہیں بلکہ جشن میلاد شریف (یعنی آپ کے بزرگ پیدائش کا تیوار) کرتے ہیں۔ معمولی رسم اسکے بھی ایسی ہی ہے۔ لیکن قدم رسول کے بجائے اٹنا شریف دکھاتے ہیں تھوڑے سے بال ہوتے ہیں جنہیں وحقیقت نبی کی داڑھی اور مونچھوں کے بال سمجھتے ہیں کہتے ہیں اون بالوں کا معجزہ ہے کہ اگر ٹوٹ جاویں تو پھر بڑھ جاتے ہیں اس روز ان بالوں کو گلاب میں تر کرتے ہیں اور جو گوگ اس جلسہ میں شریک ہونے ہیں اس کو گلاب کو پیتے ہیں اور انکھوں کو لگاتے ہیں اس میں بڑا ثواب ہے۔ آثار خانہ میں یعنی جس گھر میں آپ کے بال رکھے ہوتے ہیں فاتحہ اور درود وغیرہ پڑھتے ہیں۔ اس رسم کا ماننا واجب ہے نہ سنت صرف مستحب ہے پھر بھی بالعموم سب مانتے ہیں۔ اتفاق سے ایسا کوئی نکلیگا جہاں شریف کے ازراہ اعجاز بڑھ جانے پر یقین نہ رکھتا ہو۔

۴ شب برات۔ یہ تیوار جسکے نام کے معنی کتابت کی رات کے ہیں۔ ۱۴ دین شعبان قرار دی گئی ہے۔ عرفہ اس سے ایک روز پہلے ہوتا ہے۔ بالعموم عرفہ کو شب برات کہتے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ برات کے معنی کتاب اور نوشتہ کے ہیں کہ اس رات

نقطہ بفرعیم ایک ایسا تیوار اور ہے جس کا عرفہ ہوتا ہے۔

خدا سے تعالیٰ سب اعمال جو بندوں سے سال گذرے میں سرزد ہونے کو ہوتے ہیں کتاب میں مسج کرنا ہے۔ تیسری سوین تا بیس مختارون کے واسطے کھانا پکایا جاتا ہے اور دوسرے اپنے باپ دادا اور رشتہ داروں متوفی کی روحوں کے ثواب پہنچانے کو فاتحہ دیجاتی ہے جب گھر میں سب لوگ جمع ہوتے ہیں تو سورہ فاتحہ ایک دفعہ اور سورہ اخلاص (۱۱۲) تین دفعہ اور آیت الکرسی ایک دفعہ اور آخر میں درود پڑھتے ہیں۔ اسکے بعد خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ اس کام کا ثواب اور جو کھانا مختارون کو دیا ہے اس کا ثواب اس گھر کے رشتہ داروں اور دوستوں کی روحوں کو بطفیل مغیر صائب کے پہنچے پھر وہ لوگ مسجد کو جاتے ہیں اور بعد نماز عشاء چند رکعات نقل پڑھتے ہیں۔ پھر سورہ تین بار پڑھتے ہیں۔ اسکے ساتھ نیت عزو ہے۔ پہلی نیت یہ ہے کہ عمر دراز ہو ورنہ یہ کہ رزق کی کفالت ہو۔ تیسری بُرائی سے محفوظ رہے پھر سورہ دخان (۱۲۴) اسی نیت سے پڑھتے ہیں اور جب کاجی چا۔ ہے اور کوئی سورہ بھی پڑھے۔ اسکے بعد اوٹھ کر مختلف قبرستانوں کو جلتے ہیں۔ اثناء راہ میں پھول خریدتے ہیں جو بعد کو قبروں پر بکھیرتے ہیں۔ پھر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اگر فاتحہ پڑھنے والے کا کوئی رشتہ دار یا دوست اس قبرستان میں دفن نہیں ہے تو ارواح قبور (جو لوگ وہاں دفن ہیں) کے نام پر فاتحہ پڑھتے ہیں جو لوگ بڑے دیندار ہیں وہ تمام رات قبرستانوں میں پھرتے ہیں یہ رسوم فرض و سنت نہیں (نافل جمع نقل کی) ہیں اور ثواب کے کام میں اور اگر حدیث ہے پھر بھی اچھا سمجھتے ہیں اسی سبب سے بدعت حسنہ کہتے ہیں جو دھوین تا بیس عام خوشی کرنا شرعاً بے اصل ہے۔ پندرہویں رات کو گویا مسلمانوں کا گے فاکس ہے آتشباری میں زکریہ صرت ہوتا ہے اور اس تیوہار میں اور وہ کی نسبت زیادہ چھوڑتے ہیں اور فاتحہ کے ساتھ یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے خدا یہ روشنی جو ہم نے اس مبارک رات میں کی ہے بطفیل

رسالت محمد صاحب کے مردوں پر ہمیشہ کی روشنی کا نشان ہوا اور تو ان پر نور کا سایہ کر  
اے خدا تو انھیں قبول کر اور ہمیشہ کی آسائش کا مکان نصیب کر۔

۵۔ رمضان اور عید الفطر۔ رمضان کے روزے رکھنے بھی دین کے ارکان  
خمسہ سے ایک رکن ہے۔ روزہ کی بحث باب ماسبق میں بالتفصیل مذکور ہے۔  
بالفعل انھیں رسوم کا ذکر نا ضرور ہے جو رمضان کے احکام دین سے متعلق ہیں۔  
آغاز اسلام سے سلمان اس مہینے کو بڑا عزیز و مبارک جانتے ہیں کیونکہ اس مہینے میں  
محمد صاحب عبادت تنہائی کے واسطے سال ہا سال غارِ اکو جایا کرتے تھے جو مکہ سے  
چھ میل کے فاصلہ پر چھوٹی پہاڑی پر واقع ہے دوسرے سن ہجری میں یعنی ہجرت مکہ سے  
دوسرے برس میں یہ قرار دیا گیا کہ ماہ رمضان میں روزہ رکھنا چاہیے۔

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن کو کوئی ہدایت کے واسطے اور راہ کی کھلی نشانیاں  
اور فیصلہ نازل ہوا۔ پھر جو کوئی تم میں یہ مہینہ پاوے تو وہ روزہ رکھے (سورہ البقرہ ۱۸۱)  
اس وقت تک سلمان دسویں محرم یعنی عاشورہ کے روز کو خاص روزہ سمجھتے تھے غالباً  
یہودیوں کے ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کے روزہ سے یہ روزہ ملتا ہے، ساتویں  
مہینے میں بھی اور اس کے دسویں روز کفارہ دینے کا دن ہوگا۔ تمہاری مقدس جماعت  
ہوگی۔ تم اس دن آپ کو غمزہ بناؤ،، (احبار ۲۳ و ۲۴) جب محمد صاحب پہلے پہل  
مدینہ کو گئے تھے تو انھیں بڑی توقع تھی کہ یہودی میرے طرفدار ہوں گے لیکن جب انھوں نے  
میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اسی سبب سے انھوں نے قبلہ بدل دیا (صفحہ  
۶۰ دیکھو) اور ہجرت مدینہ سے سال دوم میں رمضان کے روزے مقرر کئے۔ عالم اس  
مہینے کی فضیلت کا یہ سبب بیان کرتے ہیں کہ خدا نے اگلے نبیوں کو (اسی رمضان میں

صحیفے نازل کئے تھے اور اسی مہینے میں لوح محفوظ سے جو ساتویں آسمان میں ہے قرآن نازل ہو کر پہلے آسمان پر آیا اور لیلۃ القدر کو پہلے وحی محمد صاحب پر اتاری تھی۔ ہنسنے اور تدارشب قدر میں اور تو کیا بوجھا۔ کیا ہے شب قدر شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے (سورہ قدر ۱-۳) رمضان کی فضیلت میں محمد صاحب کہا کرتے تھے کہ اوس مہینے میں بہشت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین مقید ہو جاتے ہیں۔ صرف وہی لوگ جو رمضان کو مانتے ہیں بہشت کے دروازے جسے ریان کہتے ہیں داخل ہو سکیں گے ”جو روزہ رکھتے ہیں ان کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور یہ بات کہ دن کا روزہ مقرر کیا رات کا نہ کیا۔ اس باب میں محمد صاحب نے بیشک اس آیت کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور نہیں چاہتا ہے تم پر مشکل (البقرہ- ۱۸۱) رمضان کے مخصوص احکام نماز تراویح اور اعتکاف ہے نماز تراویح کا ذکر قبل اس سے ہو چکا ہے (صفحہ ۲۰۵) بشریب رمضان کو قرآن کا ایک پارہ مسجد میں پڑھنا میں۔ اعتکاف سنت مودہ ہے (یعنی اسکی نسبت حکم تاکیدی ہے) معتکف لینے اعتکاف کرنا والا وہ ہے جو مسجد کے کسی گوشہ میں جو عام عبادت کے علیحدہ ہو عبادت کرے بخاری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اخیر دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے اور آپ کی وقتا کے بعد آپ کے اصحاب اس طریق پر عمل کرتے رہے مقبول یہ ہے کہ مسیون اور مسیونین ضلن کے درمیان کسی تاریخ اعتکاف کرنا چاہیے۔ اگر اوسین کچھ نقصان واقع ہو تو دوسرے دن پھر اعتکاف چاہیے لیکن امام محمد کا قول ہے کہ اقل میعاد اعتکاف کی ایک گھنٹہ ہے بعض عالموں کے نزدیک اعتکاف فرض کفایہ ہے یعنی اگر کسی جماعت کا ایک شخص بھی اوس کام کو کر لے تو کل پر سے اتر جاتا ہے مگر جو کوئی رمضان میں اعتکاف کا عہد کرے تو واجب ہو جاتا ہے سوائے دس اخیر دنوں رمضان کے اور وقت میں بھی اعتکاف کا اختیار

ہے لیکن اور وقت میں صرف مستحب ہے یعنی ثواب کا کام ہے سوائے شافعیوں کے اور سب کے نزدیک معتکف کو روزہ رکھنا بھی چاہئے اور اسکی نیت بھی ضرور ہو مختلف کو حالت اعتکاف میں بخیر اشد ضرورت کے اور وضو و غسل کے (کہ عبارت اوس سے شرعی طہارت ہے) مسجد سے باہر جانا ہرگز نہیں چاہئے جب رات ہو تو مسجد ہی میں کھانا اور پینا اور سونا چاہئے کسی اور وقت کام کرنا قطعاً ناجائز ہے معاملات دین میں اور دن سے گفتگو کرنی درست ہے اور اگر معتکف کوئی کاروبار رکھتا ہو تو اسباب تجارت کی خرید و فروخت کی نسبت حکم یا احکام دیسکتا ہے لیکن تجارت کا مال لانا اوسکے بسائے کی طرح درست نہیں ہے لیکن قرآن کو ایسی آواز سے پڑھنا کہ لوگ سن سکیں بڑا ثواب ہے اس فعل سے ایسا صاحب باطن ہو جاتا ہے کہ اسکی باتیں تیز تلواری کی مانند پڑتی رہتی ہیں یعنی جو کتا ہے وہی ہوتا ہے۔ دعا یا بددعا اسکی بہت لگتی ہے۔ جب تیس دن گزر جاتے ہیں تو روزے رکھنے موقوف کرتے ہیں۔ روزہ کھولنے کو افطار کہتے ہیں اسکے بعد جس دن کھانا کھاتے ہیں اوس دن کو روزہ کھولنے کی عید کہتے ہیں۔ اوس دن مسجد میں نماز پڑھنے سے پہلے صدقہ یعنی خیرات دیتے ہیں۔ عید الفطر کا صدقہ صرف مسلمانوں پر محدود ہے کسی اور کو نہیں دیتے ہیں اور اگر کوئی نماز سے پہلے صدقہ دینے میں تساہل کرے تو اس سے اتنا ثواب نہیں ہوگا جتنا کہ پہلے دینے میں ہوتا اسکا سبب یہ ہے کہ اگر اول روز میں نڈیا جاوے تو غریب لوگ نماز کو مسجد میں جلنے سے پیشتر آسودہ تھو گئے۔ صدقہ اپنی ذات کے واسطے اور اپنی نابالغ اولاد کے واسطے اور باندی غلاموں کے واسطے خواہ مسلمان ہوں یا کافر دیتے ہیں لیکن بالغ اولاد یا جو رو کے واسطے نہیں چاہئے جنوبی ہند میں یہ دستور ہے کہ صدقہ میں اتنے چاول دیتے ہیں کہ ایک آدمی شکم سیر ہو سکے۔ جب یہ ہو چکتا ہے تو لوگ مسجد کو تکبیر کہتے ہوئے (خدا بڑا ہے)

جلتے ہیں عید کی نماز مثل نماز جمعہ ہے باستثناء اسکے کہ عید کو صرف دو رکعت پڑھتے ہیں اور خطبہ جو نماز کے بعد پڑھا جاتا ہے سنت ہے بخلاف اسکے جمعہ کا خطبہ رکعات فرض سے اول ہوتا ہے اور اس کا پڑھنا فرض ہے خطبہ سنتے کے بعد لوگ ادھر ادھر جاتے ہیں ایک دوسرے سے ملتے ہیں بڑی خوشیاں کرتے ہیں۔ معمولی صورت خطبہ عید الفطر کی جو عربی میں پڑھتے ہیں یہ ہے۔

### خطبہ عید الفطر

بسم اللہ الرحمن الرحیم خداے رحمان و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں پاک ہے خدا جس نے رحمت کا دروازہ روزہ داروں پر کھول دیا اور فضل و کرم سے انہیں بہشت میں داخل ہونے کا منصب عطا کیا۔ خدا سب سے بڑا ہے اور سوا اسے اسکے اور کوئی معبود نہیں۔ خدا بڑا ہے اور لائق ستائش ہے۔ وہ اپنے فضل و کرم سے روزہ رکھنے والوں کو بدلہ دیتا ہے اور سنے فرمایا ہے کہ میں روزہ داروں کو عقبیٰ میں مکان اور محل اور بہتری عمدہ نعمتیں دوں گا۔ خدا بڑا ہے خدا بڑا ہے پاک ہے اور اسکی ذات جسے تحقیق قرآن کو رمضان میں ہمارے نبی پر نازل کیا اور جو تمام سچے مومنوں کے پاس اس دین کے واسطے تمام ملائکہ کو بھیجتا ہے۔ خدا بڑا ہے اور تمام ستائش کے لائق ہے اس عید الفطر کے واسطے جو بڑی برکت ہے ہم اسکی حمد و ستائش کرتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اسکی توحید پر جو ہم گواہی دیتے ہیں وہ بیان ہماری سلامتی کا باعث ہوگی اور عقبیٰ میں بہشت میں داخل ہونے کا موجب ہوگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی رحمت اور سلامتی اور ابراہیم اور تمام بڑے انبیاء سب اس کے بندے ہیں وہ سب جن و انس کا مالک ہے جب تک کہ دنیا قائم ہے اوی سے رحمت و سلامتی محمد پر اور ان کے گھرانے پر نازل ہوتی ہے۔

خدا سب سے بڑا ہے اور اسکے سوا اور کوئی نہیں۔ خدا بڑا ہی خدا بڑا ہی اور اسی کو سب  
 ستائش ہے۔ اے گروہ مومنوں کے اور اے جماعت مسلمانوں کی! حق تعالیٰ کی تپیر محبت  
 ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ عید تمہارے واسطے برکت اور کافروں کو نوبزلہ لعنت کے ہے۔  
 جب تک صدقہ نہ دو گے اپنے روزوں کا ثواب نہ پاؤ گے اور تمہاری نمازین آسمان پر  
 پہنچنے سے رک بیٹگی (اس سے مقصود وہ لوگ ہیں جنہوں نے صدقہ نہیں دیا ہے)  
 اے جامعہ مومنین صدقہ تپیر واجب ہے۔ ناج کے چند پانے یا اسکی قیمت محتاج کو دو۔  
 رمضان میں نماز تراویح پڑھنے اور خدا سے عاجزی کرنے اور عتکات میں ہٹھینا اور قرآن  
 پڑھنا تمہارا کام تھا۔ رمضان کے پہلے دس روزوں میں احکام دین کے بجالانے  
 سے خدا کی رحمت ہوتی ہے اور بعد کے دس روزوں میں اسکی بخشش ہوتی ہے اور  
 اخیر کے دس دن اور نو گون پر جو اسکے بجالانے والے ہیں۔ (دربخ کے عذاب سے  
 بچاتے ہیں۔ خدا نے رمضان کو برکت کا مہینہ کیا ہے کیونکہ رمضان ہی کی راتوں سے  
 کیا ایک رات لیلۃ القدر نہیں ہے جو ہزار رات سے بڑھ کر ہے؟ اسی رات جبریل  
 اور ملائکہ آسمان سے اترے تھے۔ وہ رات جو طلوع ہونے فجر تک برکت سے مہرور ہے  
 اس امر کا فصیح بیان کرنے والا اور واضح ثبوت کلام الہی ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جنہ  
 قرآن میں فرمایا ہے کہ ”یہ کلام الہی رمضان میں نازل ہوا۔“ یہ ہدایت کرنے والا اور مہینوں  
 کا اور فرق کرنے والا حق و باطل کا ہے اور مومنوں ایسے مہینے میں مستعد ہو اور خدا کا  
 حکم بجالا دو اور روزہ رکھو۔ لیکن بیمار و مسافر قضا کر کے اور دنوں میں اوتھیں ہی روک  
 رکھیں اور کہو کہ خدا بڑا ہے اور اسی کو سب تعریف ہے۔ خدا نے روزہ کو تپیر آسان  
 کیا ہے۔ اے مومنوں قرآن شریف کی تھکیل سے خدا ہیں نہیں برکت دیا اسکی  
 ہدایت تمہارے تمہارے واسطے منفعت ہے اور حکمت سے مہرور کرتی ہے۔ نفست و مہرور



اور پاک بادشاہ اور فیاض اور نہربان اور پالنے والا اور بردبار اور رحمت والا خدا ہی ہے۔

عورتوں کی جماعتیں اس عید کو جہانگ کے اونکے اسکان میں ہوتا ہے پردہ کی حالت میں خوب خوشیاں کرتی ہیں پردہ کی سواریوں میں وہ اور اونکے بیان اور اونکے بیان لٹنے کو آتی ہیں۔ سب کی سب اس دن کی بڑی تعظیم کرتی ہیں عمدہ عمدہ زیور اور بہار دار لباس پہنتی ہیں۔ تمام زنانوں سے تیوار کے گیتوں کی اور بلند نغموں کی صدائیں اٹھتی ہیں۔ دوست دوستوں سے ملکر خوش ہوتے ہیں نوکر چاکروں کو انعام و اکرام دیئے جاتے ہیں۔ محتاجوں کی یادگاری ہوتی ہے۔ غرض کہ عید کے اس مبارک دن پر ہمہ جہت خوشی کے اسباب نظر آتے ہیں اور گھر کی بڑی بی بی متوسلون اور کینون سے ڈالیان اور مخفے مخافت لیتی ہے اور عنایت و نوازش کا اظہار کرتی ہے۔ (نزدہ حسن علی کی کتاب در باب حالات مسلمان ہند صفحہ ۱۹۲)

۶۔ بقر عید تمام سال میں ہی ایک بڑا تیوار ہوتا ہے۔ اسے عید قربان اور عید الضحیٰ بھی کہتے ہیں اور بالعموم عید الضحیٰ (قربانی کا تیوار) کہا کرتے ہیں۔ ترکی اور مصر میں اس کو ایلام کہتے ہیں۔ اصل اسکی یون ہے۔ ہجرت سے چند مہینوں کے بعد یعنی مکہ کو چھوڑ کر جب مدینہ میں محمد صاحب نے سکونت اختیار کی تو اونھوں نے دیکھا کہ یہودی ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کفارہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ ایک حدیث کا یہ مضمون ہے کہ نبی نے اونسے پوچھا کہ یہ روزہ کیوں رکھتے ہیں تو اونھوں نے کہا فرعون کے ہاتھوں سے موسیٰ نے اور بنی اسرائیل نے غلامی پائی تھی اس واقعہ کی یادگاری میں یہ روزہ رکھتے ہیں۔ اسپر محمد صاحب نے کہا کہ اونکی بہ نسبت ہمارا حق موسیٰ پر زیادہ ہے چنانچہ آپ نے یہود کے ساتھ روزہ رکھا اور اپنے اصحاب کو بھی اسکا حکم دیا

ایام رسالت میں یہی زمانہ تھا کہ محمد صاحب یہود مدینہ سے جو گاہ گاہ ادنیٰ دعوت اسلام میں شریک ہوا کرتے تھے۔ دوستی رکھتے تھے۔ نبی بھی کبھی یہود کی عبادتوں میں جایا کرتے تھے۔ اسکا بقولہ کا تفسیر یہ وسلم یعنی بیت المقدس سے مکہ کی جانب ہوا کیونکہ یہودی تبدیل مذہب پر ایسے آمادہ نہ تھے جیسا کہ محمد صاحب اولاً متوقع تھے دوسرے سن ہجری میں محمد صاحب اور انکے اصحاب پھر یہود کے روزہ میں شریک ہوئے کیونکہ اسوقت میں محمد صاحب نے نیا توہم بقرعید کا مقرر کر لیا تھا۔ عرب کے بت پرست ہر سال ان ایام میں مکہ کا سفر کیا کرتے تھے اور قربانی میں جانور چڑھانا اوس سفر کے اخیر رسم کا ایک جزو تھا۔ اوس جزو کو کہ عبارت اوس سے جانور دن کی قربانی ہے محمد صاحب نے عید میں داخل کیا جو اسوقت مدینہ میں بجائے یہود کے روزہ کے قائم کی تھی اس سے تمام مکے والے راضی اور تمام عرب آپ کے ہوا خواہ ہو گئے۔ محمد صاحب اسوقت تک مکہ کا حج نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ دونوں شہر دن کے باشندوں میں اب تک عداوت چلی جاتی تھی لیکن دسویں ذی الحجہ کو عین اسوقت میں کہ مکہ کے عرب زیچون میں مصروف تھے محمد صاحب نے مدینہ سے جہان کہ اذکا گھر تھا چل کر اور اصحاب کو جمع کر کے عید الضحیٰ یعنی بقرعید مقرر کی۔ دو جوان بکر یاں آپ کے سامنے حاضر کی گئیں ایک کو آپ نے یہ مکہ فرج کیا کہ اے رب میں اس جانور کو اپنے تمام لوگوں کے اور ان سبھوں کا نام پر فرج کرتا ہوں جو تیری توحید اور پیروی رسالت میں گواہی دیتے ہیں اور اے رب یہ محمد کے اور اوسکے گھرانے کے نام پر ہے۔ اس عید کے ماننے والے کو طراوت اب ملتا ہے۔ عائشہ سے روایت ہے کہ نبی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ انسان کا کوئی کام خدا کو عید الضحیٰ کے دن خون بہانے سے زیادہ خوش نہیں آتا کیونکہ بالیقین قربان کیا ہوا جانور قیامت کے دن اپنے سینک اور

بال اور کھرسیت اگر قربانی کرنے والے کے نیک اعمال کے بدلہ کو بھاری کر دیا اور یقیناً  
اوسکا خون زمین پر گرنے سے پہلے خدا کو مقبول ہوتا ہے اس سبب سے تمہیں اوس  
خوش ہونا چاہیے۔

مسلمان کہتے ہیں کہ ابراہیم نبی کو اسمعیل کی قربانی کا حکم ہوا تھا اور یہ کہ کئی مرتبہ اونھوں  
نے اپنے بیٹے کا گلا کاٹنے کی غیر موثر کوششیں کیں یعنی جب چھری چلائی چل نہ سکی تو  
اسمعیل نے باپ سے کہا کہ مجھ پر ہی کا تقاضا ہے کہ آپ کے ہاتھ سے چھری  
خطا کر جاتی ہے انکھیں بند کر کے مجھے ذبح کرو ” ابراہیم نے اس صلح پر عمل کیا اور  
انکھوں پر ٹی بانڈھ کر اور بسم اللہ کر کے جو چھری چلائی تو اونھوں نے گمان کیا کہ بیٹے کا  
گلا کاٹ گیا لیکن دیکھئے اسی اتنا زمین جبریل نے لڑکے کو ہٹا کر ایک مینڈھا  
اوسکی جگہ دیا تھا۔ چنانچہ اس واقعہ کی یاد عید کو ہوتی ہے عید سے ایک دن پہلے عرفہ  
ہوتا ہے طرح طرح کا کھانا کھوا کر اول او سپرنی کے نام کی پھر مردوں کے نام کی یا اور  
جس کسی کے نام پر منظور ہو یا جس سے کچھ مراد مانگی جائے اوسکے نام پر فاتحہ دیکر وہ کھانا  
دوستوں کو بھیجتے ہیں۔ عید کے دن صبح کو دیندار مسلمان عید گاہ کو اور اگر عید گاہ  
نہ ہو تو کسی نامی مسجد کو جاتے ہیں اور راستہ میں تکبیر اللہ اکبر خدا بڑا ہے  
لا الہ الا اللہ سوائے خدا کے اور کوئی بندگی کے لائق نہیں واللہ اکبر خدا بڑا ہے  
اور اللہ الحمد اور اوسیکو سب تعریف ہے۔ وضو کے وقت نمازی کو یہ کہنا چاہیے  
کہ اے خدا اس قربانی کو جو میں آج کروں گا میرے گناہوں کا کفارہ کر اور میرے  
دین کو پاک کر اور قربانی کو مجھ سے دور کر، عید گاہ یا مسجد میں جو نماز پڑھتے ہیں وہ نماز  
جموعہ کی طرح دو رکعات فرض ہیں بعدہ خطبہ پڑھا جاتا ہے مگر خطبہ مندرجہ ذیل سے  
معلوم ہوگا کہ چار اور دو رکعتیں پڑھنی مستحب ہیں۔

## خطبہ عید الضحیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خداے رحمن و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ اللہ اکبر  
 اللہ بڑا ہے۔ سوا خدا کے اور کوئی معبود نہیں خدا بڑا ہے اور سب تعریف کے لائق ہے۔  
 وہ پاک ہے۔ درجات ہیں اسکی ستائش کرنی چاہیے۔ نہ اسکا کوئی صاحب ہے نہ کوئی  
 اسکے برابر ہے۔ سب تعریف اسی کو ثابت ہے۔ پاک ذات اسی کی ہے جسے اسفرنگ  
 سخاوت دی ہے جو عاقلوں کو قربانی مہیا کرتا ہے۔ وہ بڑا ہے کوئی اسکے برابر نہیں۔  
 سب ستائش اسی کو سرا دوار ہے۔ سنو میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی خدا  
 نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اسکا صاحب نہیں۔ اس امر کی شہادت ایسی منور ہے جیسے  
 فجر کا مطلع اور ایسی روشن ہے جیسے عید کا ستبرک روز۔ محمد صاحب اسکے بندہ ہیں  
 جنھوں نے اسکا پیام پہنچایا۔ محمد پر اور انکی اولاد پر اور انکے اصحاب پر خدا کی رحمت  
 ہو جیو۔ اے مسلمانوں کی جماعت تم سبھوں پر جو موجود ہو ہمیشہ خدا کی رحمت ہو۔ اے خدا  
 کے بندو! سب سے پہلے میری فرض ہے کہ خدا سے ڈرین اور مہربان ہوں خدا نے  
 فرمایا ہے ”میں انکے ساتھ ہو گا جو مجھے ڈرتے ہیں اور مہربان ہیں“ اے خدا کے بندو  
 جان لو کہ عید کے دن خوشی کرنی پاکوں اور نیکوں کی پہچان ہے۔ ایسوں کا مرتبہ بہشتی القار  
 میں بلند ہو گا۔ خصوصاً حشر کے دن انھیں عزت و مرتبہ حاصل ہو گا اور روزِ نادانی  
 کے کام منت کرو۔ یہ لو و لعب کا وقت نہیں ہے آج کے دن خدا کی تعریف (تسبیح)  
 کرنی چاہیے کلمہ اور تکبیر اور تحمید پڑھو۔ بیڑے تیار کرو اور عید قربانی کا روز ہے اب تم تکبیر تشریف  
 پڑھو خدا بڑا ہے خدا بڑا ہے۔ خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں خدا بڑا ہے۔ خدا بڑا ہے  
 سب تعریف اسی کو ثابت ہے عرفہ کی صبح سے ہر فرض رکعت کے بعد تکبیر التشریف پڑھنی

مستحب ہے۔ اگر کوئی عورت ہو کہ اس کا امام مرد ہو یا کوئی مسافر ہو کہ اس کا امام مقیم ہو یعنی  
 سکونت مستقل رکھتا ہو تو اسے بھی یہ تکبیر پڑھنی چاہیئے اور یوم عید کی نماز عصر تک نماز  
 کے وقت تکبیر پڑھنی چاہیئے کیونکہ ایام التشریق ۳ دن (صفحہ ۲۳۱) چند محدثوں کی  
 رائے اس باب میں نور الہدایہ جلد ۲ ص ۶۱ میں مندرج ہے۔ اگر امام تکبیر پڑھنا بھول جائے  
 تو سختی کو نہ چھوڑنا چاہیئے۔ اے ایمان والو جان لو کہ ہر مائل جو صاحب نصاب ہے  
 یعنی ۵۲ روپیہ اس کے پاس ہیں اسے قربانی کرنی چاہیئے مگر شرط یہ ہے کہ سرمایہ سوا اس کے  
 سواری اور لباس اور ہتھیاروں اور اثاث البیت اور غلاموں کے ہو بشرط شخص کو اپنے  
 نام کی قربانی واجب ہے لیکن اپنی اولاد کے نام پر واجب نہیں ہے۔ ایک بکرا یا ایک بکری  
 یا ایک گائے سات آدمی چھپے قربان کرنی ضرور ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ قربانی کا جانور کھانا  
 یا اندھا یا لنگڑا یا دبلا نہ ہو۔ اگر تم فربہ جانور ذبح کر دو گے تو وہ تمہارے خوب کام آدیکھا اور ٹیلہ صراط  
 سے اوتا لیجا بیگا۔ اے مومن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے کہ قربانی کو اپنے ہاتھوں  
 سے ذبح کر دو کہ یہ سنت ابراہیم علیہ السلام کی تھی کتاب زاد التقویٰ میں آیا ہے کہ عبد الغفار اور  
 عید الضحیٰ کے دن عید کی نماز فرض کے بعد چار رکعات نفل بھی پڑھنی چاہیئے۔ اول رکعت میں  
 سورہ فاتحہ کے بعد سورہ الاعلٰی (سورۃ) دوسری رکعت میں سورہ الشمس (سورۃ) تیسری میں  
 سورہ الضحٰی (سورۃ) چوتھی میں سورہ اخلاص (سورۃ) پڑھو۔ اے ایمان والو اگر تم ایسا  
 کر دو گے تو خدا تمہارے پچاس برس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کرے گا۔ ان سورتوں  
 کے پڑھنے میں اتنا ثواب ہے جتنا کہ ان تمام کتابوں کے پڑھنے میں جو خدا نے نبیوں  
 نازل کی ہیں۔ خدا کرے کہ ہم بھی ان میں شامل ہوں جنہیں اس نے قبول کیا ہے جو اس کی  
 شریعت پر عمل کرتے ہیں جبکی آرزو آخرت کے دن برادگی قیامت کے دن ایسے لوگوں کو  
 کچھ اندیشہ اور انصاف کے دن امتحان کا کچھ خوف نہ ہو گا۔ سب کتابوں سے

بہتر قرآن ہے۔ اے ایمان والو! خدا ہمیں اور تمہیں قرآن شریف کے وسیلہ سے ہمیشہ  
 کی برکت عطا فرماوے۔ اور کسی آیتیں ہماری رہنما ہوں اور خدا کا ذکر جو دس مین دانائی کے  
 ساتھ ہے بکوراہ راست پر چلاوے۔ خدا سے آرزو ہے کہ سب ایمان والوں کی (مرد و عورتوں)  
 یا عورت بختش کرے۔ اے ایمان والو! خدا سے مغفرت مانگو، حقیقت خدا غفور الرحیم  
 بخشنے والا مہربان اور ابدی بادشاہ اور رحیم اور رحمت والا ہے۔ اے ایمان والو! خطبہ تمام ہوا۔  
 ہم سبھوں کو آرزو ہے کہ خدا کی رحمت و سلامتی محمد مصطفیٰ پر ہے۔

پھر نازی اپنے گھروں کو اگر قربانی کرتے ہیں کیونکہ مسلمان کو اس عید کا ماننا اور یہ  
 جانور اپنے واسطے قربان کرنا واجب ہے۔ اگر جانور کی خرید میں قرض لینے کی ضرورت ہو  
 تو بھی اندیشہ بچا ہے کیونکہ کسی طریق سے خدا اور کسی مدد کر گیا کہ قرض ادا ہو جاوے گا  
 اگر اونٹ ذبح کیا جاوے تو چاہیے کہ پانچ برس سے کم کا نہ ہو اور اگر مینڈھا یا گائے ہو تو  
 اقل مرتبہ دوسری برس میں ہو اور اگر بکرا ہو تو چھ ماہ سے کم کا نہ ہو۔ ان سب جانوروں میں  
 سے کسی میں کوئی عیب یا نقصان کسی قسم کا نہ ہو۔ یہ سنت ہے کہ گھر کا بڑا اپنے  
 ہاتھ سے ذبح کرے اور اگر کسی سبب سے متعذر ہو تو قصاب سے ذبح کرائے لیکن اس  
 حالت میں بھی اتنا ضرور ہے کہ جب قصاب ذبح کرتا ہو تو اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ لے  
 اگر اونٹ قربان کیا جاوے تو اس کا سنہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ جانور کی اگلی ٹانگیں  
 باندھ کر ذبح کرنے والے کو اس کے دائیں جانب کھڑا ہونا اور ایسے زور سے اس کے گلے پر  
 چھری پھیرنی چاہیے کہ جانور فوراً گر پڑے۔ اور کسی طرح ذبح کرنا درست نہیں۔ اور جانور کو  
 کو بھی اسی طریق پر ذبح کرنا چاہیے اور ذبح کرنے سے عین قبل قرآن کی یہ آیت پڑھے۔  
 تو کم میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کی طرف ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں  
 اور بھی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں (سورہ النعام - ۱۶۳)

ذبح کرنے والا اوس آیت کے ساتھ اتنا اور کتنا ہے اللہم منک والیک بسیم اقد اللہ  
اے میرے اللہ تجھی سے اور تیری طرف سے ہے۔ خدا کے نام پر یہ کرتا ہوں خدا  
سے بڑا ہے اور جب ذبح کر چکا ہے تو کتنا ہے اللہم قبل منی اے میرے اللہ تو اسے  
یہی طرف سے قبول کر اول اوس سے گھر کے واسطے کھانا طیار کیا جاتا ہے بعد اسکے  
قریبوں اور پڑوسیوں محتاجوں کو کچھ تقسیم کیا جاتا ہے۔

ہر شخص پیچھے ایک جانور کی قربانی بڑا ثواب ہے لیکن چونکہ ہمیں بڑا صرف پڑتا ہے  
اور ہر کوئی اسکا تحمل نہیں ہو سکتا اس واسطے سب گھر کے واسطے ایک ہی جانور ذبح کرنا  
جائز ہے۔ حالت مجبوری میں بہت سے لوگ شریک ہو کر سب کے واسطے ایک جانور  
کی قربانی کریں تو جائز ہے لیکن کل شریکوں کی تعداد ۷۰ سے ہرگز متجاوز نہونی چاہیئے۔  
اور بعض روایات کے مطابق سات سے زیادہ شریک نہونی چاہئیں۔ اس عید کو  
سب مسلمان جہان میں ہون ضرور ہی مانتے ہیں۔ بقر عید اور عید الفطر دونوں کو عیدین  
(مسلمانوں کے دو بڑے تیوار) کہتے ہیں۔ جس ملک میں مسلمان عیدین کو نہیں من سکتے  
وہ ملک فی الفور دار الحرب (لڑائی کا گھر) ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہوتا ہے کہ وہ اس  
ملک کے کافر حکام پر جہاد کریں۔ مسلمانوں کے خاص تیوار یہی ہیں مگر بعض رسوم جو ہندو  
سے آئی ہیں اونہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بزرگوں کے مزاروں کو  
دُور دُور سے جاتے ہیں اور میلہ وغیرہ اونکے نام پر کرتے ہیں۔ مسیون ہن فی الحقیقت  
صرف دو تیوار ہیں بقر عید اور عید الفطر لیکن اب بہت سی اور بھی ہونے لگی ہیں جنہیں  
سے بعض کی تفصیل میں کر چکا ہوں اب صرف اون چند تیوار و کانا نام بتاؤ گا جو ہندوستان  
سے مخصوص ہیں۔ پیر کا لقب جو بزرگ و دیندار مسلمان کو دیا جاتا ہے ہم معنی ہنود کے  
گرو کے ہے جو کوئی دیندار ہونا چاہتا ہے تو کسی پیر ہادی طریقت کو اختیار کرتا ہے۔

دلی شاعر کہتا ہے سایہ کے مانند اپنے پیر کے نقش قدم پر چل وفات کے بعد بیرون کو دلی کہتے ہیں۔ بیرون کے صین حیات میں اکثر لوگ اونکے پاس تعویذ گنڈون کے واسطے اور دعا کرانے کو جایا کرتے ہیں دلی کے قبرستان کو درگاہ اور مزار (زیارت کی جگہ) اور روضہ (بلع) کہتے ہیں جن لوگوں کا یہ پیشہ ہے کہ قبروں پر قرآن اور نمازین پڑھا کرتے ہیں اونھیں روضہ خوان کہتے ہیں۔ یہ دستور ہو گیا ہے کہ لوگ مزاروں پر گہشت کرتے جاتے ہیں اور پھول اور سٹھائی اور کھانا فاتحہ دیکر چڑھاتے ہیں معمول یہ ہے کہ فاتحہ دلی کے واسطے اوکے نام پر ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اسی کی ذات خاص کو ہوتی ہوں ایسی زیارتوں کی تعمیر کو زمین دینا اور جاگیر عنایت کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔ بہت سے بیرون کا ذکر جو انکے بارہ ماہ میں اور افسوس کی آرائش محفل میں آیا ہے ذیل کے انتخاب سے رسوم مروجہ کا حال معلوم ہوگا۔

اسمدار کا میلہ کہتے ہیں کہ بدر الدین قطب المدار امام حسین کی اولاد سے تھے مقام حلب واقع ایشیائی کو چک میں قریب ۵۰ سالہ ع کے پیدا ہوئے اور محمد سے اجازت پا کر جس دم کرنے لگے اسی سبب سے اونکی عمر زیادہ ہوئی کہتے ہیں کہ اونکے ۴۴ ۴۴ ۱ بیٹے تھے اور تین سو برس سے اونچی ہو کر وفات پائی مگر جو لوگ معقول پسند ہیں وہ کہتے ہیں کہ بیٹوں سے مراد مدین جو ازراہ ارادت بمنزلہ بیٹوں کے تھے۔ عمر کی دہائی کا سبب اس طرح بتاتے ہیں کہ چونکہ ہر آدمی کو دم لینا پڑتا ہے جو کوئی دیر میں دم لیتا ہے اوکلی عمر زیادہ ہو جاتی ہے۔ مدتوں جیتا ہے۔ جوان موصوف میلہ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ مارکی قبر کن پورین کا پور سے قریب ۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جادوی والا دل کی سترھویں کو گاؤں میں بڑا میلہ لگتا ہے اور خوب روشنی ہوتی ہے۔ آگ جلاتے ہیں اور اوکے کپڑے فقیرناچتے ہیں اور دم مار دم مار کہہ کہہ کر خوب او پھلتے اور



کو دے تے ہیں۔ فقیر دن کا ایک گروہ یعنی مرار شاہ کو اپنا سپر جانتے ہیں۔ دور دراز مقامات  
میں جہان جہان کہ شاہ مدار کو مانتے ہیں اونکے نام کا علم نکالتے ہیں او ساور رسوم جون  
روز دن میں مروج ہیں کیا کرتے ہیں راتوں کو لوگ اونکے نام پر جاتے ہیں۔

۲۔ معین الدین چشتی کا میلہ (۱) اس بزرگوار کی قبر اجیر میں ہے۔ یہ سید تھے  
حسین ابن علی کی اولاد سے جو بھتان میں قریب ۳۳۰ ہجری کے پیدا ہوئے تھے۔  
جب پندرہ برس کو پہنچے تو اونکے باپ نے قضا کی۔ چند ہی مدت بعد اسکے ایک  
شہور درویش ابراہیم قندری کے غریہ ہو کر طرقت کی جستجو کرنے لگے یعنی معرفت الہی  
کے پوشیدہ طریق کو ڈھونڈنے لگے ۲۰ برس کے سن میں عبدالقادر جیلانی سے مزید  
ہدایت پائی۔ جب شباب الدین غوری نے ہندوستان کو فتح کر لیا تو اسکے بعد  
معین الدین نے اجیر میں گوشہ نشینی اختیار کی اور ۳۳۰ ہجری میں بحالت تقدس  
وہاں ہی قضا کی۔ دور دور سے لوگ اونکے مزار پر جاتے ہیں۔ شہنشاہ و رعایا خاص  
و عام سب بایکدیگر ان بزرگوار کی تعظیم میں سبقت لیجا چاہتے ہیں۔ اکبر نے بھی  
حالانکہ سنیوں کے نزدیک بیدین تھا اس بزرگ کی زیارت کو گیا تھا اور منت  
مانی تھی کہ میرے لڑکا ہوا اور وہ عمر ہو۔ ہندو بھی اس زیارت کو آتے ہیں اور نین  
امیر لوگ اکثر چٹھاوے چڑھاتے ہیں۔

۳۔ سالار مسعود غازی۔ اس بزرگوار کی قومیت تحقیق نہیں ہے بعض  
کہتے ہیں کہ حسینی سید تھے اور بعض کہتے ہیں کہ چٹھان تھے مگر شہادت پائی تھی اونکی  
زیارت ملک اودھ میں ہے۔ افسوس نے وہاں کی زیارت کرنے والوں کا حال مطلع  
بیان کیا ہے۔ سال میں ایک مرتبہ تمام اضلاع سے لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں سڑک  
جھنڈے ہوتے ہیں اور ہزاروں ڈھولک پر تھاپ پڑتی ہے جٹھ (سٹی جون) کے

پہلے اتوار کو عرس ہوتا ہے۔ لوگوں کے اعتقاد میں یہ اونکی شادی کا دن تھا اور کہتے ہیں کہ جب شہید ہوئے تھے شادی کا لباس پہنے تھے اسی اعتقاد سے ایک رنگبرگ سا کن ردولی نے چار پائی اور پٹیرھی اور اور لوازم شادی کے ایک قمراس فرار پڑوس کے دن بھیجے تھے چنانچہ اوسکی اولاد میں اب تک یہی دستور چلا جاتا ہے۔ عوام الناس کو دو گنا زیارت کے درختوں میں رسے ڈال کر بعض سیدھے اور بعضے اولٹ لٹکے ہیں اور طح طح کے روپ بناتے ہیں اس اُسید پر کہ مراد پوری ہوگی ہندو اس بزرگ کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور سلطان اس سبب سے مقدس جانتے ہیں کہ اونھوں نے بت پرست ہنود کو قتل کیا تھا اور اسی سبب سے مازی (جنگ کرنے والا) کا خطاب پایا تھا۔ ہندو سمجھتے ہیں کہ یہ بھی خدا کی قدرت تھی کہ اونھوں نے ایسی شجاعت کے کام کئے۔

۴۔ سیرا یعنی خواجہ خضر کا میلہ۔ مٹرجی ٹاسی نے لکھا ہے کہ خواجہ خضر سے شخص ہیں کہ انکی نسبت لوگوں میں اسے کا اختلاف ہے بہتر ہے اونھیں مارون کا پوتا فنیاس قرار دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک الیاس نبی کو خضر کہتے ہیں اور ترک سمجھتے ہیں کہ باج ولی کا نام خضر ہے۔ بعض ان ارا و مختلفہ کے متفق کرنے کو کہتے ہیں کہ ایک ہی روح نے تینوں میں حلول کیا تھا۔ بہر حال مسلمانوں کے نزدیک خضر شخص میں جنھوں نے عجایات کا چشمہ پایا تھا اور وہی اوسکے محافظ ہیں لوگ اونھیں بڑا جیور سمندر دن کا گلبان جانتے ہیں پس ان خوبیوں کے سبب سے اونکے نام کا ایک میلہ ہوتا ہے۔ جو ان نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جن لوگوں کی مرادین پوری ہوتی ہیں وہ بھادون (اگست و ستمبر کے مہینے میں خواجہ خضر کے نام کی ماہ چھوڑتے ہیں اور اپنی وسعت کے موافق دودھ اور دلیا چڑھاتے ہیں۔ اس مہینے کی ہر جمعہ کو اور بعض مقامات میں ہر جمعرات کو پوجاری بڑا تیار کر کے رات کو دریا کے کنارہ پر لیجاتے ہیں

اور بہت رسوم ہوتی ہیں۔ چھوٹے بڑے سب چراغ اور شعلین روشن کر کے اپنی پٹی  
 نذین چڑھاتے ہیں اور کچھ پیر نے والے بلکہ بٹیری کو دریا کے حج لیجاتے ہیں اور کبھی  
 ایسا ہوتا ہے کہ چند چھوٹے چھوٹے بٹیری کلنی ٹی کے بنا کر دریا میں ڈالتے ہیں اور چونکہ  
 ہر بیڑہ پر چراغ روشن ہوتا ہے اس واسطے اون سب کے دیکھنے سے عجب کیفیت پیدا  
 ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جزائر المالیہ کے مسلمان ہر سال ایک ناؤ بنا کر اور اوسین بھالہ  
 اور لوہان اور خوشبودار پھول بھر کر سمندر کے مالک کے نام پر کمزادوس سے یقین  
 خضر ہین سمند میں چھوڑ دیتے ہیں۔ ہوا جہاں چاہتی ہے اوٹا لیجاتی ہے اور جو فاتحہ  
 خضر کلم پر پڑھتے ہیں اوسکا مطلب یہ ہے کہ خواجہ خضر یعنی بڑے نبی الیاس کے طفیل  
 سے صفائی قلب اور برکت کے واسطے اوس سے دعا کرتا ہوں جو سب آدمیوں کی  
 مراد میں مستجاب ہے اور تمام برائیوں سے بچاتا ہے۔

۵۔ پیر دستگیر صاحب کی نیاز۔ یہ نیاز ربیع الثانی کی گیا۔ ہون کو ہوتی  
 ہے۔ سنی ان بزرگ کی بڑی تعلیم کرتے ہیں۔ انکے نام ننانوے سے کم نہیں ہیں  
 بغداد میں ان بزرگ کی قبر ہے۔ ربیع الثانی کی دسویں تاریخ ایک رسم جسے صندل کہتے  
 ہیں ہوا کرتی ہے اور دوسرے روز یقینے کیا رہوین کو عرس ہوتا ہے عرس کے دن  
 مولود (چند حالات متعلق ولادت) اور قصیدے اور درود اور فاتحہ انکے نام پڑھتے  
 ہیں اور تین ماں گتے ہیں اور جب کوئی خاص وبا پھیلتی ہے جیسے ہیضہ وغیرہ انکے  
 نام کا علم کھاتے ہیں اور کھانے کی قسم سے چڑھاوے چڑھاتے ہیں کھانے پر فاتحہ  
 دیجاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ پیر صاحب اپنے مریدوں کو خواب میں نظر آتے ہیں اور  
 ہدایتیں دیا کرتے ہیں۔ جعفر شریف قانون اسلام کا مؤلف اپنا ذاتی تجربہ اس باب  
 میں اسطرح بیان کرتا ہے کہ جب کبھی حاجت کے وقت میرے دل پر کچھ تکلیف

ہوتی تو میں پیر صاحب کو بتا دوں نام پڑھ کر خدا تعالیٰ سے یہ التجا کرتا کہ پیر صاحب کے  
ملفیل سے اور اپنی رحمت سے میری حاجت بر لا۔ تو غوث الاعظم دستگیر رحمۃ اللہ  
عالیہ خواب میں ظاہر ہو کر میری تکلیفیں دو کرتے اور وہ آئینہ فرماتے۔ سید عجیب  
جو رفاعی درویشوں کے بانی ہیں اس بزرگ کو برا زادہ تھے۔

۴۔ قادر ولی صاحب کی نیاز۔ جنوبی ہندوستان کے لوگ انھیں بڑا بزرگ  
جانتے ہیں۔ جمادی الثانی کی دسویں تاریخ انکا عرس ہوتا ہے۔ ناگ پٹن سے ۲ میل شمال  
کو ایک قصبہ ناگور واقع ہے وہاں اس بزرگ کا مزار ہے۔ صندل کی رسم اور رسوم وہی  
ہیں جو ادیر مذکور ہوئیں ملاح اور ناخدا انھیں اپنا مربی جانتے ہیں۔ مصیبت کے وقت  
اس طرح منت مانگتے ہیں کہ اگر بخیر کنارہ پر پہنچ جاؤں تو قادر ولی کے نام پر فاتحہ  
پڑھیں گے عوام الناس کو ان بزرگ کی کرامتوں پر بڑا اعتقاد ہے چنانچہ قصہ ذیل  
افہامی نسبت لوگ اکثر بیان کرتے ہیں اسی جہاز میں ایسا سوراخ ہو گیا کہ قریب تھا کہ  
ڈوب جاوے۔ ناخدا نے منت مانی کہ اے قادر ولی اگر یہ سوراخ بند ہو جاوے تو میں  
اس کُل جہاز کی قیمت آپ کے نام پر خیرات کر دوں گا۔ اتفاق سے اس وقت پیر صاحب  
حجامت بنا رہے تھے لیکن ازراہ کرامت اس بات سے آگاہ ہو کر کہ ناخدا معوض  
خط میں ہے ایک آئینہ جو اس وقت اونکے ہاتھ میں تھا ایسا پھینکا کہ اس جہاز کے  
نیچے سوراخ پر جا کے چپٹ لگا جس سے وہ جہاز ڈوبنے سے بچا اور بخیریت کنارہ پر  
پہنچا۔ غرض کہ اس ناخدا نے مناسب وقت پر وہ منت ادا کی اور جب بزرگ  
موصوف نے اس ناخدا سے کہا کہ آئینہ حجام کو لوٹال دینا چاہیے تو اس نے متعجب  
ہو کر کہا کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کیسا آئینہ ہے۔ تو اون بزرگ نے کہا کہ جہاز کے  
سوراخ پر جا کر دیکھو۔ چنانچہ ناخدا نے ویسا ہی کیا اور اس وقت جانا کہ اس طرح

اوسکا جواز بزرگ موصوف کی مد سے بچا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہنود کی باتیں کس طرح  
 اسلام میں پہنچیں اور نیز کہ ہنوز بھی ان بزرگوں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔  
 کہتے ہیں کہ قادر دلی ایک فقیہ تھا جسے ہندو اور مسلمان دونوں اپنا پیر گردانتے ہیں  
 اس سے پایا جاتا ہے کہ اوسکی باتیں دونوں کے مناسب ہوتی تھیں بعد وفات کے  
 ایک چھوٹی سی مسجد اوسکے مزار کے قریب بنا لی گئی رفتہ رفتہ اوس دلی کی شہرت بڑھ گئی اور  
 ایک ہندو راجہ نے یہ نشت مانگی کہ اگر میرے بیٹا پیدا ہو تو مسجد کو بڑھا کر خوب آراستہ کر دوں گا  
 اوسکی مراد پوری ہوئی اور وہ خوشناعت جو بالفعل ہے اوسے ہندو راجہ نے بنوائی ہو  
 اور اب یہ مزار ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ وہاں کے مسلمان کہا کرتے ہیں کہ مکہ کے بعد اسکا مزار  
 ہے اور جس سبب سے کہ مدت گزری ہندو راجہ نے چڑھاوا پڑھایا تھا اوسی سبب سے  
 اب بھی بہتیرے لوگ نائین مانگتے ہیں جمعرات کی شام کو جو مسلمانوں کے سبب کا شروع  
 ہے ہنود کی عورات اوس مزار پر بکثرت جاتی ہیں جس روز سالانہ تیوار ختم ہوتا ہے اوس  
 رات کو ناگ پٹن سے تالوت نکالتے ہیں اور بڑے بڑے چڑھاوے ناگور کے محل سے  
 اوس مسجد کو بھیجے جاتے ہیں۔ اس طرح ہنود کا تعلق اوس تیوار سے ہمیشہ قائم رہتا ہے۔  
 اسی طرح بہت دلی اور پیر میں جنکی یادگار میں بہتیرے توہم آمیز رسوم ہوا کرتی ہیں  
 لیکن اسلام میں درگاہ پر جانا کچھ ضرور نہیں۔ تمام ملک میں جا بجا اس قسم کی دکانیں  
 ہیں جہاں ہر سال میلے تیوار ہوا کرتے ہیں مگر ایسی درگاہوں کی مزید تفصیل غیر ضروری  
 سمجھ کر قلم انداز کرتا ہوں اور اپنے مضمون کو اسی پر ختم کرتا ہوں۔ ابواب مابقی میں  
 میں نے عقائد اسلامی کی اور اوسکے احکام کی تفصیل کی ہے اب میں چاہتا تو یہ بیان کرتا  
 کہ اسلام کو یہودی اور عیسائی مذہب سے کیا تعلق ہے اور کن کن باتوں میں مختلف  
 ہے اور مذہب عیسوی میں کونسی خراب باتیں تھیں جنکی اختلاف کا اقرار اسلام نے

کیا ہے اگر میں چاہتا تو یہ بھی بیان کرتا کہ لوگوں پر اور لوگوں کے اخلاق پر اور نیز جہانگاہ  
ہر شخص کے چلن رویہ پر اور ملک پر اس مذہب سے کیا اثر پیدا ہوا لیکن  
یہ مضامین مجھے میرے مطلب سے بہت دور ڈالتے ہیں۔ میں اسی قدر پر اکتفا کرنا  
بستر جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے عقائد کو اونکی کتابوں سے بیان کر دیا اب پڑھنے والوں  
کے اختیار میں ہے کہ اس مذہب سے مقابلہ کر کے اپنے واسطے نتیجہ نکالیں فقط۔

## تمام شد

78493

15-9-87



